

آواز اعلائی خدیو

www.sirat-e-mustaqeem.net

واقعہ خدیو کا حیاتِ انسانی پر اثر
(تعلیماتِ اہل بیت کی نظر میں)

مَنْ كُنْتَ مَوْلَا فِهَذَا اَعْلَى مَوْلَا
مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللهِ

مُصَنَّف
عبدُ الکریم مُشتاق

۲۰۰۰

آواز

اعلا - غلیر

صیقل سکینہ
حیدر اہدلیف آباد، پوسٹ نمبر ۸۰۱-۸۰۲

از اسم
بوید الکریم مشاق

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

آواز (اعلان غدیر)	:	نام کتاب
واقعہ غدیر کا حیات انسانی پر اثر	:	موضوع
(تعلیمات اہل بیت کی روشنی میں)	:	
عبدالکریم مشتاق	:	تحریر
ملک رفیع اللہ خان بگلش منگو مال کراچی	:	پیشکش
کے۔ اے۔ پبلی کیشنز۔ کراچی	:	ناشر
	:	تقسیم کار
شفاف کمپیوٹر سنٹر۔ لاہور	:	کمپوزنگ
ایڈیشن اول نومبر ۱۹۹۳ء	:	طباعت
روپے	:	قیمت

فہرست

عنوانات صفحہ نمبر

نمبر شمار

- 1- مقدمہ۔ اسلامی نظریہ حیات 17
- 2- عام مذاہب کا متنی صرف روحانی ترقی رہا 18
- 3- اسلام ترقی حیات ارضی کی جانب بھی خصوصی توجہ دیتا ہے 18
- 4- وہ مسئلہ حیات جسے عقل حل کرنے میں ناکام رہی ہے 19
- 5- عدل 20
- 6- ہر شے کا ایک مقصد حیات ہے 20
- 7- اعمال و افعال کے تعمیری نتائج کا نام "حق" ہے 21
- 8- صراط مستقیم راہ متوازن ہے 21
- 9- حسن عمل کو "عمل صالح" کہہ سکتے ہیں 22
- 10- راہ نمائی کون کرتا ہے؟ 22
- 11- تخلیق و ہدایت منجانب الہی ہے 23
- 12- "بدیع" "فاطر" اور "خالق" کا معنوی فرق 24
- 13- بارگن کا عقیدہ 24
- 14- وحی 25
- 15- کائنات اطاعت گزار میں مصروف مشغول ہے 25
- 16- اطاعت خالق کا نام اسلام ہے 26
- 17- اسلام کی آئیڈیالوجی 27
- 18- انسان اور کائنات کی دوسری چیزوں میں فرق 27
- 19- نبوت و رسالت: انسان کے لئے ہدایت کا ہندوستان 29

عنوانات صفحہ نمبر

نمبر شمار

- 29 20 مشترک نصب العین
- 30 21 اسلام اور نمونہ ہائے اسلام
- 31 22 فراغت رسول اسلام
- 32 23 نصب امام
- 33 24 دو نظریے
- 33 25 اسلامی نظریہ
- 34 26 مستقل اقدار
- 36 27 دین اسلام ابدی صداقت اور امانت الہی ہے
- 36 28 انسان کی آرائش
- 37 29 اسلامی اقدار کی تہذیبی
- 37 30 مثالی معاشرہ
- 38 31 چادر انسانیت
- 39 32 کساء
- 39 33 گمراہی کے دو اقسام
- 39 34 سلسلہ نبوت کا اجراء
- 40 35 سلسلہ امامت
- 40 36 معرفت امام
- 42 37 حدیث کساء
- 42 38 کون فاطمہؑ؟ جنت کی خوشبوا
- 43 39 نوع انسان میں حور
- 43 40 ہم شکل پیغمبرؐ ہم شکل نبیؐ سنت الرسولؐ ہیں
- 43 جس نے فاطمہؑ کو ناراض کیا اس نے رسولؐ کو ناراض کیا

عنوانات صفحہ نمبر

نمبر شمار

- 41- اہل بیت خانہ بتول 44
- 42- تمام ضعف دور کرنے والی شفا بخش چادر 44
- 43- آمد امام حسن 45
- 44- مناقب امام حسن 46
- 45- شبیہ رسول 46
- 46- سید 46
- 47- اہل جنت کا سردار 47
- 48- امام حسین علیہ السلام آتے ہیں 47
- 49- مناقب امام حسین 48
- 50- "حسین مجھ سے اور میں حسین سے ہوں" 48
- 51- سبط الاسباط 49
- 52- اہل سموات کے نزدیک محبوب ترین ہستی 49
- 53- حسین مکا دشمن اور اب رسول مکا دشمن ہے 49
- 54- رحمان رسول 49
- 55- امام علی المرتضیٰ کی تشریف آوری 50
- 56- فضائل علویہ 50
- 57- وصی، خلیفہ اور وارث رسول، مولا علی علیہ السلام 51
- 58- چادر تطہیر میں سیدہ طاہرہ کا داخلہ اور عرش پر اللہ کا اعلان 53
- 59- سب کچھ محبتِ محمدی کی خاطر پیدا کیا گیا ہے 53
- 60- جبرائیل کی تمنا 53
- 61- نزول امین وحی 54
- 62- روایہ حدیث کافرش سے عرش کے حالات کی روایت کرنا قابلِ توجہ امر ہے 54

عنوانات صفحہ نمبر

نمبر شمار

- 54 حضرت جبرائیل کا خلاف معمول داخلہ کے لئے اذن طلب کرنا 63
- 55 عفت و احترام سیدۃ النساء العالمینؑ 64
- 55 سید الملا کہ کا سید المرسلینؐ کو آیت تطہیر پہنچانا 65
- 55 اہل البیتؑ کی طہارت کاملہ 66
- 56 اللہ کے نزدیک چادر تطہیر تلے اجتماع کی فضیلت اور اہل ایمان کی سعادت داریں 67
- 57 صحت حدیث 68
- 58 حدیث کساء سے اعراض کرنے کے باعث حیات انسانی کا ارتقارک گیا 69
- 70 افتتاح: محمد باری تعالیٰ 59
- 62 محسن انسانیت درود و سلام 71
- 63 ہدیہ تحریک 72
- 64 اسلام اور جسمانی زندگی کے تین مراحل 73
- 66 کتب اہل بیتؑ رسولؐ کا حیات پر اثر 74
- 67 تاریخ انسانیت کے تین دور 75
- 68 ہر قسم کی گمراہی سے محفوظ رہنے کا واحد طریقہ 76
- 68 حدیث ثقلین 77
- 69 ہادی اعظمؑ نے تمک بالثقلین کی تاکید کیوں فرمائی؟ 78
- 69 کتب اہل بیتؑ کا اقتدار 79
- 71 سکون 80
- 71 دین حنیف اور اس کی اہمیت! 81
- 73 دین فطرت 82
- 73 انسان سے ظلی کی ارتکاب کیوں ہو آئے؟ 83
- 75 دین اور شریعت میں فرق 84

77	85-	نکتہ
77	86-	وارث دین
79	87-	اسلام گمراہی سے بچنے کی ضمانت دیتا ہے
80	88-	لارڈ ہیڈلے کے اثرات
81	89-	نظام کائنات عدل پر قائم ہے
81	90-	اسلام میں عدل کی اہمیت
81	91-	اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے
82	92-	خطرہ عظیم
83	93-	عقائد باطلہ
86	94-	سائنس اسلام سے ہم آہنگ ہے
87	95-	ملی فریضہ
88	96-	طلب احتیاط
88	97-	دین کی جانب میلان میں رکاوٹ
89	98-	مذہبی دنیا کو چیلنج
91	99-	مادہ پرست کے جارجان شکوے
93	100-	چراغ دین کے مدہم ہونے کا اندیشہ
94	101-	اسلام مذہب حق ہے
95	102-	مرکزی نقطہ حیات، مخلوق اول، قایت کائنات نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
96	103-	حدیث نور
99	104-	دین اسلام کے دو ستون
99	105-	”کلام محمد“ کے بے نظیر حسابی ثبوت
102	106-	نقطہ ہائے بسم اللہ

عنوانات صفحہ نمبر

نمبر شمار

- 103- آئین اسلام
- 105- لفظ ”دین“ کے لغوی معنی
- 105- استعانت
- 107- صراط مستقیم
- 107- مغضوب و ضال
- 108- اعلم امت
- 109- اللہ جسے چاہے صراط مستقیم کی ہدایت کرے
- 109- اعراض حق
- 110- حکم رسولؐ سے روگردانی راہ مستقیم کی رکاوٹ ہے
- 110- اطاعت رسولؐ موجب نفاق و کامرانی ہے
- 111- رسولؐ کے ذمے تبلیغ ہے آپؐ روگردانی کے ذمہ دار نہیں
- 112- فاسق کون ہے؟
- 113- اطاعت گمراہی رسولؐ کے بارے میں رحمت کی بخشش اور ذمت سے نجات بخشی
- 114- رسولؐ کا بلا تاہام بلانا نہیں ہے، نافرمان رسولؐ کے لئے عبرت ناک سزاؤں کا اعلان
- 118- اسلام کی حقانیت کا امتحان مقصود ہو تو شرط اطاعت رسولؐ کا معیار ملحوظ رکھنا ہو گا
- 119- دین میں کشش ہے
- 121- اسلامی تعلیمات کا محور عقل و فطرت ہے قرآن سائنس کا تابع نہیں ہے
- 121- ثمرات اسلام سے محروم رہنے کی ٹھوس وجہ
- 122- غیر مسلم اقوام کی ترقی اور مسلمانوں کی بد حالی کا سبب
- 123- قوت بندہ مسلم
- 123- تشخیص مرض
- 124- تاریخ اسلام کے چار تعجب انگیز امور

عنوانات صفحہ نمبر

نمبر شمار

- 125- فساد امت کا بیج
- 126- شجر خبیث کا مسلک پھل
- 126- طیب قلوب کی خیر اندیشی اور امت کا عیسان
- 127- اسلام کی دردناک کمائی
- 130- وہ حکم رسول جس کی سر تابی کا وبال امت پر طاری ہے کیا ہے؟
- 130- دعوت منافع
- 131- علی کا شکوہ نہ کرو۔ اللہ کے معاملہ میں وہ سخت گیر ہے
- 132- اپنے حکم کی عدم تعمیل پر رسولؐ رحمت رنجیدہ خاطر ہوئے
- 134- رسول اللہ کی مخالفت جاری رہی لوگ تعمیل حکم میں گریز کرتے رہے
- 136- رسالت ماب کا حکم۔ لوگوں کو ٹھہرو! آگے مت جاؤ
- 137- انتظار پیغمبرؐ ختم ہو جاتا ہے
- 138- رسول خدا کو تحفظ الہی ملتا ہے
- 140- جلسہ غدیر۔ اعلان ولایت امیر المومنین علی ابن ابی طالب
- 140- جی علی خیر العلی کی صدائیں گونجنے لگیں
- 141- سہ باری اقرار
- 141- جس کا میں مولا اس کا علی مولا
- 142- مبارک بادیاں
- 142- تکمیل دین کا مژدہ
- 143- واقعہ غدیر مسلم اور سواتر ہے
- 143- مولا کے معنی میں بے معنی ابہام
- 146- ولایت علویہ
- 146- اعلان غدیر کی بنیادی حیثیت اقرار ولایت علویہ اصل دین ہے

- 148- یوم غدیر یوم تکمیل الدین ہے 148
- 148- روز عید غدیر ستاروں میں چاند ہے 148
- 148- فضائل یوم غدیر 148
- 149- اعلان غدیر کی مخالف جماعت کے نمائندے کی چپاک ترجمانی 149
- 150- مخالف کا عبرت ناک انجام 150
- 151- معذب حادث فہری کے واقعہ کی توثیق 151
- 152- تین اعتراضات کا رد 152
- 153- پہلا اعتراض 153
- 154- دوسرا اعتراض 154
- 155- تیسرا اعتراض 155
- 155- خطبہ غدیر میں الفاظ ”خلیفہ“ ”وصی اور وارث“ کا استعمال 155
- 157- فہمیت الفدیہ 157
- 160- قرآن مجید کی تفسیر علیؑ سے حاصل کرو 160
- 162- دستار بندی اور قصیدہ خوانی 162
- 164- زوال کی گھٹائیں 164
- 164- اطاعت و اتباع رسولؐ سے انحراف 164
- 165- امام غزالی کا جرات مندانہ اعتراف 165
- 166- جلسہ غدیر میں امین وحی حضرت جبریلؑ کی شرکت 166
- 166- علیؑ سے بغض منافقت کی علامت ہے 166
- 167- حضرت عمرو لایت علویہ کو تسلیم کرتے تھے 167
- 168- روحانی دنیا کا جلسہ عام 168
- 168- بیہشاق رسالت محمدیہؐ 168

عنوانات صفحہ نمبر

نمبر شمار

- 173- یشاق ولایت طویہ
- 174- خلقت انسان کے دو مقاصد
- 175- مقصد اول عبادت - عبادت کیا ہے؟
- 176- مقصد دوم خلافت و نیابت الیہ
- 177- عبادت و خلافت کا باہمی رشتہ
- 178- خلافت آدمؑ
- 179- منصب خلافت
- 180- استخلاف برطانی سنت الیہ
- 181- شرائط خلافت
- 182- ایمان کل
- 183- صالح المؤمن
- 184- سنت سابقہ
- 185- حکمین دین
- 186- منہ شای شرط خلافت نہیں
- 187- استحکام دین
- 188- دفاع دین
- 189- خوف کی جگہ امن
- 190- بندگی خدا
- 191- منکر و فرمان ہے
- 192- کیا خدا نے وعدہ استخلاف ارضی کو پورا کیا؟
- 193- خلیفہ خدا صراطِ مستقیم کی نگرانی کرتا ہے اور امانت الہی کا امین ہوتا ہے
- 194- آداب رسالت - آواز رسولؐ پر اپنی آواز بلند کرنے کی ممانعت

عنوانات صفحہ نمبر

نمبر شمار

- 187- معرفت رسولؐ سے محرومی
- 188- انسان پر شیطان کو مسلط کرنے میں کیا حکمت ہے؟
- 192- امام زین العابدینؑ کی حکمت آموز دعا
- 195- شیطانی جارحیت کا مرکزی نشانہ صراط مستقیم ہے
- 196- صراط مستقیم اہل بیتؑ کا راستہ
- 198- واقعہ غدیر کا امت پر معکوس اثر
- 199- میدان غدیر میں چالاک شیطان کا شب خون مارنا
- 200- خلاصہ بیان بزبان مشربانِ دیون پورٹ
- 202- اللہ نے صراط مستقیم کی حفاظت کا رائج بندوبست کر دیا
- 204- کتب اہل بیتؑ کی امتیازی خصوصیات
- 204- اسلام قبول کرنا کیوں ضروری ہے؟
- 205- کیا مسلم جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے؟
- 207- اکائی کا نقطہ
- 208- سکھ کی سانس
- 209- دین اسلام کے جزوی سبق "پسندیدہ اخلاق" کی بدولت غیر مسلم اقوام ثمرات وصول کر رہی ہیں
- 210- کتب اہل بیتؑ احساس محرومی کا صحیح علاج تجویز کرتا ہے
- 211- ہر محرومی کا واحد علاج اطاعت رسولؐ ہے
- 212- اسلام سے کنارہ کشی کا نتیجہ
- 213- مسلمان کی خطا
- 214- اطاعت رسولؐ شیطانی حملوں کو پچا کرنے کا موثر ہتھیار ہے
- 215- صراط مستقیم پر قائم رہنے کیلئے رسول کریمؐ کا تعلیم کردہ راستہ

عنوانات صفحہ نمبر

نمبر شمار

- 214- اطاعت علیؑ ہر مومن پر واجب ہے
- 215- تاریخی الیہ
- 215- امت میں تفرق
- 217- اعمال میں تاخیر کیوں نہیں؟
- 218- فضائل قرآن
- 219- نماز کی فضیلت
- 222- روزہ کا فائدہ
- 220- شدت سے عمل کرنے والے جہنم میں داخل ہوں گے
- 224- حالات حاضرہ
- 222- اچھا کامی اسی وقت نیکی ہے جب خدا سے قبول کرے
- 224- عہد روز غدیر سے تخلف کا انجام بزبان بشیر و نذیر کلام جناب امیر
- 225- نتیجہ جو مادہ پرست کے جاویدانہ شکوہ کا جواب ہے
- 225- فضائل اہل بیتؑ - شکوہ کا رخ معکوس
- 230- عام مسلم پر انعام الہی
- 232- مثالی مسلم حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ
- 233- حیوانات پر حضرت ابوذر کی حکومت
- 234- محمد و آل محمدؑ کا وسیلہ درندوں کو مطیع مسلم بنادیتا ہے
- 236- مرد مسلم، مطیع کامل، مسلمان محمدیؑ
- 236- آل رسولؐ امت کے لئے وسیلہ اور ذریعہ شفاعت ہیں
- 237- مسلم ایک قوت بائتہ کا مالک ہوتا ہے
- 238- مسلم کے صبر کی انتہا
- 239- ”مسلم“ کے رسولؐ کی مدد

عنوانات صفحہ نمبر

نمبر شمار

- 240- محمد و اہل محمد کی خدمت میں سانیوں کا بدیہ سلام پیش کرنا
- 241- سلمان شیل نوح ہیں
- 243- مدح رسول پر بیان رسول عالی شان
- 243- امام مضمون کائنات میں بدرجہ روح و قلب ہے
- 244- قوت انسانی روح کی قوت پر مختصر ہے
- 247- اہل بیت کی سیرت نبوی سیرت کا مکمل نمونہ ہے
- 247- آل محمد اطاعت اور اتباع رسول کی معراج پر
- 248- مشکلات
- 250- حق کا دوسرا نام علی بن ابی طالب ہے
- 253- دانش گاہ اہل بیت میں جو بھی آیا کچھ لے کر گیا
- 254- علامت سلسلہ بدرجہ انبیاء یعنی اسرائیل ہیں
- 256- دنیا کی قدح و مدح
- 257- دنیا کی تعریف امیر المومنین کی زبانی
- 257- جنت و شہان اہل بیت پر حرام ہے
- 258- دشمن اہل بیت کے لئے "مال و عیال کی کثرت" کی بددعا رسول
- 259- مسلم اکابرین کا سائنسی شعور
- 260- سائنس کا راج
- 263- اسلامی سائنس
- 263- اتباع کے بغیر اطاعت کامل نہیں ہوتی
- 265- مسلمانوں اس نور کا اتباع کرو جو رسول کے ساتھ نازل ہوا
- 267- حب دنیا جو غافل کر کے "مسلم" کو فاسق بناتی ہے
- 267- توحید میں دنیا کی مذمت

عنوانات صفحہ نمبر

نمبر شمار

- 260- جب دنیا اور قرآن
269
- 261- مولانا علیؒ کی نگاہ میں دنیا کا مقام
270
- 262- اہل کتاب کو صراطِ مستقیم کی دعوت الیہ
270
- 263- اہل اسلام کی ہدایت
270
- 264- صراطِ مستقیم شناسوں کے لئے خدا کی ہدایت نامہ
271
- 265- ایک سبق آموز قرآنی مثال
272
- 266- حضرت ابراہیمؑ اور صراطِ مستقیم
272
- 267- صراطِ مستقیم سے کون لوگ ہٹے ہوئے ہیں؟
273
- 268- مومن کی علامت
274
- 269- ایمان عشقِ الہی ہے
274
- 270- ہمارے ایمان معیاری کیوں نہیں؟
276
- 271- محبت جو انسانوں کو محبوب رسولؐ اور محبوب خدا بناتی ہے
276
- 272- محبت بھرا ایمان کیوں نصیب نہیں ہوتا
280
- 273- غفلت
281
- 274- تزکیہ نفس
283
- 275- غفلت کا علاج
284
- 276- مسلمانوں کی روش اطاعت و اتباع رسولؐ سے متصادم رہی
287
- 277- غیر اسلامی نظام کا اجراء باعث تزلزل بنا ہے
289
- 278- قوموں کے عروج و زوال کا مذہب و نظریہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا
290
- 279- متقدمین نے وجاہت کی خاطر نافرمانی رسولؐ کی
292
- 280- مولانا مودودی کا محتاط انداز بیان
293
- 281- امامت ایک نعمت خداوندی ہے
296

عنوانات صفحہ نمبر

نمبر شمار

302	282-	کنراں نعمت کی سزا
303	283-	خطبہ غدیر کا پس منظر
304	284-	ایک شبہ کا ازالہ
305	285-	منصب نبوت اور منصب امامت کا باہمی تعلق
311	286-	اعلان غدیر کے بعد مخالفین میں اضطراب
313	287-	حدیث غدیر کی تصدیق و توثیق
314	288-	اصحاب رسولؐ راویان حدیث
315	289-	علماء و محدثین جنہوں نے اس حدیث کو نقل فرمایا
316	290-	حدیث غدیر کا متواتر ہونا
316	291-	طرق حدیث غدیر
317	292-	صحیح بخاری اور حدیث غدیر
322	293-	احتجاج معصومین بحديث غدیر
322	294-	حدیث غدیر کو چھپانے والے اصحاب مذبذب ہوئے
323	295-	خوف رسولؐ
324	296-	منافع بیان
327	297-	التماس دعا

مقدمہ اسلامی نظریہ حیات

مسلمان دنیا کے ہر مقام اور ہر گوشے سے یہ آواز سنائی دیتی ہے کہ ”اسلام ایسا ضابطہ حیات ہے کہ نوع انسانی کی تمدنی، معاشرتی، سیاسی، اجتماعی اور انفرادی تمام مشکلات کا واحد اور عدیم النظم حل اپنے اندر رکھتا ہے“ لیکن جب کوئی یہ پوچھے کہ اسلام کی وہ کونسی تعلیمات ہیں جو بے مثل و بے نظیر ہیں تو کوئی مسلمان اس کا اطمینان بخش جواب نہیں دیتا۔ حالانکہ یہ دعویٰ اپنی صداقت میں کوئی کلام نہیں رکھتا عبادات، معاملات اور اخلاقیات کے پیش نظر اگر یہ کہا جائے کہ اللہ کی عبادت کریں حسن اخلاق یا خوبی معاملہ سے برتاؤ کریں تو معترض یہ کہے گا کہ جہاں تک ان تعلیمات کا تعلق ہے وہ تو دوسرے ادیان و مذاہب میں بھی موجود ہیں حتیٰ کہ خدا کی ہستی سے منکر اقوام بھی اخلاقی تعلیمات کے قائل ہیں۔ لہذا اگر اسلام کا مابہ الامتیاز یہی ضابطہ اخلاق ہے کہ جسے آجکل ”مذہب انسانیت“ کی اصطلاح دی گئی ہے تو اس سے اسلام کی صداقت و حقانیت ثابت نہیں ہوتی۔ پھر ان عنوانات کے تحت شعائر کی پابندیوں کے باوجود مسلمانوں کی جو حالت زار ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ایسی صورت میں مسلمان اگر کوئی جواب دے سکتا ہے تو وہ یہ ہے کہ بے شک دنیوی حالت تو خراب ہے مگر اس سے ان کی روحانی ترقی ہوتی ہے۔ عاقبت سنورتی ہے۔ مگر مادی دنیا میں روحانی ترقی کسی خارجی معیار سے پرکھی نہیں جاسکتی کیونکہ دیگر مذاہب بھی روحانی ترقی کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ لہذا ظاہر ہے کہ کوئی مذہب بھی اس کا مرئی اور محسوس ثبوت پیش نہیں کر سکتا۔

عام مذاہب کا منتہی صرف روحانی ترقی رہا

بعثت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل دنیا کے تمام مذاہب نے مذہب کا منتہی روحانی ترقی اور اخروی نجات قرار دے رکھا تھا مادی معاملات اور دنیاوی مسائل سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا۔ زمین کی بادشاہی ظل الہی کے سپرد کر دی گئی تھی اور آسمانی بادشاہت مخصوص کر لی تھی۔ ان کے نزدیک اشیائے دنیا کی کشش وجاذبیت روحانی ترقی کے مانع اور اخروی نجات کے راستے میں رکاوٹ تھی۔ کیونکہ عاقبت کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہ تھی اس لیے ہر مذہب کے ماننے والے اپنی اپنی جگہ پر مطمئن تھے کہ وہ حق پر ہیں اور باقی باطل پر۔ اسلام نے اس تصور میں انقلابی تبدیلی پیدا کی مگر مسلمانوں نے عملاً "اسلامی تصور سے انحراف کیا جس کی تفصیلات آئندہ پیش کی جا رہی ہیں۔ اس اعراض کا نتیجہ یہ ہے کہ آج اسلام کو مذاہب عالم کے مقابلے میں بے مثل و بے نظیر ثابت کرنا دشوار ہو گیا ہے۔

اسلام ترقی حیات ارضی کی جانب بھی خصوصی توجہ دیتا ہے

قرآن مجید میں قصہ آدم کے بیان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مَسْكَنٌ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ (البقرة-۳۶)
یعنی اور تمہارا ٹھکانہ زمین میں ہوگا اور متاع ارض (ضروریات زندگی) ایک (مقررہ) مدت کے لیے ہوگی۔ اس کے بعد خالق نے فرمایا۔ یاد رکھو کہ۔

فَمَنْ تَبِعْ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (البقرة-۳۸)
یعنی جب بھی تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے (جو کہ یقینی ہے) تو جو

اس کے پیروی کریں گے ان کو خوف ہو گا نہ حزن و ملال - گویا جو قوم ہمارے دیے ہوئے ضابطہ حیات کا اتباع کرے گی وہ ہر طرح کے حزن و خوف سے محفوظ رہے گی لیکن اس کے برعکس جو گروہ ہمارے ہدایت نامہ کے خلاف زندگی کے مسائل کو اپنے خود ساختہ نظریوں کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کرے گا تو پھر انجام کار یہ ہو گا کہ :

اولئك اصحاب النار هم فيها خالدون۔ (البقرة - ۳۹)

وہی اصحاب نار ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یعنی ان کی کشت حیات جل کر راکھ ہو جائے گی۔ لہذا اسلام انسان کو ایسی رہنمائی عطا کرتا ہے جو اسے اس دنیا میں خوشگوار زندگی بسر کرنے کے طور و طریق سکھاتی ہے اور اسے حیات ارضی کے ان بنیادی مسائل کا حل تعلیم کرتی ہے جو عقل انسانی کی طاقت سے باہر ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اسلام کے ممتاز منفرد اور بے نظیر ہونے کی حقیقت ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔

وہ مسئلہ حیات جسے عقل حل

کرنے میں ناکام رہی ہے

ہمارے اشارہ کردہ بنیادی مسائل میں کا اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ انسانی عقل

جسے حل کرنے میں بری طرح ناکام ہو چکی ہے۔ Dr. REINHOLD NIEBUHR نے

اپنی کتاب MORAL MAN AND IMMORAL SOCIETY میں اس

کا تذکرہ اپنے ابتدائی بیان میں اس طرح کیا ہے کہ۔

اگرچہ انسانی معاشرہ کی جڑیں ایسی ہیں جو تاریخ (ارض) میں خود انسانی

زندگی کے آغاز سے بھی زیادہ گہرائی تک پہنچی ہوئی ہیں لیکن نوع انسانی نے اپنی

اجتماعی زندگی کے بنیادی مسئلہ کے حل میں مقابلہ ”بست ہی کم ترقی کی ہے۔ یہ

مسئلہ یہ ہے کہ وہ طبعی اور ثقافتی اسباب و ذرائع جو انسانی زندگی کے قیام اور نشوونما

کے لیے ضروری ہیں ان کی عادلانہ تقسیم کی جائے۔

عدل

یعنی ڈاکٹر موصوف کے نزدیک انسان کی حیات ارضی کا بنیادی مسئلہ ”عدل“ ہے۔ ڈاکٹر صاحب اپنی محولہ بالا کتاب کے آخری صفحے پر تحریر کرتے ہیں کہ۔

”نوع انسانی کی نجات ان افراد کے ہاتھوں ممکن ہے جنہوں نے قدیم ”خوابوں“ کو جدید ”خوابوں“ سے بدل دیا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ اہم ”خواب“ یہ ہے کہ نوع انسانی کی اجتماعی زندگی میں مکمل عدل پیدا کر دینا ممکن ہے۔ یہ خواب بڑا ہی بیش بہا ہے۔ اس لیے کہ انسان عدل سے قریب تر مقام کو بھی حاصل نہیں کر سکتا جب تک مکمل عدل کی امید اس کے دل میں ایک بلند قسم کا جنون پیدا نہ کر دے اس جنون کے علاوہ کوئی اور قوت ایسی نہیں جو ارباب اقتدار کے استبداد اور بلند مسندوں پر متمکن شدہ روحانی پیشوائیت کی ایلسانہ کارستانیوں کے خلاف جما کر سکے۔“

مگر اس طرح کا جنون خطرناک بلکہ مسلک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ اس سے مذہبی دیوانگی کے حوصلے بڑھ جاتے ہیں لہذا اس FANATICISM کو معتدل رکھنا اشد ضروری ہے۔ پھر یہ احتیاط بھی مطلوب ہے کہ کہیں اس جنون کے اپنا یہ کام مکمل کر لینے سے پہلے عقل اس کا کام تمام نہ کر دے۔ چنانچہ عقل و جنون کا ایسا امتزاج جس میں نہ تو جنون مذہبی دیوانگی پر اکسائے اور نہ ہی عقل اس جنون کی چنگاری کو اپنی خاکستر کے نیچے دبا کر بجھا دے۔ اسلام کے سوا کسی دوسرے مسلک میں نہیں مل سکتا۔ اور مکتب اہل بیتؑ میں اس کی اصولی حیثیت مسلمہ ہے۔

ہر شے کا ایک مقصد حیات ہے

مکتب اہل بیتؑ کی تعلیمات کے مطابق اسلام کی رو سے کائنات کی ہر شے اپنے

اندر مخصوص صلاحیتیں رکھتی ہے۔ ہر چیز کا مقصد حیات یہ ہے کہ اس کی مضر صلاحیتیں نشوونما پا کر تکمیل تک پہنچ جائیں۔ جس نوج و اسلوب یا نظام و قانون کے مطابق کسی شے کی پوشیدہ صلاحیتیں بتدریج پھلتی پھولتی ہیں اور اپنے تکمیلی نقطہ تک پہنچتی ہیں اسے قدرتی نظام ربوبیت کہا جاتا ہے۔ اور اس نظام کے منتظم اعلیٰ کو ”رب العالمین“ کہتے ہیں ربوبیت کیلئے ضروری ہے کہ مربوط شے کی ہر حرکت کا رخ تعمیری نتائج مرتب کرنے کی جانب سیدھا ہو کیونکہ تعمیری نتائج کے بغیر ربوبیت ممکن نہیں۔

اعمال و افعال کے تعمیری نتائج کا نام ”حق“ ہے

تعمیری نتائج کو اسلامی اصطلاح میں ”حق“ کہا جاتا ہے۔ اسی لیے خلاق عالم نے فرمایا ہے کہ اس نے کائنات کو ”بالحق“ پیدا کیا ہے۔

وخلقنا السموات والارض وما بينهما لعبين ○ ما خلقتهما الا بالحق ولكن اكثر هم لا يعلمون اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے بلا مقصد پیدا نہیں کیا۔ یقیناً ”ہم نے ان دونوں کو (بالمقصد) بالحق خلق کیا ہے مگر (لوگوں کی) اکثریت اس بات کو نہیں سمجھتی۔ (الدخان۔ ۳۸-۳۷)

صراط مستقیم راہ متوازن ہے

اس نظام ربوبیت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مختلف اجزائے کائنات باہمی تعاون سے ایک دوسرے کی تربیت کا ذریعہ بنیں اور ان اجزاء میں ایک خاص توازن اور ٹھیک تناسب ہو تا کہ اجزاء کے بکھر جانے سے توازن و تناسب بگڑنے نہ پائیں۔ کیونکہ ایسی صورت میں انتظام ربوبیت میں خلل یا بد نظمی پیدا ہو جائے گی۔ مشاہدہ گواہ ہے کہ کائنات کی تمام چیزیں ایک راہ پر گامزن ہیں اور شرعی اصطلاح

میں اسی راہ کو ”صراطِ مستقیم“ کہا جاتا ہے۔ جو سیدھی بھی ہے اور بلندی کی طرف بھی جاتی ہے۔

”حسنِ عمل“ کو ”عملِ صالح“ کہہ سکتے ہیں

اس سیدھے راستے پر چلنے کے طریقوں کو اعمالِ صالح یا حسنِ عمل کہا جاسکتا ہے۔ جس کا نتیجہ آگے بڑھنا یا سر بلند ہونا برآمد ہوتا ہے ربوبیت کی ہر شے کیلئے ایک نقطہ تکمیل کا ہونا ضروری ہے۔ یعنی وہ منزل جس پر پہنچ کر اس چیز کی تمام مضر صلاحیتوں کی نشوونما مکمل ہو جائے۔ یہی اس شے کا مقصد یا انتہی ہوگا۔ اب چونکہ کائنات نظامِ ربوبیت کے تابع سرگرم عمل ہے۔ اس لیے اسے بلا مقصد و منزل پیدا نہیں کیا گیا ہے۔

راہِ نمائی کون کرتا ہے؟

اب یہ سوال ابھرتا ہے کہ اپنی اپنی منزل تک پہنچنے کیلئے ان چیزوں کی رہنمائی کون کرتا ہے۔ وہ اشیاء کس طرح معلوم کرتی ہیں کہ ان کی منزل کا رخ کس طرف ہے اور وہاں تک رسائی حاصل کرنے کیلئے ان کو کیا کرنا چاہیے؟ اس سوال کا جواب روزِ مرہ کی زندگی کے معمولی مشاہدوں سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً ”اگر بطخ اور مرغی کے طے جملے انڈے کسی مرغی کے نیچے سینے کیلئے رکھ دیں تو جب بچے برآمد ہوں گے تو آپ بطخ کے بچوں کو پانی کی جانب لپکتے پائیں گے اور مرغی کا چوزا خشکی پر رہے گا۔ یہ زمین پر سے دانہ چگنے لگ جائیگا۔ اور وہ اپنا سامان پرورش پانی سے تلاش کرے گا۔ مٹی کا پچہ پیدا ہوتے ہی مٹی کے تھنوں کی طرف جائے گا۔ بکری بھیڑ کے سامنے گوشت کا ڈھیر رکھ دیں وہ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں گے۔ اس کے برعکس شیر چیتا بھوکے مرجائیں گے گھاس کا ایک تنکا بھی نہ کھائیں گے۔

مرئی کے بچے چیل کی پرچھائیں سے سم کر مں کے پروں تلے چھپ جائیں گے اور بلی کا بچہ اچھل کر چوہیا دوپنے کی کوشش کرے گا۔ اب ذرا غور فرمائیے! وہ کون ہے جو ان پرندوں اور جانوروں کی راہ نمائی ان کے مطلوبہ سامان اور انداز پرورش کیطرف کرتا ہے۔ ان سب کا معلم کون ہے؟ ظاہر ہے آپ کا جواب یہ ہوگا کہ یہ سب کچھ ان کی فطرت میں داخل ہے۔ سائنس والے اس کو جبلت (INSTINCT) کہتے ہیں۔ اسی طرح حیوانات سے ہٹ کر دوسری چیزوں کو دیکھئے۔ پانی جب تک سیال ہے نشیب کیطرف بہتا ہے ایک خاص درجہ برودت پر جم جاتا ہے۔ ایک خاص درجہ حرارت پر بھاپ بن کر اڑنے لگتا ہے۔ آگ ہمیشہ حرارت پہنچاتی ہے۔ آم کی گھٹلی سے آم ہی پیدا ہوتا ہے۔ الغرض کائنات کی ان خاصیتوں کو بدیمات فطریہ یا قوانین فطرت (LAWS OF NATURE) کہا جاتا ہے۔ ہر کیف جبلت کہئے یا فطرت، حقیقت یہ ہے کہ سارا کچھ ان اشیاء کے اندر خود بخود موجود ہے۔ قدرت کے یہ قوانین حیات کے کسی بھی مرحلے میں تبدیل نہیں ہوتے

تخلیق و ہدایت منجانب الہی ہیں

قرآن مجید کے مطابق جس ذات باری نے ان سب چیزوں کو پیدا کیا ہے وہی ان کے سامان پرورش کیطرف ان کی رہنمائی بھی کرتا ہے۔ یعنی ”تخلیق“ اور ”ہدایت“ اللہ کی طرف سے ہیں جیسا کہ سورہ طہ کی آیت نمبر ۵۰ میں ہے کہ۔
 ”(موسیٰ نے) کہا ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کی خلقت عطا کی اور پھر اس کی رہنمائی کرتا ہے“

”بدیع“، ”فاطر“ اور ”خالق“ کا معنوی فرق

ہماری زبان بلکہ انگریزی میں بھی پیدا کرنے کیلئے عام مستعمل لفظ ایک ہی ہے (CREATION) جبکہ قرآن مجید میں اس مطلب کیلئے تین الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور ہر ایک اپنا جداگانہ مفہوم رکھتا ہے۔ پیدا کرنے کا ایک مفہوم تو یہ ہوتا ہے کہ کسی شے کو عدم سے وجود میں لے آنا۔ اس مطلب کیلئے قرآن نے دو الفاظ استعمال کیے ہیں ایک ”ابداع“ جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ بغیر کسی نمونے کے کوئی نئی چیز پیدا کرنا۔ خدا ”بائع السموت والارض“ ہے۔

دوسرا لفظ ”فطر“ ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کو پیدا کرنے کے کام کا آغاز کرنا۔ یہ لفظ اللہ سے مخصوص کر دیا گیا ہے اور اس کے معنی خدا کا اپنی مخلوق کو پیدا کرنا لیے جاتے ہیں۔ فطر السموت والارض

تیسرا لفظ ہے ”تخلیق“ جس کے معنی ہیں صحیح ترتیب و تناسب سے پیدا کرنا یعنی مختلف عناصر میں ایسی ترتیب پیدا کر دی جائے جس سے ایک نئی شے مشہور ہو کر سامنے آجائے۔ ”خلق“ کے معنی ہیں قوتوں میں اعتدال اور خلقت۔ اسے کہتے ہیں جس کی قوتوں میں اعتدال ہو چنانچہ ”اخلاقیات“ کا مفہوم اسی سے سمجھ جانا چاہیے۔

حضور اکرم گو ”خلق عظیم“ فرمایا گیا ہے۔

مارگن کا عقیدہ

پروفیسر لارڈ مارگن نے جو ”فجائی نظریہ ارتقاء (EVOLUTION) (EMERGENT) کا ایک معنی میں موجد بھی ہے۔ لکھتا ہے کہ۔

”میرا عقیدہ ہے کہ جانداروں میں ارتقائے نفس خدا کے عمل تخلیق اور

ہدایت کا رہن منت ہے

(The Great Design)

وحی : خدا کی یہ رہنمائی جسے مارگن نے "Directive Power" کہا ہے۔
قرآنی زبان میں "وحی" ہے "و لوحی فی کل سماء امرھا" اور ہر آسمان میں
بذریعہ وحی اس کے حسب حال حکم دیا۔ (حم السجدہ نمبر ۱۲) زمین کے متعلق فرمایا۔
"ہن ربک لوحی لھا" کیونکہ تیرا رب اسے ایسا کرنے کی وحی کریگا۔ (الزلزال
آیت ۵) پھر شد کی مکھی کے بارے میں فرمایا۔

"اور تیرے رب نے شد کی مکھی کو وحی کی کہ تو پہاڑوں میں درختوں
میں اور اس میں جنہیں وہ بلند کرتے ہیں (یعنی عمارتوں اور چھتوں میں) گھر بنا۔ پھر
کھا (یعنی رس چوس) ہر قسم کے پھلوں میں سے اور اپنے رب کے راستے پر
انکساری کے ساتھ چلتی چلی جا۔ ان کے بطنوں سے مختلف رنگتوں کے مشروب
نکلتے ہیں جن میں انسانوں کیلئے شفا ہے۔ بے شک (ان کوائف میں) جو لوگ غور و
فکر کرتے ہیں ان کیلئے نشانی (دلیل راہ) ہے۔

(النحل آیات ۶۸ اور ۶۹)

کائنات اطاعت گزاری میں مصروف و مشغول ہے

مذکورہ بالا آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وحی ہدایت کے علاوہ کائنات کی ہر
شے اس قانون ہدایت کے مطابق جو اس کے لئے تجویز کیا گیا ہے نہایت حزم و
احتیاط اور کمال فرمانبرداری و مستعدی کے ساتھ مصروف عمل ہے۔ ہم آسمان کے
مہیب کرے، شمس و قمر، ستارے و سیارے، زمین اور اس کے فلک بوس پہاڑ،
مظاہم سمندر اور دوسری طرف چھوٹے سے چھوٹے زندگی کے خلیات اور فضا میں
پھیلے ہوئے غیر مرئی جراثیم کو دیکھ سکتے ہیں کہ ہر ایک اپنے اپنے مقام پر قانون

فطرت کی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری میں منہمک ہے۔ کسی کو اس سے مجاہد انکار نہیں۔ اگر شومئی قسمت سے کوئی چیز ادھر سے ادھر ہٹ جائے یا اپنی فطرت کا رخ تبدیل کرے تو کائنات کی یہ تمام محیر العقول کارگرہ نظم و ضبط آنا "فانا" فضا میں بھک سے اڑ جائے۔ کائنات کا یہ حسن عمل صرف اس لیے قائم ہے کہ ہر شے قوانین خالق کے سامنے مطیع کمال اور سرسجود ہے۔ اور ہر چیز اپنے مفوضہ فرائض کی انجام دہی میں مشغول و سرگرم عمل ہے۔

اطاعت خالق کا نام اسلام ہے

قانون خداوندی کی ایسی اطاعت کا نام "اسلام" ہے۔ ارشاد الہی ہے۔

"أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا" والہ یوجعون" کیا وہ اللہ کے دین کے علاوہ کوئی اور دین چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو کچھ بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ بخوشی و بکراہت اسی کے آگے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔

(آل عمران آیت ۸۳)

یعنی کائنات کی ہر شے خدائی قانون کے سامنے سر جھکائے طوعاً و کرہاً" مصروف عمل ہے۔ اور سب چیزوں کی تمام حرکتیں اسی محور کے گرد گردش کرتی ہیں۔ اس سے اسلام کے حقیقی معنی سمجھ میں آگئے جو آفاقی کائنات میں نافذ العمل ہے۔ یعنی اس قدر ترقی اور فطرتی نظام کی اطاعت جس سے ہر شے کی مضر صلاحیتیں ترقی پا کر نقطہ تکمیل تک پہنچ جائیں۔ بالفاظ دیگر اسلام کے معنی یہ ہیں کہ ہر طرح کے نقائص، نقائص اور نا کمالیت سے بری ہونا چنانچہ "مسلم" مکمل کو کہا جائیگا۔ جس میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ یعنی

(Immunity from faults or imperfections)

اسلام کی آئیڈیالوجی

یہی اسلام کی آئیڈیالوجی ہے۔ کہ ایسے فطری نظام کا قیام اور تکمیل جس سے ہر شے کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشوونما اور پوشیدہ اہلیتوں کی مکمل ترقی ہو جائے۔ چنانچہ کائنات کی ہر چیز اس نظام کے ہدایت نامے پر بلا حیل و حجت و قیل و قال سرگرم عمل رہتی ہے۔ اس روش کو ہم صراطِ مستقیم پر چلنا کہتے ہیں۔

انسان اور کائنات کی دوسری چیزوں میں فرق

اب تک ہماری گفتگو اشیائے کائنات کے متعلق ہوئی۔ جبکہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس کا ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ انسان اس کائنات کا جزو اعظم ہے۔ مگر انسان اور دیگر اشیاء میں ایک بنیادی فرق ہے۔ ہر شے قانونِ خداوندی کی اطاعت و اتباع بلا ارادۂ آئوینک طریقے سے کر رہی ہے۔ کسی کو طاقت حاصل ہے نہ اختیار کہ کوئی دوسرا قانون وضع کرے۔ سورج کو ہرگز یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ کسی دن اپنی مرضی سے آدھا سفر کر کے واپس لوٹ جائے۔ نہ شیر کچے گوشت کی بجائے سیب و انگور کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ لیکن حضرت انسان کے منے میاں کو دیکھئے کہ بلا شبہ پیدا ہوتے ہی وہ اپنے رزق کے سرچشمہ کی طرف اسی طرح لپکتا ہے جیسے بکری کا مینہ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ کسی زہر کی ڈلی کو اسی بے تکلفی سے منہ میں ڈال لیتا ہے جیسے کوئی ٹائی ہو۔ وہ آگ کو پکڑ لیتا ہے اور پانی میں کود جاتا ہے پھر ذرا بڑا ہو کر پو میاں بنتا ہے تو اس کا ارادہ و اختیار اور بھی گل کھلاتے ہیں جہاں تک اس کی جسمانی پرورش کا تعلق ہے اس کیلئے وہی بنیادی قوانین و ضوابط مقرر ہیں جو دوسرے حیوانوں کیلئے متعین ہیں یعنی بھوک گلنے پر کھانا، پیاس کی صورت میں پینا، نیند آنے پر سو جانا وغیرہ وغیرہ یعنی تحفظِ حیات کا جذبہ ہر ذی حیات کی جبلت میں موجود ہے۔ یہی جذبہ انسان کے اندر بھی ہے کہ اپنی جان کی حفاظت کے لئے

سب کچھ کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی انسان ایک ایسا کام بھی کرتا ہے جو کوئی حیوان نہیں کرتا یعنی خود کشی یہ اس لئے کہ حیوان قانون خداوندی پر کار بند رہنے کے لئے مجبور ہے اور انسان صاحب اختیار ہے۔ چاہے اطاعت کرے اور جی چاہے تو اعراض برتے۔ معلوم ہوا کہ جس مسلک پر دیگر کائنات میں قانون الہی چل رہا ہے انسان کی دنیا میں پہنچ کر یہ مسلک بہت بدل جاتا ہے۔ ہر شے الہی قانون کی اطاعت پر مجبور ہے مگر انسان کو اطاعت پر مجبور پیدا نہیں کیا گیا ہے اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہر شے کی ہدایت و رہنمائی کا ذمہ اللہ نے خود لے لیا اور باقی چیزوں میں رہنمائی ان کی جبلت میں رکھ دی مگر انسان کے اندر ہدایت نہ رکھی تو پھر انسان کو ہدایت کیسے نصیب ہو؟

نبوت و رسالت

انسان کے لئے ہدایت کا بندوبست

جب ہدایت کا ذمہ دار خود خالق ہے تو پھر صاف ظاہر ہے کہ انسان کو بھی رہنمائی خدا ہی کی طرف سے ملے گی مگر اس کا طریقہ ذرا مختلف ہوگا۔ انسان کو یہ ہدایت اللہ کے منتخب و فرستادہ بندوں کی وساطت سے ملتی ہے جنہیں نبی و رسول کہا جاتا ہے۔ چنانچہ باقی کائنات اور انسان میں پسلا فرق یہ ظاہر ہوا کہ دیگر اشیائے کائنات میں اللہ نے ہدایت ان کے اندر ودیعت کر کے رکھ دی لیکن انسان کیلئے یہ ہدایت اپنے پیغمبروں کے توسل سے ارسال فرمائی۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ انسان کو اطاعت کرنے پر مجبور نہیں بنایا گیا جس طرح کہ دیگر اشیائے کائنات کو مجبور پیدا کیا گیا ہے۔ جبکہ انسان کو صحیح راستہ تعلیم کر دیا گیا ہے۔ اور اس کے بعد یہ اس کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ کہ چاہے وہ صراطِ مستقیم اختیار کرے یا کسی اور راہ پر لگ جائے۔ البتہ خالق نے انسان کو تعمیری نتائج پیدا کرنے والا نظام یعنی دینِ حق دے دیا ہے۔ اس کے بعد اس پر کوئی زبردستی نہیں کی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ تمہارے پروردگار نے تعمیری نتائج کا ضامن نظامِ حیات تمہیں دے دیا ہے۔ اب یہ تمہاری دانست پر ہے کہ چاہے اس کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالو یا اس سے انکار کر کے کافر ہو جاؤ۔ (۱ لکھت ۲۹)

مشترک نصب العین

جہاں تک مقصود و منشی کا تعلق ہے۔ انسان اور دیگر مخلوقات کا ایک ہی نصب العین متعین کیا گیا ہے۔ یعنی جملہ صلاحیتوں کی مکمل نشوونما (Development)

ہر طرح کی غامی سے پاک ایسی ترقی جہاں تنزلی کا گمان بھی ممکن نہ ہو۔ اس مبارک نصب العین کا نام خود خدا نے ہمارے لیے ”دین اسلام“ پسند فرمایا ہے۔ اور اللہ نے دعویٰ کیا ہے کہ جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور ضابطے کو اپنا نظام بنائے گا تو کائنات میں رائج قانون کی رو سے وہ نظام قابل قبول نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اتمام و تکمیل (انسانیت) کے حصول کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ لہذا جو شخص بھی غیر اسلامی نظام اپنائے گا بظاہر وہ کتنا ہی خوش آمد کیوں نہ ہو آخر کار اس کا نتیجہ خسارہ ہی ہے۔

(آل عمران آیت ۸۵)

اسلام اور نمونہ ہائے اسلام

المختصر اسلام کے معنی ہیں انسانی معاشرے کو خدا کے کائناتی قانون کے مطابق متشکل کرنا انسانوں کو یہ اسلام سرپا ہدایت غیوں کے وسیلے سے بذریعہ وحی حاصل ہوتا ہے۔ پیغمبر اسلام خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی ایک تعریف یوں فرمائی کہ

الإسلام طاعتہ لامر بالمعروف یعنی اسلام احکام خدا کی اطاعت کا نام ہے۔

اسلام کی تعریف معلوم ہو جانے کے بعد ذہن انسانی میں یہ اشتیاق از خود جنم لیتا ہے کہ اس خطہ ارض پر کہ جہاں انقلابات نظامات کا ایک سلسلہ وقوع پذیر ہوا ہے کیا نوع انسانی کے کسی معاشرے میں دین اسلام کی جھلک بطور نمونہ ظاہر ہوئی جسے مثال قرار دیا جاسکے؟

ہاں۔ کیوں نہیں ہے۔ دارالحکمت، مدینتہ العلم، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قائم کردہ مکتب اہل بیتؑ وہ مقدس و متبرک مقام ہے کہ جہاں انسان کو دیگر سوالات کی طرح اس سوال کا بھی تشفی کن اور تسلی بخش جواب

موصول ہوتا ہے۔ کیونکہ وہاں اسلام اپنی پوری رعنائیوں، بھرپور برکتوں اور دلشاد مسرتوں کے ساتھ جلوہ افروز دکھائی دیتا ہے۔ تکمیل دین اسلام اور اتمام نعت خداوندی کے بعد نوع انسانی کی ہدایت کیلئے یہاں چودہ بے نظیر نمونے پیش کیے گئے ہیں۔ جن میں کا ہر ایک یگانہ روزگار ہے۔ منفرد اور یکساں مقام کا حامل ہے۔ یہ تعداد میں بے شک چودہ ہیں۔ مگر نصب العین میں سب ایک ہیں۔ یعنی اسلام کے چودہ شفاف آئینے ہیں جو دیکھنے میں چھوٹے بڑے نظر آتے ہیں مگر ہر ایک میں اسلام کی تصویر مکمل، واضح اور صاف دکھائی دیتی ہے۔ ہم ان کو چودہ معصومین اعتقاد کرتے ہیں۔ جو ہر طرح کی ظاہری و باطنی آلودگی، عیب، خطا اور گناہ سے اس طرح پاک ہیں جس طرح کہ پاک ہونے کا حق ہوتا ہے۔ یعنی اللہ کے حقیقی و معیاری مسلم جو ہر جنت سے مکمل اور ہر خالی ہر کسی سے قطعی مبرا ہیں اور یہی اوصاف مقصود اسلام ہیں۔

فراغت رسول اسلام

رسالت کے فرائض منصبی کی مکاحقہ، بجا آوری کے بعد خدائے قدوس نے حضرت ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سند حسن کارکردگی سے نوازا۔ اور فرمایا کہ اے خاتم النبیین، ہم نے تیرے لیے تیرے سینے کو کشادہ کر دیا اور اس بوجھ کو تجھ سے اتار دیا جو تیری کمر کو توڑے ڈالتا تھا۔ اور ہم نے تیرے ذکر کو بلند کر دیا۔ ابے شک تنگی کے ساتھ فراغی بھی ہے اور یقیناً ”مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے۔ پس تو (اپنے فرائض سے) فراغت پالے۔ اسے (حق کو) بلند کر دے۔ اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جا۔ (سورہ الم نشرح)۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ ذکر سے مراد ہم اہل بیت ہیں۔

تشریح۔ فلما فرغت للعب ○ ولی ربک فلوغب ○

لفظ ”نصب“ کے لغوی معنی بلند کرنا۔ پرچم کو اونچا کرنا۔ گاڑنا۔ جھنڈا لگانا۔ ہونا۔ درخت لگانا۔ تیار ہونا۔ درست کرنا۔ ہدایت دینا۔ ظاہر کرنا۔ نمائش کرنا۔ قصد کرنا۔ عہدے یا منصب پر کسی کو فائز کرنا۔ کسی کا کسی منصب پر تقرر کرنا۔ کسی نصب العین کا اعلان کرنا۔

ہمارے نزدیک محمد و آل محمد علیہم السلام کے ارشادات کی روشنی میں ان آیات کا ترجمہ یہ ہے کہ (اے رسولؐ) اب جبکہ تبلیغ رسالت (کے تقریباً) تمام فرائض کی ادائیگی سے (فارغ ہو چکے ہو یہ آخری فریضہ بھی انجام دے دو یعنی اپنا قائم مقام مقرر کرو اور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضری کی طرف پوری توجہ سے راغب ہو جاؤ۔

نصب امام

چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بھائی اور وزیر کو اپنا جانشین مقرر فرمایا اور دین کے جملہ امور کی نگہداشت کرنے کا منصب علیؑ کو تفویض کیا۔ نیز امت کو ثقلین (قرآن و اہل بیتؑ) کے سپرد کرتے ہوئے یہ ضمانت دی کہ اگر ان دونوں سے تمسک رکھا جائے گا تو ہر طرح کی گمراہی سے حفاظت رہے گی۔ یعنی اسلامی آئین کتاب اللہ کی شکل میں اور اہل بیتؑ معلمین کی حیثیت سے نصب فرما دیے گئے۔ قانون اور نفاذ قانون کے اس سلسلے کو تاقیام قیامت جاری رکھنے کا اہتمام کر دیا۔ ہم اس سلسلے کو امامت کہتے ہیں۔ امام بارہ ہیں ہر امام نے اسلامی قوانین کے نفاذ میں اپنا اپنا کردار موثر طریقے سے ادا کیا اور صراطِ مستقیم کی حفاظت کرنے میں لمحہ بھر بھی غفلت نہ برتی۔ آئمہِ ہدیٰ نے دین الہی کی استواری اور سربلندی میں جدوجہد کو جاری رکھنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا۔

دو نظریے: مگر انسان پر چونکہ دین کیلئے کوئی جبر نہیں ہے اس لیے دنیا نے

بعض عارضی مفادات کے پیش نظر حسب پسند و ضرورت نئے نئے طریقے اختیار کر لیے۔ اگر ہم بغرض اختصار ان سب نظریوں کو دو قسموں میں بانٹ لیں تو وہ یہ ہیں۔

(۱) دنیا داری کا نظریہ (۲) خدا پرستوں کا نظریہ

پہلی قسم کے نزدیک زندگی کا مقصد صرف جسمانی پرورش ہے۔ دراصل یہ نظریہ میکائیلی تصور حیات سے ماخوذ ہے جہاں وجود خدا کا کوئی تصور نہیں اور مذہبی اصطلاح میں ایسے لوگوں کو دہریے، مادہ پرست یا (Atheists) کہتے ہیں۔ لیکن حقیقی مشاہدہ یہ ہے کہ یہ نظریہ صرف منکرین خدا کا نہیں بلکہ خدا پرست بھی عملاً اسی نظریے کے پیروکار ہیں۔ اسی لیے ہم نے اسے World Liness دنیا داری قرار دیا ہے۔ کیونکہ خدا کے اقرار یا انکار سے اس کی وابستگی مضبوط نہیں ہے۔

دوسرا نظریہ فلسفیوں کے نزدیک افلاطونی ہے۔ ویدائیت، رہبانیت اور تصوف وغیرہ اس سے ملتے جلتے ہیں۔ ان کے نزدیک دنیا ایک دھوکا ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔ ترک دنیا ہی میں مقصود حیات پوشیدہ ہے۔ یا یوں کہیے کہ زندہ اسے کہتے ہیں جو مرنے سے پہلے مرجائے۔ اپنے من کو مارے۔ انسان اپنے جسم کو جتنا مارے گا اس کی روح میں اتنی ہی بالیدگی اور زندگی پیدا ہوگی۔ یعنی روح کی عزت جسم کی ذلت ہے۔ اور خدا اس کو ہی ملتا ہے جو دنیا کو نہ ملے۔ مروجہ مذاہب کی اکثریت زیادہ تر اسی پر عامل ہے اور وہ اپنے خیال میں اسے عاقبت سنواری سمجھتے ہیں۔

اسلامی نظریہ

مذکورہ بالا دونوں نظریے بڑے قدیم ہیں۔ زمان و مکان کی مناسبت سے ان کی

شکلوں میں تبدیلی ہوتی رہی ہے مگر مفہوم کی یکسانیت برقرار رہی ہے۔ لیکن اسلام اپنی ایک میانہ راہ متعین کرتا ہے۔ اور دونوں سے کنارہ کش ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان صرف جسمانی زندگی کا نام نہیں۔ بلکہ اس کی ایک ذات بھی ہے جو نہ رہے تو جسم ہوتے ہوئے بھی وہ بے جان ہے لہذا وہ نظریہ جو ذات انسانی کی پرورش پر توجہ نہ دے ناقص قرار پائے گا۔ اور اس کے برعکس ایسا نظریہ جو جسم انسانی سے نگاہ پھیرے اللہ کی عظیم نعمت سے منہ موڑے نامکمل اور بد مزہ ٹھہرے گا۔ اسلام چونکہ دین کامل ہے۔ اس لیے اس کا تصور حیات ان نظریات سے تصادم کرتا ہے۔ اسلام کا متمتع نظر دنیا اور آخرت دونوں کی حسنات سے متمتع ہونا ہے۔ چنانچہ سرکارِ دو عالمؐ نے تاکید فرمائی ہے کہ۔

”تم میں سے وہ شخص قابلِ تعریف نہیں جو دنیا کو آخرت کیلئے چھوڑ بیٹھے اور وہ جو آخرت کو دنیا کی خاطر ترک کر دے بلکہ اچھا شخص وہ ہے جو دنیا اور آخرت دونوں میں حصہ لے۔“

مستقل اقدار

اسلامی نظریہ حیات کے مطابق انسان صرف جسم تک محدود نہیں جسم کے علاوہ اس میں ایک چیز نفس - (ذات) بھی ہے۔ جسے انسانی موت کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ مگر نفس باقی رہتا ہے دنیا میں طبعی قوانین کے علاوہ کچھ دوسرے اصول بھی ہیں۔ جن کو مستقل اقدار (Permanent Values) کہہ سکتے ہیں۔ مکتب اہل بیتؑ رسولؐ کا خصوصی امتیاز یہ ہے کہ وہاں مستقل اقدار کی قدر دانی پر گراںقدر توجہ دی جاتی ہے۔ یہ اقدار کیا ہیں؟ اس کی مختصر وضاحت یہ ہے کہ۔

جس طرح اشیائے کائنات کی ترقی کے قدرتی نظام میں مختلف مواقع پر ہمیں صفاتِ خداوندی کا ظہور نظر آتا ہے اسی طرح جب انسان دنیا میں اسی قسم کے

حالات میں مبتلا ہو تو انسان کی طرف سے بھی اسی قسم کی صفت کا ظہور میں آتا چاہیے یعنی ایک قسم کے ماحول میں ایک ہی قسم کی صفت کا ظہور بالفاظ دیگر یکساں حالتوں میں ایک ایکشن کا ایک ہی ری ایکشن ہو مطلب یہ کہ ایسا نہ ہو جب ہمارے ہاں کسی قسم کے حالات پیدا ہوں تو ہمارا رد عمل کچھ اور ہو اور جب کسی دوسری قوم میں ویسے حالات رونما ہوں تو ہمارا رد عمل کوئی دوسرا ہو۔ جس طرح صفات خداوندی جو اللہ کی قوتیں ہیں کا ظہور زمان، مکان، رنگ، نسل، زبان یا علاقے کی تفریق سے غیر متاثر رہتا ہے اسی طرح ہمارا رد عمل بھی ان امتیازات سے غیر متاثر رہنا چاہیے۔ چنانچہ ایک قسم کے حالات میں ہمیشہ اسی قسم کا رد عمل مستقل اقدار کی پابندی کھاتا ہے۔ پس انسانی قوتوں کا استعمال ہمیشہ مستقل اقدار کے تابع ہونا چاہیے۔

مثلاً ”عقل کا تقاضا حفاظت جان ہے۔ یا اپنے مفادات کا تحفظ کرنا عقل کی نصیحت ہے۔ اب اگر یہ تحفظ دیانت اور راستبازی سے ہوتا ہے تو عقل اس مسلک کو اختیار کرے گی۔ اسی طرح اگر ان کا تحفظ جھوٹ، فریب اور بددیانتی سے ہوتا ہے تو عقل اس راستے میں حائل نہیں ہوگی۔ یعنی عقل عام کی نگاہ میں صداقت اور دیانت کی فی ذاتہ قیمت کچھ نہ ہوگی۔ ان کی قیمت صرف اضافی ہے۔ اگر یہ تحفظ مفاد کیلئے مددگار ہیں تو پھر یہ اچھے اصول قیمتی ہیں ورنہ بے قیمت ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ عقل کی رو سے مستقل اقدار کا کوئی ذاتی وجود ہی نہیں۔ لیکن عملی زندگی میں ہم اس کے برعکس مشاہدے کرتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ اپنے اصولوں کی خاطر اپنے کسی مفاد کی پرواہ نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ اصول کی خاطر جان تک کی بازی لگا دیتے ہیں۔ جاہ و حشم اور مسند اقتدار کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک اصل قیمت جان و مال کی نہیں بلکہ اصول کی ہے۔ ان کا طرز عمل یہ ہوتا ہے کہ اگر جان کو محفوظ رکھتے ہوئے اصول کی حفاظت ہوتی ہے تو

جان کی حفاظت ضرور کر لی جائے۔ لیکن اگر کبھی ایسا موقعہ آجائے کہ جان اور اصول میں ٹکنا ہو جائے اور ان میں سے ایک ہی چیز محفوظ رکھی جائے تو جان دے دی جائے لیکن اصول پر آج نہ آنے دی جائے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے نزدیک اصول کی قیمت مستقل ہے چنانچہ اہل بیتؑ کے مکتب میں اسلامی تصور حیات کا نقشہ ایسی ہی لکھیں سے بنایا گیا ہے۔

یہ ایسے طرز عمل کو شرعی اصطلاح میں تقیہ کہتے ہیں

دین اسلام ابدی صداقت اور امانت الہی ہے

اہل بیتؑ کے نزدیک اسلام ایک ابدی صداقت ہے ”Eternal Truth“ ہے۔ جس کا تحفظ بہر حال و بہر کیف ضروری ہے۔ لہذا دین کے مستقل اقدار (اصول دین) غیر متبدل ہیں۔ عقل کے فیصلے انہیں تبدیل نہیں کر سکتے نہ ان پر کوئی سودا بازی کی جاسکتی ہے۔ دین اسلام نظام فطرت میں خون کی طرح رواں دواں ہے۔ یہ اللہ کی امانت ہے جسے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں نے اٹھانے سے انکار کر دیا۔ وہ اس سے ڈر گئے اور عاجزی کا اظہار کر دیا۔ مگر انسان نے اسے اٹھالیا حالانکہ وہ جاہل اور ظالم ہے۔ (سورہ احزاب آیت ۷۲)

انسان کی آزمائش

کائنات میں اور خود اپنے نفس میں غور کرنے سے اس امانت کی معرفت حاصل ہوتی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ہر شے جس غرض و غایت کیلئے خلق کی گئی ہے۔ بلا کسی پس و پیش کے مصروف عمل ہے۔ ان کے ذاتی ارادے کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ گویا اشیائے کائنات نے اپنے خالق و مالک کے علم و حکمت کی برتری کو قبول کرتے ہوئے خود اپنی خدمات کو باری تعالیٰ کی منشا کے سپرد کر دیا ہے کہ وہ جس

طرح مناسب سمجھے ان سے کام لے۔ اس طرح وہ ذاتی ذمہ داری یا کسی اقتساب سے سبکدوش ہو گئیں۔ اس کے برعکس انسان کو اس کی اپنی مرضی و ارادے کے مطابق بعض امور میں اختیار عمل حاصل ہے۔ جسے اس نے قبول کیا ہے۔ دراصل اس اختیار کو قبول کر لینے ہی میں خالق و مالک کے علم و حکمت اور فضا سے گریز کا ایک پہلو نکلتا ہے۔ جسے ظلم و جہالت سے ہی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ یہ اختیار انسان کو اس کی آزمائش کی غرض سے دیا گیا ہے کہ آیا وہ اپنے اس محدود اختیار کو اپنے خالق و پروردگار کی اطاعت گزاری میں استعمال کرتا ہے یا اس کی نافرمانی میں۔ یعنی وہ مستقل اقدار اسلامی یا اصول دین کا قدر دان ہے یا نہیں۔

اسلامی اقدار کی قدردانی

چنانچہ اہل بیتؑ رسولؐ کے مکتب میں ایسے خوش بختوں کی ہرگز کمی نہیں ہے جنہوں نے اسلامی اقدار کی قدردانی کا کماحقہ حق ادا کیا ہے۔ جس طرح انسانی جسم کی پرورش ہوتی ہے اسی طرح نفس انسانی کی نشوونما ہوتی ہے۔ جس طرح انسان کی پرورش عقل انسانی کے سطحی تقاضوں کے ماتحت ہوتی ہے۔ لیکن نفس انسانی کی پرورش مستقل اقدار کے ماتحت ہوتی ہے۔ البتہ طبعی قوانین کے نتائج جلدی سامنے آجاتے ہیں لیکن مستقل اقدار کے نتائج ایک مدت درکار میں مرتب ہوتے ہیں اور اکثر یہ نتائج موت کے بعد ظاہر ہوتے ہیں۔

مثالی معاشرہ

اسلامی مستقل اقدار کے تحفظ کا نتیجہ ایک آریذیل سوسائٹی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ جسے جنت نظیر مثالی معاشرہ کہا جاسکتا ہے۔ راہٹل نے اس طرح کے سماج کا تصور ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

”میں کسی دوسرے کی نشوونما کی فکر کروں اور اسی میں اپنا مفاد اور خیر سمجھوں اور اسی طرح وہ میری نشوونما کی فکر کرے اور اسی میں اپنا مفاد اور خیر سمجھے“

(The theory of good and evil : vol II)

مگر اسلام تو بہت پہلے ایسے معاشرے کی تشکیل کر چکا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں ہے کہ۔

”وَيُؤْتُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ“ (سورۃ الحشر آیت نمبر ۹)
اور (مسلمین) ان (دوسرے مسلمین) کو اپنے نفسوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ (خود) تنگ دستی میں ہی کیوں مبتلا نہ ہوں۔

چادر انسانیت

”انسان پیدائشی طور پر باہمی تعاون کا جذبہ لیکر پیدا ہوتا ہے۔ اور جب تک اس کے اس جذبے کی تسکین نہ ہو افراد اور اقوام دونوں مریض ہو جاتے ہیں۔ انسان ایسا مافی الطبع واقع ہوا ہے کہ اس کی کامل نشوونما مختلف افراد کے باہمی ربط و ضبط ہی سے ممکن ہے۔ اگر افراد کے اس باہمی عمرانی رابطے کو کسی وقت بھی نظر انداز کر دیا جائے تو اس سے انتشار واقع ہو جاتا ہے۔ اس اعتبار سے ہر انسان اپنے بھائی کا پاسبن ہے۔ ہر فرد ایک کل کا جزو ہے۔ اس لئے ہر فرد انسانیت کی چادر میں لپٹا ہوا ہے“

یہ الفاظ مجلس اقوام متحدہ کے ثقافتی شعبے یونیسکو کے ماہرین علوم و فنون کی ایک تحقیقاتی کمیٹی نے اپنی ایک رپورٹ میں لکھے ہیں جو انسانی ترقی کے اصولوں پر غور کرنے کیلئے قائم کی گئی تھی۔

کساء

کتب اہل بیتؑ کی تعلیمات میں انسانیت کی اس چادر کو ”چادر تطہیر“ کہا جاتا ہے۔ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاشرے کے منتخب ترین افراد کو اس چادر میں لپیٹ کر پوری انسانی دنیا کو عام دعوت دی کہ اگر وہ اس کے سائے میں رہیں اور اس سے وابستگی اختیار کر لیں تو صراطِ مستقیم سے ہرگز نہ ہٹکیں۔ ویسے تو ہادی اعظم صلی اللہ وآلہ وسلم نے فضائل اہل بیتؑ کو امت پر واضح کرنے کا مکمل اہتمام فرمایا اور ملت اسلامیہ کو ہر طرح کی گمراہی، نقص، کمی، خالی اور کجی سے محفوظ رہنے کا ایسا طریقہ تعلیم فرمایا کہ اس پر عمل کرنے کی صورت میں انسان مسلم ہو کر مسلم بن جاتا ہے مگر مسلمانوں نے حضورؐ کے بتائے ہوئے اس سہل طریقے کو قابلِ توجہ نہ سمجھا اور ایسی راہوں پر چل نکلے جو منزلِ مقصود کی طرف نہیں جاتی تھیں۔

گمراہی کے دو اقسام

انسانی دنیا میں یوں تو گمراہی کی بہت سی صورتیں ہیں لیکن اگر ان کا تجزیہ کر کے تلخیص کی جائے تو گمراہی کی دو قسمیں بنتی ہیں ایک یہ کہ حق سرے سے انسانی نظروں سے اوجھل ہو جائے اور لوگ باطل سے اس قدر مانوس ہو جائیں کہ باطل ہی ان کو حق نظر آنے لگے اور دوسری یہ کہ حق و باطل آپس میں اس طرح مخلوط ہو جائیں کہ شناخت حق ممکن دکھائی نہ دے۔

سلسلہ نبوت کا اجراء

گمراہی سے بچاؤ کے لئے جب تک پہلی قسم کا سامنا رہا۔ اللہ اپنے نبیوں کو بھیجتا رہا تاکہ لوگوں کو ہدایت نصیب ہوتی رہے۔ لیکن رسالتِ محمدیہؐ کے بعد حق و باطل میں فرق کو بالکل واضح کر کے دین کی بحکیم کر دی گئی۔ حق کی تبلیغ کے جملہ

نقائص پورے کر دیے گئے۔ لہذا سلسلہ نبوت اختتام پذیر ہو گیا۔ لیکن فطرۃ انسانی ضمیر میں فجور کی آمیزش بھی ہے۔ اور اس کا بھگ جانا عین ممکن ہے۔ چنانچہ اس طرح کی گمراہی قسم دوم میں شمار ہوگی کہ حق کا تخیل بھی برقرار رہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ باطل بھی حق دکھائی دیتا ہو۔

سلسلہ امامت

ایسی صورت میں حق کو باطل سے علیحدہ کرنے کیلئے معتمد ہادی کی ضرورت ہے۔ جو اصطلاحاً ”امام“ کہلاتا ہے۔ نبوت کے بعد سلسلہ امامت شروع ہوتا ہے۔ اور امام کا بنیادی کام یہ ہے کہ صراطِ مستقیم پر جو رکاوٹیں کھڑی ہیں کہ جن سے وہ راستہ مسدود نظر آنے لگا ہے۔ ان کی صفائی کر کے صحیح راستے کی نشاندہی کرے اور منزل کو نمایاں کر کے راہِ حق کو آسان اور باسولت بنا دے۔ یعنی صراطِ مستقیم جو ایک دفعہ مکمل طور پر اور ہر لحاظ سے ہادی و روحانی تمام شعبہ ہائے زیست کے نقطہ نظر سے دکھائی جا چکی ہے۔ اس کو نمایاں کرتے رہنا اماموں کا فرض منصبی ہے۔

معرفت امام

مگر یہ کام بھی عملاً ”مشکل تھا۔ سب سے پہلے التباسِ باطل یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ اصلی امام اور جعلی امام اس طرح دل مل گئے ہیں کہ اکثریت کو یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ صحیح امام کون ہے۔ لوگ نقلی اماموں کی تقلید کر کے گمراہ ہو جاتے۔ حالانکہ اصلی امام کی شناخت اور اس کی پیروی ضروری ہے۔ کیونکہ حضرت رسالت مآبؐ کا ارشاد ہے کہ ”جو امام (زمانہ) کی معرفت کے بغیر مر گیا وہ جہالت کی موت مرا“ فرمانِ رسولؐ سے ثابت ہوا کہ معرفتِ امام از خود ایک مشکل کام ہے کیونکہ اگر ہر مسجد میں نماز پڑھا دینے والا یا تختِ حکومت پر متمکن ہو

جانے والا حقیقی امام ہوتا ہے تو پھر ایسی حدیث کی قطعی ضرورت نہ تھی۔ ہر حکمران امام کی معرفت اس کی تلوار کروا دیتی اور نماز کی امامت امام کا تعارف کرا دیتی۔ مگر قابل غور امر ہے کہ جس چیز کی اہمیت ایسی تھی کہ اس کے نہ ہونے کی وجہ سے کفر لازم آتا تھا۔ تو اس کا نہ بتانا اور امام کی شناخت نہ کرانا شان نبوت اور کار رسالت سے بعید تھا۔ چنانچہ سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر امت کو قرآن اور اہل بیتؑ جیسے ثقلان کے حوالے کر کے بتا دیا کہ اصلی امام میری عترت میرے اہل بیتؑ ہیں۔

حدیث کساء

پیغمبر اسلامؐ نے اپنے اہل بیت کا مخصوص تعارف بہت منفرد مگر جامع اور تمثیلی انداز میں کرایا ہے۔ اسلامی سرہانہ احادیث میں اس روایت کو حدیث کساء کہتے ہیں۔ کساء چادر کو کہتے ہیں مگر لغت کے مطابق کساء ایسے دودھ کو بھی کہا جاتا ہے جس کے اوپر بالائی جہی ہوئی ہو۔ ہم اپنے اس مقدمہ میں اس حدیث شریفہ کو نقل کرنا باعث ثواب و برکت سمجھتے ہیں کیونکہ حدیث موصوفہ کے اشارات و فوائد مسلمہ ہیں۔ اس کی تلاوت سے روح کو تسکین اور قلب کو فرحت حاصل ہوتی ہے۔ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی کے گھر میں چادر انسانیت کے سائے تلے ایک مثالی و تمثیلی گھر بنا کر اس کے مکینوں کا تعارف کروایا ہے جس سے وابستگی اختیار کر کے انسان ہر طرح کی پریشانی سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ارشاد فرماتی ہیں.....

کون فاطمہؑ؟

جنت کی خوشبو!

وہ فاطمہؑ جن کی ولادت باسعادت بہشت کے میوہ خاص کی بدولت ہوئی۔ امام حاکم نیشاپوری مستدرک میں سعد بن ابی وقاص سے روایت کرتے ہیں کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جبرائیلؑ جنت کی ایک ہی مہرے پاس لائے اور شب معراج میں نے اسے کھایا۔ سیدہ خدیجہؑ الکبریٰ اسی شب مجھ سے حاملہ ہوئیں اور فاطمہؑ کو جنم دیا۔ جب مجھے جنت کی خوشبو کا شوق غالب ہوتا تو میں فاطمہؑ کا ذہن مبارک سوگھتا ہوں۔

ابو سعد نے بی بی عائشہ سے روایت کیا ہے کہ۔

میں نے بخدمت رسولؐ عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ! جب فاطمہؑ تشریف لاتی ہیں آپؐ اپنی زبان مبارک ان کے دہن مبارک میں ڈالتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ گویا آپؐ شہد چاٹ رہے ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا جب شب معراج مجھے آسمانوں کی سیر کروائی گئی اور جبرائیل مجھے جنت میں لے گئے تو میرے پاس ایک بھی لائے میں نے اسے کھایا وہ تحلیل پاکر نطفہ بن گئی چنانچہ جب میں زمین پر آیا تو خدیجہ الکبریٰ اس نطفے سے حاملہ ہوئیں اور فاطمہؑ کو جنم دیا جب مجھے اس بہشتی ہی کی طرف شوق ہوتا ہے تو میں فاطمہؑ کے منہ کو چوم لیتا ہوں۔

(شرف النبوة)

نوع انسان میں حور

امام نسائی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرمؐ فرمایا کرتے تھے کہ میری بیٹی فاطمہؑ نوع انسان میں حور ہے جو حیض و نفاس سے پاک ہے اس کا نام فاطمہؑ اس لیے رکھا گیا ہے کہ بالتحقیق اللہ نے اس کو دوزخ کی آگ سے جدا کیا ہے۔

(نسائی)

ہم شکل پیغمبرؐ ہم شامل نبیؐ بفضلہ الرسول بیٹی
جس نے فاطمہؑ کو ناراض کیا اس نے رسولؐ کو ناراض کیا

سید کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اس دختر نیک اختر کو سیدۃ النساء افضل النساء خیر النساء صدیقہ اور البتول فرمایا ہے۔ ام المؤمنین حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جناب سیدہ طاہرہ حضورؐ کے ساتھ شکل و شمائل میں نہایت مشابہت

رہتی تھیں چنانچہ حضورؐ فرماتے تھے کہ فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے۔ جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

(حاکم، ترمذی، نسائی، بخاری، ابو داؤد، احمد، ذہلی اور ابن عساکر)

چنانچہ خدومہ کو نین فاطمہؑ بنت رسولؐ الثقلین بیان کرتی ہیں کہ۔

ایک دن میرے والد رحمت للعالمین، شفیع المذنبین، راحت العاشقین، مطلوب الطالبین، سید المرسلین اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر تشریف آور ہوئے۔

اہل البیت خانہ بتولؑ

اس گھر میں جو بقول رسولؐ مقبول مخزن حکمت، کان رسالت، معدن نبوت، مفاہیج رحمت، محط ملائکہ، موضع نعمات، امان امت، مثل باب حد، مثال سفینہ نوح، دار شفاعت اور مقام نجات ہے۔ جسے کسی دوسرے گھر سے قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ بلند گھروں میں سب سے بلند گھر جس کا دروازہ مسجد نبویؐ کی طرف کبھی بند نہ ہوا۔ محبوبؐ خدا اس گھر کے دروازے پر سلام پیش کرنے کے عادی ہیں۔ چنانچہ اس بیت معظمہ میں تشریف لانے کے بعد طیب قلوب المؤمنین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے بیٹی فاطمہؑ میں اپنے بدن میں ضعف محسوس کرتا ہوں۔ فاطمہؑ نے عرض کیا اے والد گرامی قدر میں اللہ کی پناہ طلب کرتی ہوں آپؐ کی جسمانی لاغری سے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اے فاطمہؑ چادر یمانی لا کر مجھے اوڑھا دو۔

تمام ضعف دور کرنے والی شفا بخش چادر

وہ چادر انسانیت جو ہر طرح کے داغ دھبے سے پاک و مصفیٰ ہے۔ جسے اوڑھ لینے سے تمام ضعف رفع ہو جاتے ہیں سب کمزوریاں دور ہو جاتی ہیں۔ جس کا

دامن تمام لینے اور تمسک کاملہ اختیار کر لینے کی صورت میں افراد و اقوام کے تمام امراض کا تلی بخش علاج ہو جاتا ہے اور نوع انسانی کے عمرانی رابطے میں مطلق غل پیدا نہیں ہوتا کہ انتشار وقوع پذیر ہو۔ بلکہ اس کی پناہ میں آ جانے سے عمرانی رابطوں میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔ اتحاد ملی مضبوط ہوتا ہے۔ یقین محکم میں توانائی پیدا ہوتی ہے۔ تنظیم کی راہیں استوار ہوتی ہیں۔ ترقی کے راستے کھلتے ہیں۔ تنزی کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ خوف دور ہو جاتے اور معاشرے میں تمکین و تسکین کے ٹھنڈے سائے نصیب ہو جاتے ہیں۔

آدم امام حسن علیہ السلام

صدیقہ کائنات صلوٰۃ اللہ علیہا نے وہ چادر جو ہر طرح کی آلودگی و آلائش سے پاک ہے اور انسانی معاشرے کی تطہیر کرنے کی ایک اکسیر ترکیب تعلیم کرنے کیلئے رسول پاک نے طلب فرمائی ہے اپنے پذیر گرامی قدر کو اوڑھا دی۔ مگر شمس العارفین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخ تاباں کی جانب ٹھٹکی باندھے دیکھتی رہیں کہ وہ بدر کمال کی مانند منور اور روشن تھا۔ سیدہ فرماتی ہیں کہ تھوڑی ہی دیر بعد میرے فرزند حسن آئے اور مجھ سے کہا اے امی جان آپ پر سلام ہو میں نے جواباً کہا اے میری آنکھ کے نور اور میرے دل کے میوے تم پر بھی سلام ہو۔ تب امام حسن نے کہا اے مادر معظمہ! مجھے آپ کے پاس سے بہت غدہ خوشبو آ رہی ہے۔ جس طرح کہ میرے نانا رسول خدا کی خوشبو ہوتی ہے۔ میں نے جواب دیا۔ بیٹا تمہارے نانا محترم چادر کے نیچے ہیں۔ حسن چادر کی طرف گئے اور عرض کیا۔ اے میرے نانا جان اللہ کے رسول آپ پر سلام ہو۔ کیا مجھے اجازت ہے کہ میں آپ کے ساتھ سایہ چادر میں آ جاؤں؟ (اہل بیت نبی کے بچے تھے اس لئے آداب رسالت ہے واقف تھے کہ بغیر اجازت طلب کیے بارگاہ نبوی میں نہیں آیا کرتے) رسول خدا نے فرمایا۔ میں نے اجازت دے دی ہے۔ پس حسن

مناقب امام حسنؑ

آج کے دن امام حسن علیہ السلام کا چادرِ تطہیر میں سب سے پہلے داخل ہونا مخصوص رموز کا حامل ضرور ہوگا جنہیں اللہ بہتر جانتا ہے یا اس کا رسولؐ۔ تاہم ہمارا خیال ہے کہ شاید امام حسن علیہ السلام کو یہ فوقیت اس لیے حاصل ہوئی ہے۔ کہ انسانیت کو درس دینے کیلئے فخرِ انسانیت نے چادرِ انسانیت کے تلے انسانی معاشرے کی ایک ایسی تصویر کو پیش کرنا ہے جو ہر لحاظ سے مکمل، جاذبِ نظر اور تمام نقائص و عیوب سے پاک ہو۔ انسانِ فطرۃً خوبصورتی و خوشنمائی اور نیکی و اچھائی کی جانب مائل ہوتا ہے۔ لغت میں ”حسن“ کے معنی اچھا، خوبصورت، نیک اور ایک خوش نما درخت کے لکھے گئے ہیں۔ حسنہ بھلائی کو کہتے ہیں۔ لہذا سب سے پہلے رسولؐ خدا نے اپنے اس بیتِ مکرم میں امام حسن علیہ السلام کو داخل فرما کر شاید نوعِ انسانی کو یہ ضمانت فراہم کی ہے کہ یہ مثالی گھرِ معاشرے کو اچھا، خوبصورت، خوشنما، نیک و خور اور بھلائی سے بھرپور بنا دینے کا ضامن ہے۔ کیونکہ امام حسن علیہ السلام کی سیرت و کردار ان کو اسمِ بامسمیٰ ثابت کرتے ہیں۔

”میں حسن کو پیار کرتا ہوں یا رب تو بھی اس سے پیار کر“

امام حسنؑ حبیبِ خدا کی وہ محبوب ہستی ہیں کہ رسولؐ خدا فرمایا کرتے تھے کہ۔

”اے پروردگار! میں حسنؑ سے پیار کرتا ہوں تو بھی اس سے پیار کر“

(صحیح بخاری)

شبیبہ رسولؐ صحابی رسولؐ حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ۔

”حسنؑ سے زیادہ کوئی شخص حضورؐ کا ہم شکل نہیں تھا“

(اسد الغابہ)

سید طبرانی شریف میں ہے کہ۔

حضرت ابو ہریرہ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ نے حسن کو سید

فرمایا

اہل جنت کا سردار علامہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں روایت نقل کی ہے کہ حضور اکرم نے فرمایا۔

جو شخص اہل جنت کے سردار کو دیکھنا چاہے وہ حسن کو دیکھ لے

امام حسین علیہ السلام آتے ہیں

چنانچہ سبط اکبر، سردار جنت، سیدنا امام حسن علیہ السلام کے چادر تطہیر میں داخل ہو جانے کے بعد صدیقہ الکبریٰ، سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ کچھ ہی دیر بعد ان کے فرزند دلبند امام حسین علیہ السلام آئے اور کہا اے والدہ محترمہ آپ پر سلام ہو میں نے جواباً کہا اے میرے نور نظر تم پر بھی سلام ہو حسین نے کہا امی حضور میں آپ کے پاس سے بہت بھینی خوشبو سونگھ رہا ہوں جیسی کہ اپنے نانا جان رسول خدا سے پاتا ہوں میں نے کہا ہاں تمہارے نانا اور تمہارے برادر اس چادر کے نیچے ہیں۔ چنانچہ حسین بھی چادر کی طرف گئے۔ اور عرض کیا اے جد بزرگوار! اے اللہ کے رسول! کہ خدا نے آپ کو رسالت پر مبعوث فرمایا اور منتخب کیا ہے۔ آپ پر سلام ہو۔ کیا مجھے چادر میں آنے کی اجازت ہے؟ حضور نے فرمایا میں تم کو اجازت دیتا ہوں۔ پس حسین بھی چادر میں اپنے نانا کے ساتھ داخل ہو گئے۔

مناقب امام حسینؑ

راقم الحروف کے نزدیک امام حسین علیہ السلام حقانیت اسلام کی اکلوتی دلیل ہیں۔ اسلامی مستقل اقدار کی جیسی حفاظت میدانِ عمل میں اپنے جرات مندانہ اور دلیرانہ کردار سے آپؑ نے فرمائی ہے تاریخ انسان اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے ”حسین“ نیک نام، فتح مند، نیک انجام، شاہد اور شہید کو کہتے ہیں۔ آپؑ کا بے نظیر کردار آپؑ کے نام کو اس کے معنی سے کہیں زیادہ حسن و احسان عطا کر دیتا ہے۔ جد حسینؑ نے جہاں چادر انسانیت میں حسنؑ کو داخل کر کے ایک خوشنام، نیک اور فلاح پرور معاشرے کی تشکیل کا اشارہ فرمایا ہے اور صلح و امن یا آشتی و بھلائی کی ضمانت دی ہے وہاں اس پیش بینی کو بھی ملحوظ رکھا ہے کہ اگر کبھی معاشرے میں استحصالی قوت سر اٹھائے اور استبدادی عفریت نظم و ضبط کو درہم برہم کرنے کی شرارت کرے تو ایسے پر آشوب حالات کا مقابلہ کرنے کیلئے حسینؑ جیسا سید الشہداء، ظفریاب، فتح مند اور نیک نام امام ایسی کر بلا منعقد کرنے پر قادر ہو جو باطل کی شہ رگ کو کاٹ دینے کی بھرپور صلاحیت اور مکمل قدرت رکھتا ہو۔ چنانچہ جب مسلمان معاشرے پر ظلمت کے سائے منڈلائے، ظلم کی گھٹائیں چھائیں، جور کے بادل اُٹھ آئے، ستم کی مسموم آندھیاں چلیں اور باطل کے ہولناک طوفان اٹھے تو امام حسینؑ نے ان کا مقابلہ استقامت و پامردی اور ثبات و بے جگری سے کیا۔ آپؑ نے حق و باطل کے اس معرکے میں یزیدیت کا قلع قمع کر کے حسینیت کے پرچم کو ہمیشہ کیلئے ایسا سر بلند کیا جو پھر کبھی سرنگوں نہ ہو سکا۔ معاشرے کے مستضعفین کو ایسی قوت حرارت بخش دی کہ اس کے بعد جابر سلاطین نے بیعت باطل کا مطالبہ کرنے کے تصور کرنے ہی سے توبہ کر لی۔

”حسینؑ مجھ سے اور میں حسینؑ سے ہوں“

رسولؐ اسلام فرمایا کرتے تھے کہ۔

”حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں“

سبط الاسباط ”اللہ اسے دوست رکھتا ہے جو حسینؑ کو دوست رکھے۔ حسینؑ سبط الاسباط ہے۔“

(صحیح بخاری، تفسیر شریف، سنن ابن ماجہ، اسد الغابہ)

سبط ایسے تیز ذہن فہیم اور ہوشیار آدمی کو کہا جاتا ہے جس کا ذہن معاملہ کی تہ تک پہنچ جائے چنانچہ سیرت حسینؑ کا ہر قدم اس صفت پر دلالت کرتا ہے۔

اہل سموات کے نزدیک محبوب ترین ہستی

حضرت عبداللہ بن عمر بن خطابؓ نے کعبے کی دیوار کے سائے میں بیٹھ کر لوگوں سے کہا۔

”حسینؑ اہل آسمان کے نزدیک تمام اہل زمین سے زیادہ محبوب ہیں“

(اصابہ فی تمیز الصحابہ)

حسینؑ کا دشمن رسولؐ اور رب رسولؐ کا دشمن ہے

روایات صحیحہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

جس نے حسینؑ کو دشمن رکھا اس نے مجھے دشمن رکھا۔ اور جس نے مجھے دشمن رکھا اس نے خدا کو دشمن رکھا۔ (طبرانی شریف)

ریحان رسولؐ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

حسنؑ اور حسینؑ میرے بیٹے ہیں۔ تمام دنیا میں سے میرے دو پھول کے پودے

ہیں۔

(ابن عساکر)

امام علی المرتضیٰ کی تشریف آوری

سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے چادر میں داخل ہو جانے کے کچھ دیر بعد ابوالحسن امام علی بن ابیطالب علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا۔ اے رسول خدا کی دختر نیک اختر آپ پر سلام ہو۔ سیدہ نے جواب میں کہا اے امیر المومنین آپ پر بھی سلام ہو ابوالحسن نے فرمایا میں تمہارے پاس سے عجیب بوئے خوشگوار ایسی پاتا ہوں جو اپنے بھائی اور ابن عم رسول خدا کی پاتا ہوں۔ میں نے کہا ہاں وہ آپ کے دونوں فرزندوں کے ساتھ اس چادر میں ہیں۔ پس علی بھی چادر کی طرف گئے۔ اور بارگاہ رسالت ماب میں ہدیہ سلام پیش کرنے کے بعد چادر میں داخلہ کی اجازت طلب کی۔ سید الانبیاء نے سید لا ولیاء کو اجازت مرحمت فرمائی۔ پس علی بھی ان سب کے ساتھ چادر میں داخل ہوئے۔

فضائل علویہ

علی وہ ہیں کہ ان کا مہمل بھی ولی ہوتا ہے علی کا ذکر عبادت ہے علی کا دیدار عبادت ہے علی سے محبت عبادت ہے۔ امام حاکم نے مستدرک میں امام احمد حنبل کا قول نقل کیا ہے کہ جناب رسالت ماب کے اصحاب میں سے کسی کے لئے اس قدر فضائل وارد نہیں ہوئے جس قدر کہ جناب امیر علیہ السلام کے لئے وارد ہوئے۔ امام نسائی کہتے ہیں کہ صحابہ میں سے کسی کی شان جناب امیر علیہ السلام کی شان سے زیادہ حدیثیں جید اسانید کے ساتھ روایت نہیں ہوئیں۔

حیرت تو یہ ہے کہ حکومتی سطح پر انفعائ فضائل کی سر توڑ کوشش کے باوجود آپ کے دشمنوں اور حریفوں کو بھی ان فضائل سے انکار کرنے کی جرات نہیں ہوئی ہے۔ عمرو بن العاص کا کروار جانا پچانا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ بروثی ایک ہدانی باشندہ معاویہ کے پاس کسی کام کو گیا اس نے سنا کہ عمرو بن العاص

حضرت علیؑ کو برا بھلا کہہ رہا ہے برو نے کہا اے عمرو ہمارے بزرگوں نے رسولؐ خدا کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔ کیا یہ بات سچ ہے یا جھوٹ ہے؟ عمرو بن العاص نے کہا میں تجھے اس سے بھی بڑھ کر سناتا ہوں کہ رسولؐ کے کسی صحابی کے مناقب اتنے نہیں ہیں جتنے کہ علیؑ کے ہیں مگر کیا کریں وہ عثمان کے قتل میں شریک ہوئے ہیں۔ (الامامت و السیاست ابن قتیبة)

طبرانی شریف میں حضرت عمر بن خطاب سے روایت ہے کہ رسولؐ نے فرمایا ہے کہ کسی شخص نے علیؑ کے مانند فضل کا اکتساب نہیں کیا۔ وہ اپنے اہل محبت کو ہدایت کی راہ دکھاتے ہیں اور برائی سے پھیرتے ہیں۔

مفسر قرآن، صحابی رسولؐ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جناب امیر علیہ السلام کے فضائل کا لاکھڑی ہونا اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ”اگر دنیا کے تمام درخت قلم بن جائیں اور سمندر روشنائی بن جائیں اور انسان لکھنے والے ہوں اور جن حساب کرنے والے ہوں تو پھر بھی علیؑ کے فضائل کو احسی نہیں کر سکتے۔ (تذکرۃ الخواص الامامہ سیط ابن جوزی)

وصی، خلیفہ اور وارث رسولؐ مولا علی علیہ السلام

یہی وجہ ہے کہ خدا نہ ہوتے ہوئے بھی علی علیہ السلام پر خدا ہونے کا گمان کیا گیا ہے اس منظر خدا اسد اللہ الغالب، غالب علی کل غالب ہستی کا دین کو استوار کرنے اور اسلام کو استحکام بخشنے کا سنہرا اور ناقابل فراموش کردار محتاج تعارف نہیں۔ چنانچہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آغاز بعثت پر دعوت ذی العسیرۃ کے موقع پر ہی علیؑ کو اپنا وصی، اپنا خلیفہ اور اپنا وارث نامزد فرما دیا۔ اور پھر ساری زندگی اپنے اس عہد کی تجدید گاہے بگاہے فرماتے رہے حتیٰ کہ روز

غدير اپنے فرائض منصبی سے فراغت پا جانے کے حکم ربی کی تعمیل میں آپؐ نے ہزاروں کے مجمع میں علیؑ کو اپنے ہاتھوں سے بلند کر کے نصب فرمایا اور اعلان عام نشر کیا کہ جس جس کا میں مولا ہوں اس اس کا یہ علیؑ مولا ہے۔

کسی تمدن کے ترقی یافتہ ہونے کا راز علم اور شجاعت میں مضمر ہوتا ہے مصلحتہ العلم رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بنفس نفیس علیؑ کی پرورش اور تربیت فرمائی اور علم ان میں اس طرح بھردیا جس طرح کوئی پرندہ اپنے بچے کو بھرتا ہے پیغمبر کے نقش قدم پر چلنے کی ایسی عادت تھی کہ خود فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ کے پیچھے پیچھے یوں چلا کرتا تھا جس طرح اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے چلتا ہے۔

حسینؑ پر سکون اور محفوظ معاشرے میں علم و عرفان ترقی کے بام عروج تک پہنچانے کا وسیلہ اور ذریعہ ہوتے ہیں پھر شجاعت قوموں میں استقلال اور جفاکشی پیدا کرتی ہے۔ شیر خداؑ باب شہر علم امام علیؑ علیہ السلام کو رسول خداؐ نے چادر تطہیر میں داخل فرما کر معاشرے کو جمالت، غفلت، کالی اور بزدلی جیسے نقائص سے پاک کر دینے کی جانب اشارہ فرمایا۔

چادرِ تطہیر میں سیدہ طاہرہ کا داخلہ اور عرش پر اللہ کا اعلان

سیدہ طاہرہؓ فرماتی ہیں کہ جب علیؓ بھی چادر میں داخل ہو گئے تو میں چادر کی طرف بڑھی اور عرض کیا اے والدِ بزرگوار! آپؐ پر سلام ہو۔ اے اللہ کے رسولؐ آپؐ پر سلام ہو کیا مجھے اجازت ہے کہ میں آپؐ سب کے ساتھ چادر میں داخل ہو جاؤں؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں اے فاطمہؓ تجھے اجازت ہے پس میں بھی اس میں داخل ہو گئی جب ہم سب چادر میں جمع ہو گئے تو اللہ تعالیٰ صاحبِ عزت و جلال نے فرمایا۔

سب کچھ محبتِ خمسہ کی خاطر پیدا کیا گیا ہے

”اے میرے فرشتو! اور آسمانوں میں رہنے والو! میں نے بلند آسمان، کشادہ زمین، روشن چاند، چمکتا سورج، گردش کنناں آسمان، موجزن سمندر اور رواں کشتی کو نہیں پیدا کیا ہے مگر ان پانچ ہستیوں کی محبت میں جو کہ چادر کے نیچے ہیں۔

جبرائیل کی تمنا

سیدہؓ فرماتی ہیں کہ جبرائیل نے عرض کیا۔ اے پروردگار اس چادر میں کون ہیں اللہ نے جواب دیا کہ وہ اہل بیتِ نبوت اور رسالت کی کان ہیں۔ وہ فاطمہ اس کے باپ، اس کے شوہر اور اس کے فرزندان ہیں جبرائیل نے عرض کیا یا رب! کیا تو اجازت دیتا ہے کہ میں زمین پر جاؤں اور ان میں کا چھٹا ہو جاؤں۔ اللہ صاحبِ عزت و جلالت نے فرمایا۔ میں نے تجھے اجازت دی۔

نزول امین وحی

پس جبرائیل نازل ہوئے اور عرض کیا السلام علیک یا رسول اللہ۔ خداوند جو علی و اعلیٰ ہے آپ کو سلام کہتا ہے اور تحفہ تعہیت و اکرام بھیجا ہے اور فرمایا ہے مجھے قسم ہے اپنی عزت و جلالت کی کہ میں نے اونچے نلاک، فراخ زمین، ماہ درخشاں، خورشید تاباں اور گردش کرنے والے آسمان، بے کراں دریا، اور رواں کشتی نہیں خلق کئے ہیں مگر تمہارے واسطے اور تمہاری محبت کے لئے اور مجھے اجازت بخشی ہے کہ میں آپ کے ساتھ چادر میں داخل ہو جاؤں۔ کیا آپ بھی مجھے اجازت دیتے ہیں۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے تمہیں اجازت دی۔

راویہ حدیث کا فرش سے عرش کے حالات کی روایت کرنا قابل توجہ امر ہے

اس مقام پر دو باتیں خصوصی توجہ کی طلب گار ہیں ایک یہ کہ حدیث کی راویہ جو براہ راست روایت فرما رہی ہیں فرش ارض پر مقیم ہیں جب کہ اللہ عرش پر فرشتوں اور اہل سموات سے مخاطب ہے جسے آپؐ سماعت فرما رہی ہیں یہ ایک باریک عرفانی نکتہ ہے کہ خدا اپنے مخصوص بندوں کے اتنا قریب ہوتا ہے کہ قرب و بعد کے فاصلے ایسے مقام پر کوئی حیثیت نہیں رکھتے اس کتاب کے آئندہ صفحات میں اس بات کی مختصر تشریح ہدیہ قارئین کی جا رہی ہے۔

اللہ قریب ہے اپنی یکتائی کے باوجود

حضرت جبرائیل کا خلاف معمول
داخلہ کے لئے اذن طلب کرنا

ہوتے ہیں تو عموماً "حاضری کے لئے اذن رسول طلب نہیں کرتے یہ خاص موقع ہے کہ امین وحی اجازت حاصل کرنے کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں حالانکہ وہ خدائے قدوس سے پہلے ہی اجازت لے چکے ہیں تو اس کا سبب شاید سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی عظمت و حرمت ہے کہ بی بی پاک کی عصمت و طہارت کاملہ اس کی مقتضی ہے کہ سید الملائکہ بھی بلا اجازت داخل نہ ہو۔

عظمت و احترام سیدۃ النساء العالمینؑ

علامہ حافظ جلال الدین سیوطی نے بدور السافرة میں، ابو نعیم نے الدلائل میں اور دیوری نے البحار میں حضرت علی علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا: روز قیامت ایک منادی ندا کرے گا کہ اے لوگو! اپنی آنکھوں کو بند کر لو جب تک کہ فاطمہ بن محمد گزر نہ جائیں۔

سید الملائکہ کا سید المرسلینؐ کو آیت تطہیر پہنچانا

چنانچہ معصومہ عالمین روایت کو جاری رکھتے ہوئے فرماتی ہیں کہ جبرائیل بھی چادر میں داخل ہو گئے اور عرض کیا کہ خدائے عزوجل نے آپؐ کی جانب وحی کی ہے کہ۔

"پس اللہ کا ارادہ تو یہی ہے کہ اے اہل بیت تم کو ہر جس سے پاک رکھے اس طرح کہ جس طرح پاک رکھنے کا حق ہوتا ہے" (سورہ احزاب)

اہل البیت کی طہارت کاملہ

پیغمبر اسلامؐ نے دودھ جیسی سفید بے داغ چادر انسانیت کا گھربنا کر اس کے بے عیب مکیںوں کی طہارت، عصمت، عظمت اور بزرگی کا شاندار عملی مظاہرہ فرمایا۔ صنف نوانی کی نمائندگی کے لئے خیر النساء بی بی کا انتخاب کیا گیا

اور عورت کو اسلامی معاشرے میں علامت شناخت قرار دیا گیا۔ معاشرے میں ماں، بیٹی اور بیوی کے مقام کو پیش نظر رکھتے ہوئے عورتوں کی ہدایت کا نمونہ کامل سیدہ طاہرہ کو قرار دیا گیا۔ اللہ نے اس مختصر مگر ہمہ جہات سے جامع و مکمل مثالی نمونہ کو پسند فرماتے ہوئے چادر تطہیر میں لپٹے ہوئے مسلم افراد کو عصمت کا خلعت فاخرہ زیب تن فرمایا۔

اس گھر کی رفعت و عظمت کو سلام ہے کہ جس میں جبرائیل چیسے معصوم اور امین وحی فرشتے کو اجازت طلبی کی ضرورت ہوئی یہی وہ منتخب گھر والے ہیں جن کی محبت میں خلاق عالم نے کائنات کو پیدا کیا ہے اور یہ ارادہ فرمایا ہے کہ ان گھر والوں کو ہر طرح کی نجات ظاہری و باطنی سے پاک و پاکیزہ رکھے اور اللہ کا ارادہ تو بس ایسا ہوتا ہے کہ جب وہ کسی بات کا ارادہ کرتا ہے وہ چیز فی الفور ہو جاتی ہے یعنی کن اور فیکون

خدا کی اس ضمانت طہارت کے بعد انسان کی سعادت مندی صرف یہی ہے کہ اس گھرانے کو آئیڈل قرار دے کر اس سے متمسک ہو جائے تاکہ اس کے سارے مسائل حل ہو جائیں تمام الجھنیں سلجھ جائیں اور جملہ عیوب و نقائص دور ہو جائیں۔

اللہ کے نزدیک چادر تطہیر تلے اجتماع کی فضیلت اور اہل ایمان کی سعادت دارین

بی بی پاک روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے بیان فرماتی ہیں کہ جب جبرائیل آیت تطہیر کی وحی پہنچا چکے تو علی بن ابی طالب نے دریافت کیا کہ اے رسول خدا مجھے مطلع فرمائیے کہ ہمارا اس چادر تلے جمع ہونا اللہ کے نزدیک فضیلت رکھتا ہے بہتو حضورؐ نے جواباً ارشاد فرمایا۔ کہ قسم ہے اس ذات کی جس

نے مجھے رسالت پر مبعوث فرمایا اور اپنی پیغمبری کے لئے میرا انتخاب کیا ہماری یہ خبر اہل زمین کی محفلوں میں سے کسی محفل میں بیان کی جائے گی۔ تو اس مجلس پر اللہ کی رحمت نازل ہوگی اور فرشتے اہل محفل کے منتشر ہونے تک ان کے لئے طلب مغفرت کرتے رہیں گے تب حضرت علیؑ نے کہا رب العالمین کی قسم ہم اور ہمارے شیعہ کامیاب ہوئے۔ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ نبی مقرر کیا ہے اور اپنی رسالت کے لئے مجھے منتخب فرمایا۔ ہماری یہ خبر اہل زمین کی مجلسوں میں سے کسی مجلس میں جس میں ہمارے شیعہ ہوں گے نہ بیان کی جائے گی لیکن یہ کہ ان میں جو کوئی بھی رنجیدہ و فکرمند ہو گا اللہ اس کا رنج دور کرے گا اور حاجت مند کی حاجت پوری کرے گا۔ تب حضرت امیر نے فرمایا کہ خدائے لا یزال کی قسم ہم اور ہمارے شیعہ فائز ہو گئے ہیں اور ہمیں نیز ہمارے دوستوں کو دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل ہوئی۔

صحت حدیث

روح اہل بیت طہارت سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی بیان کردہ حدیث کساء کی صحت کے اثبات کے لئے مندرجہ ذیل کتب سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ الجزء السابع ص ۱۳۰

۲۔ صحیح ترمذی ک ۴۴ سورۃ ح ۷

۳۔ مسند احمد حنبلی جز الاول ص ۳۲۱

۴۔ منہاج السنۃ الجزء الثالث ص ۴

۵۔ تفسیر در مشکوٰۃ ج ۵ ص ۱۹۵

اس کے علاوہ دیکھئے مشکوٰۃ المصابیح، موطاء امام مالک، کتاب الاستیجاب، اشعہ

اللمعات، جمع بین الصالحین

حدیث کساء سے اعراض کرنے کے باعث حیات انسانی کا ارتقاء رک گیا

ہمارے نقطہ نظر سے مسلمانوں کی پستی و زوال کی حقیقی وجہ یہی ہے کہ لوگوں نے حدیث کساء کو قابل توجہ نہ سمجھا۔ چنانچہ غایت کائنات اور ہر نقص و عیب سے پاک اس بے مثال گھرانے سے اعراض کرنے کے باعث حیات انسانی کا ارتقاء رک گیا۔ دنیا سے سکون رخصت ہو گیا۔ ملت میں تفریق پیدا ہونے کی وجہ سے عوام کا باہمی ربط و ضبط منتشر ہو گیا۔ جس کے فطری نتیجے انتشار کے سبب ہم تباہی کے ایسے عمیق گڑھے میں گر گئے جہاں سے نکلنا محال نہیں تو دشوار ضرور ہے۔

زیر نظر کتاب میں ہم نے کوشش کی ہے کہ یوم عید غدیر کے حوالے سے مکتب اہل بیتؑ کی تعلیمات اور آل رسولؑ کے فقید المثال کردار کی روشنی میں حیات پر مرتبہ اثرات پر غیر جانبدارانہ گفتگو کر کے ثابت کریں کہ اگر دنیا خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے عظیم الشان اعلان غدیر سے تخلف نہ کرتی تو کبھی صراط مستقیم سے دور نہ ہوتی اور ہمہ وقت دنیا و آخرت کے حسنات سے مالا مال ہوتی۔ و ما توفیقی الا باللہ

افتتاح

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

حمد باری تعالیٰ

حمد خاص ہے اس اللہ کے لئے جو بلند ہے اپنی واحدانیت میں اور قریب ہے اپنی یکتائی کے باوجود اور صاحب جلال ہے اپنی قدرت میں اور صاحب عظمت ہے اپنے ارکان میں اور جو محیط ہے ہر شے پر اپنے علم سے حالانکہ وہ اپنے مقام ہی پر ہے۔ اور جو غالب ہے تمام مخلوق پر اپنی قدرت و برہان سے جو صاحب بزرگی ہے ہمیشہ سے اور ہمیشہ محمود رہے گا جو بلند یوں کا پیدا کرنے والا اور پستیوں کا بچھانے والا ہے جو مسلط ہے زمینوں اور آسمانوں پر جو لائق تسبیح و تقدیس اور ملائکہ و روح کا رب ہے۔ جو فضل کرنے والا ہے تمام مخلوق پر اور بخشش کرنے والا ہے تمام کائنات پر، جو ہر نگاہ پر نظر رکھتا ہے۔ لیکن آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں جو کریم ہے جو حلیم ہے مہلت دینے والا ہے جو اپنی رحمت سے ہر شے کو گھیرے ہوئے ہے اور اس نے احسان کیا سب پر اپنی نعمت سے۔ جو انتقام لینے میں جلدی نہیں کرتا اور نہ عذاب کے مستحقوں پر عذاب کرنے میں عجلت فرماتا ہے جو رازوں کا سمجھنے والا دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے کوئی بھی پوشیدہ شے اس سے چھپی نہیں ہے اور نہ پنہاں چیز اس پر مشتبہ ہوتی ہے وہ ہر شے کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ہر شے پر غالب ہے اور ہر چیز پر قادر ہے ہر شے پر اقتدار رکھتا ہے اس کے مثل کوئی شے نہیں ہے۔ اور اس نے شے کو اس وقت ایجاد کیا جب کہ کوئی شے نہ تھی۔ جو ہمیشہ ہے اور عدل کے ساتھ قائم ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جو صاحب عزت اور صاحب حکمت ہے وہ اس سے بالاتر ہے کہ آنکھیں اسے دیکھ سکیں مگر وہ نظروں پر نگاہ رکھتا ہے اور وہ بڑا

لطف کرنے والا باخبر ہے اس کے وصف کی حقیقتوں تک کوئی نہیں پہنچ سکتا اور نہ کوئی اس کے ظاہر و باطن کی کیفیت کو معلوم کر سکتا ہے سوائے اس کے جسے خود اس صاحب عزت نے اپنے متعلق رہنمائی کی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک وہ ایسا اللہ ہے کہ جس کی بزرگی نے دہر کو پر کر دیا ہے اور جس کے نور نے ابد کو ڈھانپ لیا جو اپنے احکام کو جاری کرتا ہے بغیر کسی مشیر کے مشورے کے اور نہ مقدرات میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ اس کی تدبیر میں کوئی اختلاف ہے اس نے جو صورت پیدا کی بلا نمونہ و بغیر مثال کے پیدا کی۔ اور جو کچھ خلق فرمایا بلا امداد غیر اور بغیر کسی تکلف و حیلہ کے پس قصد کیا تو بس ہو گیا اور خلق کیا پس ظاہر ہو گئیں وہ ایسا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی بندگی کے لائق نہیں اس کی صنعت مستحکم اور کارگیری بہت عمدہ ہے۔ وہ ایسا عادل ہے کہ ظلم نہیں کرتا وہ ایسا اکرم ہے جس کی طرف تمام امور کی بازگشت ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک وہ ایسا ہے کہ جس کی قدرت کے سامنے ہر شے سرگلوں ہے اور جس کی ہیبت کے سامنے ہر چیز کا سر تسلیم خم ہے جو تمام ملکوں کا بادشاہ ہے جو آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے اور سورج و چاند اس کے تابع ہیں سب وقت مقررہ تک چلتے رہیں گے وہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں سموتا ہے جو ایک دوسرے کا تیزی سے تعاقب کرتے ہیں ہر سرکش جبار کو شکست دینے والا اور ہر نافرمان شیطان کو ہلاک کرنے والا ہے۔ نہ اس کی کوئی ضد ہے اور نہ نظیر وہ یکتا ہے بے نیاز ہے نہ وہ کسی سے پیدا ہوا نہ اس نے کسی کو جنم دیا نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔ وہ معبود یکتا ہے اور بزرگ پروردگار ہے جو چاہتا ہے سو کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے سو پورا کرتا ہے ہر شے کو اچھی طرح جانتا ہے وہی مارتا ہے۔ وہی جلاتا ہے وہی فقیر و غنی کرتا ہے وہی ہنساتا اور رلاتا ہے وہی قریب دور کرتا ہے اور ملک عطا کرتا ہے اسی کے لئے حمد خاص ہے۔ خیر اسکی کے ہاتھ ہے اور وہی ہر شے پر قدرت ہے

رات کو دن میں اور دن کو رات میں چھپاتا ہے اس عزیز و غفار کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جو دعاؤں کا قبول کرنے والا اور کثیر العطا ہے۔ انسانوں کا حساب رکھنے والا ہے اور جنوں و انسانوں کی پرورش کرنے والا ہے۔ اس کے لئے کوئی چیز مشکل نہیں۔ اسے فریادیوں کی فریاد اور گڑگڑانے والوں کی گڑگڑاہٹ ملول نہیں کرتیں۔ وہی محافظ ہے صالحین کا اور توفیق بخشنے والا ہے فلاح پانے والوں کو اور سارے جہانوں کا مولا ہے۔ وہی مستحق ہے کہ تمام مخلوق اس کا شکر اور حمد بجالائے۔ در حالت خوشی و غم اور تکلیف و راحت میں میرا اس پر یقین ہے۔ اور اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان ہے۔

محسن انسانیت

درود و سلام

ہدیہ درود و سلام پیش کرتا ہوں سید المرسلین، خاتم النبیین کی بارگاہ عالیہ میں جو اللہ کے حکم کو سنتے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ انہوں نے ہمیشہ ہر اس عمل میں عجلت کی جو خالق کو پسند ہے۔

اے زمینوں کے بچانے والے اور آسمانوں کو بلند یوں پر روکنے والے اللہ!

اے خوش نصیب اور بد نصیب دلوں کو فطرت پر پیدا کرنے والے خدا!

اپنی بہترین رحمتیں اور روز افزوں درود اپنے اس بندے اور برگزیدہ رسول محمدؐ پر نازل فرماتا رہ جو خاتم وحی و رسالت ہے۔ اور مشکل راستوں کو آسان کرنے والا ہے۔ جس نے حق کو حق سے آشکار کیا۔ جس نے باطل کے لشکروں کو دھکیل دیا۔ جس نے گمراہی اور ضلالت کو ناپود کر دیا۔ یہ درود و سلام اسی شان کے ہوں جس شان سے استقلال کے ساتھ آپؐ نے یہ بار (رسالت) اٹھایا۔

اس بوجھ کو آپؐ نے تیرے حکم کی فرماں پذیری، تیری خوشنودی کے حصول میں عجلت کرتے ہوئے قوت و توانائی کے ساتھ اس طرح اٹھا لیا کہ نہ تو آگے بڑھنے سے قدم پیچھے ہٹائے اور نہ عزم میں سستی آنے دی۔ آپؐ نے تیری وحی کو محفوظ کیا۔ تیرے عہد و بیان کی نگہداشت کی اور تیرے فرمانوں کو نافذ کر کے دم لیا یہاں تک کہ علم و دانش، حق شناسی اور خدا پرستی کی روشنی چار دانگ عالم میں پھیل گئی۔ غلط راستوں کے چلنے والوں پر حق کا راستہ کھل گیا۔ گناہوں اور فتنوں میں ڈوبے ہوئے دل و دماغ تیرے رسولؐ کے طفیل میں ہدایت پا گئے حضورؐ نے واضح نشانات کو قائم کیا اور نورانی احکام جاری فرمائے۔

بدوں پر تیری جانب سے یعنی شاہد اور چشم دید گواہ ہوں گے وہ حق کے ساتھ تیرے بندوں کی طرف تیری جانب سے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔

یا رحمان الرحیم! ہمارے رسول "محسن انسانیت" رحمت للعالمین، اشرف الانبیاء والمرسلین سیدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ کو تو اپنے خاص سایہ رحمت میں مزید بڑا حصہ عطا فرما۔ آپ کو اپنے فضل و کرم کے بیش از بیش حصے سے سرفراز فرما۔ آپ کے دین کی شان کو دیگر ادیان سے بلند و بالا رکھ۔ اپنے نبی کے درجہ و منزلت کو اپنے نزدیک اور گرانقدر قرار دے۔ اور آپ کے نور کو اپنے کمال تک پہنچا دے۔ تاکہ سارا زمانہ، تمام دنیا اس سے بہرہ ور ہو۔ مقبول گواہی، اچھے کلام اور حق و باطل کے درمیان قول فیصل کے اعتبار سے انہیں بہترین جزا دے۔

خداوند! آپ کے طیب و طاہر آل کو اور آپ کے اطاعت گزار اصحاب و انصار کو خوشگوار زندگی، دائمی نعمتوں، انتہائی سکون اور شرف و کرامت کی منزل میں آپ کے شریک کر دے۔ اور ان کے طفیل ہم سب کو حضرت کا قرب نصیب فرما۔

”بے شک تودعاؤں کو قبول کرنے والا رب کریم ہے“

ہدیہ تحریک

ہم اپنی تہی دہائی کا برملا اعتراف کرتے ہوئے تمام اہل ایمان کو چودہ سو سالہ جشن الفدیر کے پرست مرت موقعہ پر پر غلوص قلب کے ساتھ ہدیہ تحریک پیش کرتے ہیں۔ اور یوم تکمیل الدین اور روز اتمام نعمت کی ناقابل فراموش اہمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے آج کے دن اپنا یہ قلمی نذرانہ ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔ یہ امنگ اسی جذبہ شوق سے مستعار ہے جو بازار مصر میں یوسفؑ کی خریداری کے وقت ایک خالی داماں معمر خاتون کے جی میں پیدا ہوا تھا۔

۔ مگر قبول اقتداز ہے عزو شرف

اسلام اور جسمانی زندگی کے تین مراحل

حیات انسانی کو سادہ طریقے سے دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ (۱) مادی حیات اور (۲) روحانی حیات مکتب اہل بیتؑ رسول کی روشنی میں اسلامی نظریات کا زندگی کے ہر حصے پر گہرا ترین اثر نظر آتا ہے۔ مادی حیات یا جسمانی زندگی کی بقا کیلئے انسان کی جملہ ضروریات کو خلاق عالم نے ایک مربوط بندوبست کے ساتھ کائنات میں پھیلا دیا ہے اور کارخانہ قدرت کا ہر ذرہ اپنی خدمت بجالانے پر کمر بستہ ہے۔ ہر چیز اپنی جگہ پر نظام حیات انسانی کی بقا کا سامان ہے۔ البتہ ان قدرتی خدمتگاروں سے فائدہ اٹھانا یا نقصان اٹھانا انسان کی اپنی صوابدید پر ہے۔ چنانچہ عقلی تدابیر کی بدولت ہر شے سے اپنا مفاد حاصل کر لیا جاتا ہے۔ اسلام ان اشیاء جو (Means) ذرائع ہیں۔ (Utility) افادہ حاصل کرنے کی صحیح تراکیب سکھاتا ہے۔ اور ان کے مضرات سے محفوظ رہنے کی تدابیر سے آگاہ کرتا ہے۔ کیونکہ وہ انسانی عقل عام پر مکمل اعتماد کرنے سے گریز کرتا ہے اس لیے کہ خالق نے انسانی عقل پر بھروسہ نہ کرتے ہوئے رہنمائی کے دوسرے وسیلے بھی پیدا کیے ہیں۔

انسانی بودوباش تین مراحل طے کرتی ہے۔ (۱) خانگی زندگی (۲) سماجی زندگی (۳) شافعی زندگی ان میں ہر مرحلہ سکون و سلامتی کا محتاج ہے۔ لہذا صحت مند نظام کے موثر نفاذ کیلئے ضروری ہے کہ فتنہ و فساد کا مکمل انہدام کر دیا جائے۔ خانگی زندگی کی سلطنت ”گھر“ ہوتا ہے۔ گھر والے اس سلطنت کے باشندے ہوتے ہیں جن میں ایک فرد اعلیٰ اس چھوٹی سی ریاست کا سربراہ ہوتا ہے جو نرانی صورت میں اختیار استعمال کر کے امن و امان کو بحال کرنے اور قائم رکھنے کا موثر

کردار ادا کرتا ہے۔

گھر کے باہر سماجی ولایت کی حدود شروع ہوتی ہے جہاں سوشل زندگی کو معاشرتی ضابطوں کے ماتحت گزارا جاتا ہے۔ اور تفرقے کی تمام ممکنہ صورتوں سے محفوظ رہنے کے قواعد کا نفاذ کیا جلتا ہے تاکہ معاشرہ متوازن رہے اور ہر طرح کی بد امنی سے پاک قرار پائے۔

اس کے بعد ثقافتی یا تمدنی زندگی کی اقلیم ہے اور کوئی تمدن ترقی یافتہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ ملکی قوانین میں عوام کے حقوق کی پوری پوری حفاظت نہ کی جائے اور حکومت قانون کے نفاذ میں انصاف سے کام نہ لے۔

مکتب اہل بیتؑ رسولؐ کا حیات پر اثر

”دین فطرت اسلام“ زندگی کے ان تینوں مراحل میں انسان کی ہدایت کا مکمل سامان مہیا کرتا ہے رسولؐ اسلام اور آپؐ کے اہل بیتؑ کا کردار عملی ہمارے اس دعوے کی روشن دلیل ہے۔ روحانی حیات مادی زندگی سے ایک جداگانہ چیز ہے۔ تزکیہ نفس کے بغیر اس دنیا میں قدم رکھنا ممکن نہیں مگر حقیقی و دائمی زندگی یہی ہے۔ مادی حیات چراغِ راہ تو بن سکتی ہے لیکن منزل مقصود نہیں۔ چنانچہ اس قلمرو کی جہانمائی اہل بیتؑ کے زیر اثر ہے کیونکہ وہ نفس مطمئنہ کے حامل ہیں۔ ہا

ابتھا النفس المطمئنتہ (سورۃ الفجر آیت ۲۷)

مکتب اہل بیتؑ رسولؐ کے فکر و نظر کی روشنی میں جب ہم اسلامی نظریات کا زندگی پر اکثر مشاہدہ کرتے ہیں تو یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں کہ اسلامی علوم و معارف نے عترت رسولؐ کی حکمتوں سے اپنی تصویروں میں انسانیت کا دلکش رنگ جذب کیا ہے اور یہ رعنائی ان ہی بے نظیر ہستیوں کی مرہون منت ہے۔

آئمہ معصومین کا یگانہ روزگار ہونا تو رہا اپنے مقام پر اس مکتب کے غیر معصوم طلباء اور عام دانش جویان نے انسانی زندگی، جماعت بشری اور اسرار ہستی پر جو گہری نظر ڈالی اور توحید و الہیات یا مآراءِ طبیعت پر جو تحقیقات کی وہ مستقبل کیلئے نقش قدم قرار پائی۔ علم کی ان راہوں پر بکھرے ہوئے یہ آبدار موتی اس بات کی گواہی پیش کرتے ہیں کہ صادق و امین رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالکل سچ ارشاد فرمایا کہ۔

”میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی مانند ہیں“

مکتب اہل بیتؑ ہی کو یہ شرف نصیب ہے کہ اس نے انسانی حقوق، بشری سماج اور تمدنی فلاح کی نیک بختی کیلئے ایسے مستحکم طریقے، استوار اصول اور معتدل

نظریات قائم کیے جن کی جڑیں زمین کی گہرائیوں میں اور شاخیں آسمانوں پر پھیلی ہوئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علوم جدیدہ ان قدیم اصولوں کو فرسودہ قرار دینے میں بری طرح ناکام ہو کر مرید ہونے پر مجبور ہیں۔

تاریخ انسانیت کے تین دور

نوع انسانی کے ایک نام نہاد مہذب و ترقی یافتہ طبقے نے شروع ہی سے ضرورت دین و مذہب سے انکار کیا ہے۔ اور تاریخ انسانیت کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) دور جہالت و خرافات (۲) دور مذہب (۳) دور علم و عرفان
یہ مکتب فکر دور مذہب کو علم و عرفان سے محروم قرار دیتا ہے۔ ان منکرین مذہب نے بعض لوگوں کو دین و مذہب سے اس قدر بے نیاز بنادیا ہے کہ وہ مذہب کو خرافات کا پلندہ اور پسماندگی کا سبب سمجھنے لگے ہیں۔ مذہب کے بارے میں اس غلط مفروضے کی شہرت کا ایک ظاہری سبب یہ ہے کہ اہل مذہب نے چند عادتوں اور رسومات کو ہی محور مذہب بنا لیا ہے دین کو عبادت گاہوں اور مذہبی اجتماعات تک محدود کر دیا ہے۔

مسلم امہ میں نفس پرست عناصر نے تفریق کا ایسا زہریلا بیج بو دیا ہے کہ جس کی وجہ سے رحلت رسولؐ ہوتے ہی اختلافات کی آگ بھڑک اٹھی۔ اس دن سے آج تک باہمی جھگڑوں کے سلسلے میں شدید نبرد آزمائیاں ہوتی رہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ محاسن تعلیمات اسلام سے مستفیض ہونے سے محروم رہے۔ یقیناً محکم، اتحاد ملی اور تنظیم منسوری کے شاندار اسلامی اصولوں کو غلط سیاست، اندھی عقیدت اور کورانہ تقلید کی جھینٹ چڑھا دیا گیا لہذا اسلام دشمنوں کو یہ پروپیگنڈا کرنے کا موقع مل گیا کہ ”اقوام عالم میں مسلمانوں کی پسماندگی، پستی اور ذلت کا سبب ان کا دین ہے“

ہر قسم کی گمراہی سے محفوظ رہنے کا واحد طریقہ

اس کے برعکس مذہب پسند لوگ بالعموم یہ بات دہراتے ہیں کہ ”مسلمانوں کے زوال اور ان کی تنزلی کا باعث لوگوں کی مذہب سے بے گامگی، بے عملی، بدکرداری، غداري اور فرقہ بندی ہے“ مگر معترض کیلئے یہ جواب عذر انگ کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ہم اس سوال کا تشفی کن جواب پہلے ہی اپنی تالیف ”صرف ایک راستہ“ میں ہدیہ قارئین کر چکے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مذہب سے دوری دین سے بے رغبتی اور عروج سے محرومی یقیناً ”گمراہی کے فطری نتائج ہیں۔ اگر امت گمراہی سے محفوظ رہتی اور ہدایت سے وابستگی رکھتی تو کبھی زوال کی زد میں نہ آتی عوام الناس کیلئے عموماً اور مسلمانوں کیلئے خصوصاً“ یہ بات غور طلب ہے کہ آخر گمراہی کیوں پیدا ہوئی؟ جبکہ خالق کائنات نے ہدایت کا بندوبست کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے۔ اس کا دو ٹوک جواب یہ ہے کہ لوگوں نے قدرتی انتظام پس پشت ڈال کر اپنے خود ساختہ نظاموں پر تجربے کیے اور مختلف گروہوں، نئے نئے ازموں اور قیاسی مکتبوں کی تفریق کا شکار ہوتے چلے گئے۔ ہادی اعظم، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس انتہائی عظیم و اہم پیغام کو نظر انداز کر دیا جس میں آپؐ نے ہر طرح کی گمراہی سے محفوظ رہنے کا طریقہ تعلیم فرمایا تھا۔

حضورؐ نے امت کو متعدد بار تاکید فرمائی کہ۔

حدیث ثقلین

”بلاشبہ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ جو ایسی ہیں کہ اگر تم ان سے نمک رکھو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ (یعنی ہر طرح کی گمراہی سے محفوظ رہو گے) وہ ہیں۔

اللہ کی کتاب (قرآن مجید) اور میری عترت میرے اہل بیت۔
 نہ تو کبھی قرآن اہل بیت سے جدا ہوگا اور نہ کبھی اہل بیت قرآن سے جدا ہوں
 گے۔ حتیٰ کہ اسی طرح اکٹھے میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہو جائیں گے۔“
 (متفق بین الفرقین)

ہادیٰ اعظم نے تمسک بالثقلین کی تاکید کیوں فرمائی؟

راقم الحروف اسی پیغام رسول خدا کی روشنی میں ثابت کر چکا ہے کہ قرآن کریم
 اور عترت اہل بیت رسول کریم سے تمسک رکھنے ہی میں زوال امت کا مداوا
 ہے۔ دنیا اور آخرت کی فلاح تمسک بالثقلین سے ہی وابستہ ہے۔ یہ تمسک راہ
 نجات ہے اسی میں شفاء امراض امت ہے۔ یہی ہدایت و رحمت ہے۔ مسلم قوم
 کیلئے عروج و ترقی کا واحد راستہ یہی ہے۔ یہ علاج تفرقہ بازی ہے۔ المختصر مادی
 زندگی اور اخروی حیات کی تمام مشکلات کا حل انسانیت کے تمام دکھوں، دردوں
 اور تکلیفوں کا تیرہدف علاج نیز امت کی ترقی و خوشحالی کا یقینی راستہ صرف اور
 صرف تمسک بالثقلین، یعنی قرآن اور اہل بیت رسول کی اطاعت و اتباع ہے۔

مکتب اہل بیت کا اقتدار

اس عبوری گفتگو کا پس منظر یہ حقیقت از خود منظر عام پر لے آتا ہے۔ کہ اگر
 اہل بیت رسول کے مکتبہ فکر کی روشنی کو غائب کر دیا جائے تو زندگی اندھیر مگرمی
 ہو جائے گی مادی زندگی ہو یا روحانی حیات ہر دور کا کوئی گوشہ ایسا نظر نہیں آئے گا
 جہاں اس روشنی کی کرنیں نہ پہنچتی ہوں بلاشبہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات
 ہے۔ یہ دین اکمل و جامع ہے۔ لیکن جب کوئی غیر مسلم اس دعویٰ کی دلیل طلب
 کرتا ہے تو مکتب اہل بیت کے سوا کوئی اور اس کا تسلی بخش جواب دینے کی

اہلیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ یہ عز و شرف بس اہل بیٹ ہی کو حاصل ہے کہ انہوں نے تمام علوم (قدیم و جدید) کے بارے میں آج سے صدیوں پہلے ایسے اہم انکشافات کیے جنہیں آج کے مدبرین و دانشور انتہائی ترقی کے مدارج پر پہنچ جانے کے باوجود بھی معلوم نہیں کر سکے ہیں۔ اہل بیٹ کا یہی علم ان کی عظمت و حقانیت کو ثابت کرتے ہوئے اسلام کے عالمگیری دین ہونے کی بین دلیل بن جاتا ہے۔ اور محقق عاجز نہ اقرار کرتا ہے کہ اگر تعلیم اہل بیٹ کو اسلام سے نکال لیا جائے تو کفر اسلام سے بہتر ہے۔

وہ لوگ جو ہر وقت مذہب کی مذمت اور اہل مغرب و دہریت کی مدح سرائی میں مشغول رہتے ہیں اگر اس حیات بخش مکتب کی جانب نظر اٹھا کر دیکھ لیں تو منکرین اسلام کی ظاہری ترقی سے ہرگز مرعوب نہ ہوں۔ مگر المیہ یہ ہے کہ غیر تو غیر خود اپنوں نے بھی آنکھیں بند کر رکھی ہیں اور اب فرات بھی پیاسے رہتے ہیں۔ سائنسی علوم کی برق رفتار ترقی نے جہاں نوع انسانی کو آرام دہ آسائش کا قابل قدر سامان فراہم کر کے انسانیت کی پیش بہا خدمت کی ہے۔ وہاں انسان کیلئے لاتعداد مشکلات، شدید خطرات اور بے شمار تفکرات بھی پیدا کر دیئے ہیں ایک سہولت دس نئی دقتیں پیدا کر رہی ہے۔ اور اگر ان دشواریوں کا دائرہ سائنسی ترقی کے ساتھ ساتھ اسی تناسب سے وسعت اختیار کرتا رہا تو انسان کچھ ہی عرصے بعد ایسی ہولناک صورت سے دوچار ہو جائے گا جس کا تصور کرنے سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مشاہدہ ثابت کر رہا ہے کہ ان پیدا شدہ مشکلات اور الجھنوں کا موجودہ علمی، فنی اور صنعتی ترقی کے ساتھ گہرا اور براہ راست تعلق ہے۔ چنانچہ ان مہلک پریشانیوں سے محفوظ رہنے اور ان مشکلوں سے نجات پانے کا واحد ذریعہ دامن دین میں پناہ حاصل کرنا ہے دین مادی ترقی کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں کرتا بلکہ اس کی ضرورت و اہمیت کے پیش نظر خوب حوصلہ

افرائی کرتا ہے۔ البتہ بنیادی حکمت عملی کے مطابق توازن و اعتدال سے ہاتھ نہیں کھینچنے دیتا۔ دین خلقت انسانی کے مقصد سے کسی لمحہ آنکھ نہیں چراتا اور عبادت پروردگار سے غافل نہیں ہونے دیتا۔ لہذا وہ ترقی کو نصب العین سے وابستہ پیوستہ رکھنے پر زور دیتا ہے۔

سکون

کتب اہل بیت کی فکر کے مطابق ”نظام ربوبیت“ اور ”اقدار“ دین ہی کے اہم شعبے ہیں۔ بلکہ کسی بھی شعبہ حیات کو دین سے جدا قرار دینا تحریف دین ہے فطرتی نظام قدرت کی روشنی میں جب حیات انسانی کا مشاہدہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی سب سے بڑی آرزو فطری سکون اور دائمی اطمینان ہے انسان کی ہر ہر حرکت اسی مرکزی نقطے کی جانب ہوتی ہے۔ محنت، مشقت، بھاگ دوڑ، جدوجہد، کوشش، سعی اور عمل پیہم سب کا منتی ”سکون“ ہے۔ جس کیلئے آدمی مارا مارا پھرتا ہے۔ مگر سکون پھر بھی میسر نہیں آتا لیکن مروجہ ادیان عالم اور تمام لادینی نظریات میں صرف اسلام ایک ایسا دین ہے جو انسان کی سب سے بڑی آرزو (سکون) کو پورا کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔ اس کی یہ خاصیت اسے دین فطرت ثابت کرتے ہوئے تمام مذاہب پر فوقیت بخشتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خالق فطرت نے اسلام ہی کو اپنا پسندیدہ دین قرار دیا ہے۔ ”ان الدین عند اللہ الاسلام“ بیشک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔

دین حنیف اور اس کی اہمیت!

اللہ جل شانہ نے دین کی تعریف یوں فرمائی ہے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ دِينُ حَنِيفًا ۝ فطرت اللہ الی فطرت الناس علیہا ۝ لا تبديل

لَخَلَقَ اللَّهُ فَلَكَ الدِّينَ الْقِيمَ ○ وَلَكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ○ (سورة الروم آیت نمبر ۳۰)

پس تو اپنی پوری توجہ کے ساتھ اپنا رخ دین حنیف کی طرف رکھ۔ (جو) فطرت خدا ہے کہ جس پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔ اللہ کے عمل تخلیق میں تبدل نہیں۔ یہی تو دین قیم ہے لیکن لوگوں کی اکثریت کو اس کا علم نہیں ہے۔ (۳۰/۳۰)

یعنی ”دین“ فطرت خدا ہے۔ جس پر انسان کو پیدا کیا گیا۔ فطرت الہی میں رد و بدل یا فرق محال ہے۔ یعنی اس فطرت خداوندی کا پیغام ہر انسان کیلئے یکساں ہے۔ اللہ کی فطرت میں دوئی کا کیا کام۔ توحید میں شرک کے کیا معنی؟ اسی فطرت اللہ کو ”دین قیم“ (سیدھا۔ درست۔ انمول دین) بتلایا گیا ہے۔ دین کی اس تعریف اور وضاحت کے ساتھ اس کی طرف مکمل طور پر متوجہ رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ انسانوں کی اکثریت اس ”دین حنیف“ اور ”دین قیم“ سے نا آشنا ہے۔

خود خلاق عالم، مالک یوم الدین اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ انسانوں کی اکثریت حقیقت دین سے واقف نہیں چنانچہ فرمان رب العزت کی عملی تفسیر کا نمونہ یہ ہے کہ دین کے نام نہاد علمبردار اللہ کے سیدھے سادھے دین کی تعریف میں بھی ایک دوسرے سے متفق نہیں جیسا کہ پاکستان کے ایک سابق چیف جسٹس منیر مرحوم نے ۱۹۵۲ء میں تمام مکاتب فکر کے علماء کو بلایا اور ان سے تبادلوہ خیالات کے بعد اپنی رپورٹ میں تحریر کیا کہ علماء کرام ”دین“ کی کوئی متفقہ تعریف پیش کرنے سے قاصر رہے۔ حیرت و افسوس کا مقام ہے کہ قرآن مجید نے تو دین کی تعریف مندرجہ بالا آیت میں واضح کر دی ہے مگر قرآن پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرنے کے باوجود اس آیت قرآن سے چشم پوشی کی جاتی ہے۔ اور یہ بات تو کسی

تشریح کی محتاج نہیں کہ جب دین فطرت اللہ ہے تو اس میں تفرقہ بازی کی گنجائش خلاف عقل ہے۔

دین فطرت

دین حق کے اعتقادی، عملی اور اخلاقی احکام کے تمام سلسلے فطرت کے ہم سفر ہیں جو خالق کے منتخب نمائندوں کے توسل سے بنی نوع انسان کی رہنمائی اور ہدایت کیلئے جاری ہیں۔ ساری کائنات میں ہر جاندار اپنی فطرت پر عمل کر کے کامیاب زندگی گزارتا ہے۔ لہذا انسان کو بھی لازم ہے کہ وہ ان فطری رجحانات کی پوری پیروی کرے جو قدرت کی طرف سے اس کے اندر ڈالے ہوئے ہیں۔

انسان سے غلطی کا ارتکاب کیوں ہوتا ہے؟

یہاں اعتراض وارد کیا جاسکتا ہے کہ ہر جاندار اپنی فطرت پر ہی عمل کرتا ہے۔ مگر بعض امور میں صاحب اختیار ہونے کے باعث انسان سے کوتاہیوں کا صدور ہو جاتا ہے اور وہ غلطیوں کا ارتکاب کرتا ہے اور یوں وہ بھی اپنی فطرت پر ہی عمل کرتا ہے کہ خطا کا پتلا ہے ہم کہتے ہیں کہ یہ فریب نفس ہے۔ انسان میں فطرت حیوانیہ بھی موجود ہے مگر حیوانی و انسانی کا مابہ الامتیاز شمع عقل ہے۔ جب تک جذبات عقل کے تابع ہیں وہ انسان ہے لیکن اگر عقل جذبات کی اطاعت کرنے لگے تو انسان حیوان سے بھی بدتر ہے۔ چنانچہ جب آدمی پر حیوانی فطرت غالب آجاتی ہے تو غلطیاں کرتا ہے مگر پوچھا جاسکتا ہے کہ جب فطرت حیوانی کے باعث غلطیاں ہوتی ہیں تو پھر اسے انسان میں ولایت کیوں کیا گیا؟ ہمارا جواب یہ ہے کہ انسان اور حیوان میں فطرت حیوانیہ قدرے مشترک ہے انسانیت عقل و شعور سے ممتاز ہوتی ہے جو تدریج نشوونما پاتی ہے چنانچہ اگر انسان میں فطرت حیوانیہ

سرے سے ہو ہی نہ تو اس کا معرض وجود میں آنا محال ہے یعنی جب تک انسان میں شعور انسانیت نہیں ہوتا وہ فطرت حیوانی پر رہتا ہے اس لیے ہم کہتے ہیں کہ انسان کو انسان بنانے کیلئے فطرت حیوانی بھی ضروری ہے۔ اگر فطرت حیوانی نہ ہو تو کوئی شخص انسانیت کو نہ پہنچے یعنی عقل و شعور حاصل نہ کر سکے یعنی زندہ ہی نہ رہ سکے۔ اگر بھوک کی اذیت نہ ہو تو انسان کھانا کیوں کھائے۔ پیاس سے تکلیف کا احساس نہ ہو تو پانی کیوں پیئے۔ لہذا عقل و شعور حاصل ہونے سے قبل فطرت حیوانی انسان کیلئے ضروری ہے جس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اب حیوانی اور فطرت انسانی میں ایک واضح فرق ہے وہ یہ کہ دنیا کی پست مادی زندگی کے متعلق جو وہ خواہشات ہیں ان کا تعلق فطرت حیوانی سے ہے اور جن خواہشات کا تعلق اخلاق و عادات نفس کو بہتر بنانے اور حیات انسانی کو ترقی دینے سے ہو وہ فطرت انسانی کے متعلق ہیں۔

اسلام۔ خدا کا پسندیدہ دین انسان کو اس نفسی کشمکش کا ایسا متوازن اور معتدل حل پیش کرتا ہے جس کے ذریعے سعادت دارین یقینی طور پر نصیب ہو جاتی ہے۔ اور انسانی دل پوری طرح مطمئن ہو جاتا ہے۔ وہ خود کو مادی و روحانی زندگی کے ہر لحاظ سے قوی اور آسودہ محسوس کرنے لگتا ہے۔ وہ حل اسلامی شریعت کی زبان میں ”تزکیہ نفوس“ ہے۔ اللہ نے تزکیہ کا وسیلہ خاتم النبیین سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات عالی صفات کو قرار دیا ہے۔ جن کا مقصد بعثت ”تزکیہ نفوس“ کتاب الہی میں خصوصی طور سے بتایا گیا ہے۔

دین اور شریعت میں فرق

اگر دین فطرت ہے تو اس میں رد و بدل کی گنجائش نہیں مگر تاریخی حالات سے ایسا ماخوذ ہوتا ہے کہ دین کی تکمیل کے دوران نسخ و تبدل کے واقعات ہوتے رہے ہیں۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کی تعلیم دین محض اسماء تک محدود تھی اور حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے تدوین شریعت کا آغاز ہوا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ (سورة الشوریٰ ۱۳)

اللہ نے تمہارے دین کا وہی راستہ مقرر فرمایا جس کا نوح کو حکم دیا تھا۔ اور جس کی (اے رسول) آپ کی جانب وحی کی اور جس کا ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ کو حکم دیا تھا کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفریق نہ ڈالنا (۱۳/۴۲)

اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت آدم سے حضرت نوح کے درمیانی وقفے میں تقریباً چالیس نبی گزرے۔ اور ان میں کوئی بھی صاحب شریعت نہ تھے۔ کیا وہ نبیاء دین نہ رکھتے تھے؟ یا معاذ اللہ بے دین تھے۔ مگر یہ مفروضہ اس لیے غلط ہے کہ جو انبیاء خود اس کی نفی کرتا ہے کیونکہ جب نبی تھے تو لازمی طور پر دین بھی تھا اور پھر کہ دین تو فطرت میں داخل ہے۔ اور انبیاء تو اصل دین ہی پر مقطور و مخلوق ہوتے ہیں۔ اور دین خدا بس ایک ہے جو دین فطرت ہے۔ اور قرآن مجید کی رو سے وہ دین اسلام ہے۔ اس کی علاوہ ادیان خدا کے نزدیک غیر مقبول اور لوگوں کیلئے عث خسارہ ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ دین اور شریعت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ دین ہمیشہ سے تھا ہے اور ہوگا۔ لیکن شریعت کا آغاز عہد حضرت نوح علیہ السلام سے ہوتا ہے۔ آریہ منقولہ بالا کے الفاظ۔ ”شرع لکم من الدین“ اس پر لیت کرتے ہیں کہ ”شریعت“ اور ”دین“ دو چیزیں ہیں ”شریعت“ تدوین قانون

ہے اور یہ ”دین“ میں سے قرار دی گئی ہے۔ یعنی قانون سازی فطرت کے اصولوں کی روشنی میں ہوئی ہے پس شریعت عین دین نہیں ہے بلکہ جزو دین ہے۔ البتہ اگر شرع لکم الدین کہا جاتا تو شریعت و دین مترادف سمجھے جاسکتے تھے۔ حضرت نوحؑ ابراہیمؑ موسیٰؑ عیسیٰؑ اور محمدؐ کو جو وصیت کی گئی وہ یہی ہے کہ دین کی قانون سازی فطری اصولوں کے مطابق کی جائے۔ چنانچہ نوح علیہ السلام سے قبل کے زمانے میں ”دین“ تو تھا مگر شریعت سادہ اور غیر مرتب تھی

”شرع“ کے معنی راہ و راستے کو ہموار و سیدھا کرنا ہے۔ اور ”صرط“ راستے یا سڑک کو کہا جاتا ہے۔ پس شریعت دین کی صراط کو ہموار، محفوظ اور سیدھا رکھنے کی تراکیب و تدابیر کے اصول و قوانین کے مجموعہ کو کہا جاتا ہے۔ اس لیے شریعت قاتل رخ ہے۔ مگر دین ناقتل تغیر و تبدل و رخ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر صاحب شریعت کی شریعت تو الگ ہوئی ہے مگر دین ایک ہی رہا ہے۔ شریعت حالات کے تحت تبدیل ہوتی رہی مگر دین کے اصول ایک ہی رہے۔

حسب اختلاف ملہ و زمان و مکان لوگوں کی حالتیں اور صورتیں مختلف ہوتی ہیں لہذا اسی مناسبت سے ضرورت کے پیش نظر احکامات میں رد و بدل ہوتا رہتا ہے۔ ایسی تبدیلی رخ کھاتی ہے جو احکام میں واقع ہوتا ہے اصل موضوعات میں ہرگز نہیں۔ علیٰ ہذا قانون شرعی حتیٰ حضرت نوحؑ سے شروع ہوا اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا تو ختم ہو گیا۔ لہذا حضورؐ کے واسطے حکم ہوا ”ثم جعلناک علی شریعتہ من الامر لاتبعہا“ یعنی ہم نے تمہارے لیے احکام کا ایک واضح راستہ (شریعت) مقرر کر دیا۔ پس اسی کی پیروی کرو (الباقیہ ۸) پس حضورؐ کی شریعت تامہ و کاملہ ہے اور مقام ختم پر فائز ہوتی ہے تبھی تو اس کے اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ یعنی اب شریعت میں تغیر و تبدل نہ ہوگا۔ کوئی دوسری شریعت نہیں آئے گی۔

نکتہ

منقولہ بلا آیہ شروع لکم من اللہ... الخ میں قتل غور بات یہ ہے کہ ”لکم“ کی ضمیر سے مخاطب کون ہے؟ یہ کسے کہا جا رہا ہے کہ ”اللہ نے تمہارے دین کا راستہ ہموار و استوار کر کے سیدھا کر دیا ہے۔ رسول کریم بظاہر اس میں داخل نہیں کیونکہ آپؐ سے علیحدہ فرمایا جا رہا ہے کہ ”وما الوحیۃ شئک“ اگر کہا جائے کہ مخاطب ہم امت ہیں تو بابت خطرناک شکل اختیار کر جاتی ہے کیونکہ مومنین دین کے پیرو کار اور شریعت کے متبع ہوتے ہیں صاحبان دین و شریعت نہیں ہوتے۔

وارث دین

قرآن مجید اس سلسلے میں رہنمائی کرتا ہے کہ ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اولاد سے فرماتے ہیں کہ ان اللہ اصطفیٰ لکم الذین فلا تموتن الا و انتم مسلمون (سورۃ البقرہ ۱۳۲)

یعنی اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لیے دین کو چن لیا ہے پس تم نہ مرنا مگر مسلمان

پس معلوم ہوا کہ دین ذریت ابراہیمؑ کے واسطے ہے وہ صاحبان دین ہیں چنانچہ صاحبان دین انبیاء ہوئے نہ کہ عوام۔ لہذا سورۃ شوریٰ کی محولہ بلا آیت کے مخاطب عام امتی نہیں ہو سکتے۔ بلکہ وہ لوگ جن کیلئے تمام شرائع سابقہ و لاحقہ جمع کی گئی ہیں جن میں شریعت خاتم النبیینؐ بھی شامل ہے۔ مخصوص ہیں۔

قرآن دربارہ ابراہیمؑ فرماتا ہے کہ ”وجعلنا فی ذریتہ النبوءہ والکتاب“ (التکوٰت ۲۷)

ہم نے اولاد ابراہیم میں نبوت و کتاب کو قرار دیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا کہ ”اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنا مسلم قرار دے اور ہماری اولاد میں سے ایک گروہ کو اپنا مسلم بنالے“ (سورہ بقرہ ۱۲۸)

یہ دعا حضرت اسماعیل علیہ السلام اور زیت اسماعیل کیلئے مخصوص تھی۔ پھر یہ ملت ابراہیم ہے کہ انہوں نے اس سلسلہ دین کو اپنی اولاد میں قرار دیا۔ ابراہیم دعا گو ہیں کہ اے پروردگار! ہمیں اپنے مناسک کا نظارہ کرا دے۔ اور ہماری جانب متوجہ رہ (نظر رحمت رکھ) بے شک تو تواب بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔

اے ہمارے رب! ہماری اولاد ہی میں سے ایک رسول کو مبعوث فرما جو ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے بے شک تو زبردست حکمت والا ہے۔ (البقرہ ۱۲۹)

پھر اللہ کا ارشاد ہے کہ ”اور کون ملت ابراہیم سے منحرف ہو سکتا ہے یا اعراض کر سکتا ہے سوائے اس کے جس نے اپنے نفس کو احق بنالیا۔ (خود فریبی کا شکار ہو گیا) بے شک ہم نے ابراہیم کو دنیا میں مصطفیٰ کر لیا اور آخرت میں وہ یقیناً صالحین میں سے ہیں“ (البقرہ ۱۳۰)

چنانچہ اسی ملت ابراہیمی کے اتباع کا حکم سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوا کہ۔

والتبع ملة ابراهيم حنيفا (النساء ۱۲۵) چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مانند یہ سلسلہ اپنی عترت طاہرہ میں منتقل فرمایا جو نسبی شجرے کے اعتبار سے زیت ابراہیم اور اولاد اسماعیل سے ہیں۔ پیغمبر اسلام نے بھی کتاب اللہ کو اپنی زیت میں قرار دیا۔ اپنے اہل بیتؑ تالی کتاب، ثانی ثقین فرمایا اپنی امت کو ثقین کی سپردگی میں دیا تاکہ امت ہر طرہ کی گمراہی سے محفوظ رہے۔ پس ”شرع لکم من الدین“ کے مخاطب اہل

بیت رسولؐ ہوئے جن کو دین حنیف کا لائندار اور وارث مقرر کیا گیا۔ جبکہ ہم اہل ایمان کو حکم دیا گیا کہ۔

”فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا“ (آل عمران۔ ۹۵) کہ ملت ابراہیمی کا اتباع کرو اور تمہیداً ”فرمایا گیا کہ جو ملت ابراہیمؑ سے منحرف ہو گا وہ سفید قرار پائے گا۔

پس تلخیص کلام یہ ہوئی کہ زندگی فطرت کے ماتحت ہے۔ فطرت دین ہے۔ دین کی وارث عترت ہے، اس سے اعراض مصفاہت و حماقت ہے۔ چونکہ زندگی کی کوئی شے دائرہ فطرت سے خارج نہیں اس لیے مکتب اہل بیتؑ کا اثر ذرے ذرے پر ظہور پذیر ہے۔

اسلام گمراہی سے بچنے کی ضمانت دیتا ہے

دین انسان کو زندگی کے ہر طوفان سے صحیح و سالم بچالینے کا ضامن ہے۔ اپنے پیروکار کو کائنات کے کارخانے سے اس طرح ہم آہنگ کر دیتا ہے کہ دنیا کی عام اور ارتقائی حرکت کے ساتھ اس کا کوئی تضاد، ناقص یا تصادم پیدا ہی نہیں ہونے دیتا۔ شرع دین کی روش کے باعث آدمی انسانی ہستی کی عظمت، مافی الضمیر و اربوں کی شرافت اور سماجی حرمت کے جملہ تقاضوں سے نہ صرف آشنا ہوتا ہے بلکہ اجتماعی خوشگوار زندگی کی سربلندی کیلئے ایثار کے مقدس جذبوں سے واقفیت حاصل کر لیتا ہے۔

ہم مسلمان ہیں۔ ہمارا دین اسلام ہے۔ وہ اسلام جو انسان کی تمام حرکت و سکنت اور طریق و اطوار پر گہری نظر رکھتا ہے۔ اس دین فطرت نے وقت اور جگہ کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے بڑے موزوں احکام اور عالی شان ضابطہ حیات وضع کیا ہے۔ چنانچہ اسلامی تعلیمات میں کسی موضوع پر احکامات کو نظر انداز نہیں کیا گیا اس جامعیت کی بدولت اسلام ہر دور میں گوناگوں انفرادی، اجتماعی، اقتصادی

عدالتی، سیاسی، ذہنی، نفسیاتی، فکری اور فلسفاتی مشکلات اور مسائل کا قتل قبول حل مہیا کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ اس دین مبین میں تمام اصلاحی مسائل اور نظام ہائے عمل کی جملہ خوبیاں جمع ہیں۔

لارڈ ہڈلے کے تاثرات

اسلام کے بارے میں لارڈ ہڈلے (Lord Hadley) جیسے مفکر کے تاثرات یہ ہیں کہ۔

”میرا پکا ایمان ہے کہ اگر یورپ کے تمام جید مفکر اور حکماء ایک ایسا مذہب تلاش کرنے کی سعی کیلئے اکٹھے ہو جائیں جس کی اساس آفاقی منطق کے اصولوں اور عام احساسات پر رکھی گئی ہو تو وہ یقیناً ”متفقہ طور پر“ ”دین اسلام“ اختیار کریں گے۔ کیونکہ اس دین کی عظمت اور اس کے احکام کی سلوگی میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ دین جو ایک بہت عظیم نعمت ہے سرنا پا منطق اور دلیل پر مبنی ہے اور روح و بدن کے آرام کو ملحوظ رکھتے ہوئے روحانی ترقی کی جانب خصوصی توجہ دیتا ہے“

(اسلام نوشتہ جنرل دیمیرل)

نظام کائنات عدل پر قائم ہے

اسلام میں عدل کی اہمیت

انسان فطرۃً اچھائی پسند ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اچھا بن کر رہے لہذا اسلام انسان کو اچھے کاموں کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ بھی ایک فطری رجحان ہے کہ ہر چیز اپنے موقع، محل اور مقام پر رہے کسی شے کو اس کے اصلی و مناسب مقام سے ہٹا کر نقلی و غیر مناسب جگہ پر منتقل کرنا ظلم ہے۔ لہذا اسلام عدالت کو اپنے اصول زریں میں جگہ دیتا ہے۔

اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے

اللہ کی جانب سے اکمل دین اور اتمام نعمت کا اعلان کیا جا چکا ہے۔ خدا دین اسلام پر راضی ہے لہذا اس کفایت کے بعد دین و شریعت میں کسی مزید تغیر یا تبدل کی قطعاً ضرورت باقی نہیں رہی۔ کیونکہ اب اسے مکمل کی احتیاج ہے نہ اتمام کی، بلکہ وہ ہر لحاظ سے مکمل، جامع، ہمہ گیر اور عالمگیر دین و مذہب ہے۔ اس میں کائنات کے تمام مادی و روحانی مسائل کو حل کرنے کی پوری پوری صلاحیت موجود ہے اور ضرورت کی مناسبت کے ساتھ زمان و مکان کے حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے انسانی فلاح و بہبود میں حائل ہر رکاوٹ کو دور کرنے کی مکمل اہلیت اور بھرپور قوت رکھتا ہے۔ مستقبل کے ہر جدید مسئلہ کا حل اجتہاد کے ذریعے حاصل کیا جاسکتا ہے یعنی قرآن و سنت اور ان دونوں کی تشریحات کے سلسلے میں اقوال آئمہ اہل بیت کی روشنی میں ہر نیا آنے والا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ اس لیے مکتب اہل بیت کا یہ دروازہ اجتہاد کھلا رہتا ہے۔

82 خطرہ عظیم

لیکن کرناک الیہ یہ ہے کہ اس نام نہاد ترقی یافتہ دور میں نوبل نسل سے اسلام کو ایک عظیم خطرہ درپیش ہے عہد جاری کو دور علوم و فنون سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ سچی بات تو یہ ہے کہ ہمارا ایسا کہنا ہی بے علمی کی دلیل ہے۔ اہل عرفان کے نزدیک علم کے تین حصے ہوتے ہیں۔ تحصیل علم کی مدت میں جب طالب علم اس کے حصہ اول میں وارد ہوتا ہے تو متکبر ہو جاتا ہے (جیسا کہ آجکل ہے) مگر جب دوسرے حصے تک رسائی پاتا ہے تو اسے پتہ چلتا ہے کہ وہ تو کچھ بھی نہیں جانتا جتنا اسے معلوم ہوا ہے وہ اس کے مقابلے میں بہت ہی قلیل ہے جو اسے معلوم نہیں۔ چنانچہ اس مقام پر وہ تواضع اور فروتنی اختیار کرتا ہے اسی طرح جب وہ ترقی کر کے علم کے تیسرے حصے تک پہنچتا ہے تو خوب جان لیتا ہے کہ وہ کچھ نہیں جانتا اور یہاں پر برملا اعتراف کرتا ہے کہ ”مجھے علم ہو گیا ہے کہ مجھے کچھ معلوم نہیں ہوا“

خللی برتنوں کی آواز زیادہ آتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جوں جوں علمی و فنی ارتقا میں سبکی کا رجحان اور میلان بڑھتا جا رہا ہے لاتعداد نئی نئی پیچیدگیاں سامنے آ رہی ہیں۔ ہل کی کھل اتارنے کے باوجود ہل برابر سمجھ نہیں آتی۔ زمانے کی اس بین الاقوامی مادی دوڑ میں لادینی قوتوں کو پاؤں پھیلانے کے اچھے خاصے مواقع حاصل ہوئے جاتے ہیں۔ آج کی نسل مذہب سے منحرف نہیں تو لا تعلق ضرور ہوتی جا رہی ہے۔ اس کا سبب دراصل ”رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری وصیت“ خصوصی تلقین اور تاکید فی نصیحت ”تمسک بالثقلین“ سے انحراف ہے۔ جس کے نتیجے میں جدید و قدیم ایسی بے سرو پا باتیں نادان دوستوں یا وانا دشمنوں کی مہربانیوں سے اسلام کے ساتھ منسوب ہو گئیں جن کو بالغ نظری، پختہ شعور اور عقل سلیم قبول کرنے پر آمادہ نہیں۔

عقائد باطلہ

خاص طور پر محققین کی سادہ لوح طبع آزمائیں جو عقائد کا روپ دھار گئی ہیں آج کل کے خلائی دور میں عقائد "باطل ثابت ہو رہی ہیں۔ دراصل اس کے پس منظر میں مذہب و سیاسی سازشیں کار فرما رہی ہیں۔ جن کی تفصیل کیلئے جداگانہ کتب کی ضرورت ہے۔ مختصراً "اور تمثیلاً" عرض یہ ہے کہ محمد نبی عباس میں یونان کے فلسفہ قدیم کا شہرہ تھا حالانکہ اسی زمانے میں وہ فلسفہ باطل ثابت ہو چکا تھا۔ مگر عباسی حکمرانوں نے قسطنطنیہ سے اس فلسفے کی کتابیں منگوا کر عربی میں ترجمے کرائے۔ پھر ان کی درس و تدریس کا انتظام پوری مملکت اسلامیہ میں کیا گیا۔ یہ غلط اور باطل فلسفیانہ عقائد طلاب کے ذہنوں میں بیٹھ گئے اور یہی طلباء مستقبل کے علمائے دین بن بیٹھے۔

فتوحات و معرکہ آرائیوں میں مصروفیت کے باعث عرب پر آفتاب علم کا طلوع نہ ہوا بلکہ جمالت کی تاریکی چھائی رہی ان کی اکثریت علمائے یہود سے اکثر مسائل کا حل دریافت کرنے کیلئے رجوع کرتی تھی۔ قرآن مجید میں متعدد اصطلاحات اشیائے غیب سے متعلق تھیں۔ پہلی دو صدیاں تو ملکی فتوحات میں مشغول گزریں اور تیسری صدی میں قرآن و حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے یونان لوگ متوجہ ہوئے۔ عقائد اسلامی کا استخراج ہونے لگا مگر ان لوگوں کے سامنے یونان کے فرسودہ اور مردودہ فلسفہ قدیم کے سوا کچھ نہ تھا۔ لہذا ان نیم ملائم کے خود ساختہ علماء کی یہی کوشش رہی کہ قرآن و حدیث میں جو جدید اصطلاحیں یا کلمات اشیائے غیر مرئی کیلئے استعمال ہوئے ہیں ان کے مفہیم و مطالب کو اسی فلسفہ قدیم کے مطابق دھل لیں۔ بعض نے تھوڑا جھٹکا رویہ اختیار کرتے ہوئے حکم لگا دیا کہ قرآن و حدیث میں جو کلمات استعمال کیے گئے ہیں۔ ان کے لغت سے لفظی معنی ہی مراد لے جائیں ان کے نزدیک تویل کرنا اور کوئی نیا مفہوم پیدا کرنا کفر تھا۔ مثلاً

الرحمن علی العرش استوی۔ ترجمہ رحمن عرش پر چڑھ گیا۔ (ط۔ ۵)

اب عرش سے مراد ساتواں آسمان لی گئی۔ اور چڑھ گیا سے آٹھواں آسمان اس کا تحت مطلب لیا گیا۔ جس پر اللہ جاکر بیٹھ گیا اپنی مخلوق سے بہت دور جبکہ حقیقت میں وہ شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ پھر مکارانہ دھونس، کہ جو اس مفروضے کو نہ مانے واجب القتل ٹھہرے۔ اس طرح آٹھویں آسمان کے اوپر پانچ سو سال کی مسافت پر نواں آسمان ہے جو فلک الافلاک ہے۔ اور اسی میں یہ تمام چمکتے ستارے جو نظر آتے ہیں جڑے ہوئے ہیں یہ نواں فلک مع جڑے ہوئے ستاروں اور اپنے اندر کے سات آسمانوں اور سات سیاروں سمیت زمین کے گرد دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں ایک چکر لگاتا ہے۔ اس طرح زمین مرکز کائنات ہے۔ اس سے پانچ سو سال کی راہ پر پہلا آسمان فلک قمر ہے۔ اس سے پانچ سو برس کی راہ پر دوسرا آسمان فلک عطار ہے اسی طرح اسی مسافت پر تیسرا آسمان فلک زہرا ہے چوتھا شمس، پانچواں مریخ، چھٹا مشتری اور ساتواں زحل ہے۔ آسمانوں کے متعلق یہ عقیدہ قائم کیا گیا کہ وہ شیشے کی طرح شفاف سخت اور صلب ہیں یعنی پھٹ کر پھر جڑ نہیں سکتے۔ ایسی صورت میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان حالات میں فرشتوں کی آمد و رفت کیسے جاری رہ سکتی ہے۔ چنانچہ ان کی گذر گاہ بنانے کیلئے دروازوں اور پھاٹکوں کا تصور پیدا کر لیا گیا ہے۔ لوح محفوظ کیلئے قیاس آرائی ہوئی کہ وہ بہت بڑی تختی ہے جس کا طول مشرق سے مغرب تک ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے ہونے والے حالات اور واقعات درج کرا دیے ہیں۔ یہ تختی عرش پر رکھی ہوئی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کو وحی کرنا منظور ہوتا ہے تو حضرت میکائیل کو حکم ہوتا ہے کہ لوح محفوظ دیکھے وہ لوح کے پاس جاتے ہیں۔ پردوں کو ہٹاتے ہیں اور اس کی پیشانی پر لکھی ہوئی ایک تختی پر مقصودہ وحی خود بخود لکھی جاتی ہے چنانچہ وہ جبرئیل کو دکھاتے ہیں۔ جبرئیل اس کا مطالعہ فرما کر زمین پر نازل ہوتے ہیں اور

جہاں اس پیغام کو ارسال کرنا ہوتا ہے پہنچا دیتے ہیں
 لوح محو اثبات کے متعلق قیاسی شرح یہ کی گئی ہے کہ وہ ایک تختی ہے،
 عرش پر اللہ تعالیٰ اس پر آئندہ کیلئے کچھ لکھوا دیتا ہے پھر اسے مٹوا کر کچھ اور تحریر
 کروا دیتا ہے۔ اس طرح جنت، دوزخ، برزخ، اعراف، صراط، شجر طوبی، حوض کوثر
 اور سر تسنیم وغیرہم کے بارے میں مختلف قسم کی غیر عقلی تفصیلات پر قیاسی عقائد
 قائم کر لیے گئے ہیں۔ جن کی حیثیت خرافات کے سوا کچھ نہیں ہے۔ تعجب ہے کہ
 قیاس کو ایسے خود ساختہ علماء خود بھی شیطانی وحی قرار دیتے ہیں۔ اب چونکہ یہ
 ساری بحثیں عربی زبان میں تھیں۔ لہذا نادان جاہل طالب علموں کے سوا دیگر
 صاحبان فہم و فکر تک نہیں پہنچتی تھیں چنانچہ صدیوں سے نقل و نقل کا سلسلہ
 چلتا رہا۔

سائنس اسلام سے ہم آہنگ ہے

اب جب سائنس کا زمانہ آیا اور خلائی دور کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے سخت اور صلب آسمان کا عقیدہ غلط ثابت ہوا جس نے آسمانوں، عرش اور کرسی وغیرہ کے تمام متعلقہ ادہام کا ابطال واضح کر دیا جب عرش نہ رہا آسمان پھٹ گئے تو لامحالہ وجود خدا بھی مشکوک قرار پا گیا۔ اب جنت جو ساتویں آسمان کے نیچے تھی غالب ہو گئی۔ جب عرش ہی نہ رہا تو اس کے اوپر جو کچھ بھی فرض کیا گیا تھا تمام کا تمام بکسر باطل ثابت ہو گیا۔ اندھیریہ پڑا کہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی اس امر سے واقف ہو گئے کہ اوپر اور نیچے کوئی سمت ہی نہیں ہے بلکہ اجرام فلکی خلا میں بکھرے ہوئے ہیں اور خلاء کی وسعت عقل انسانی سے بعید ہے۔ لہذا وہ تمام عقیدے جن کے بارے میں نبوہ آزمائیاں ہوتی رہیں اور اوپر نیچے ہونے پر مباحثے چلتے رہے سب کے سب زیر و زبر ہو گئے یعنی جنت، دوزخ، اعراف، صراط، میزان، برزخ، کوثر، فرشتوں کا اوپر تلے آنا جانا، وحی، الہام اور القاء کے متعلق جتنے عقائد احمقوں نے اپنے قیاس سے قائم کئے تھے سب کا باطل ہونا اس طرح ظاہر ہو گیا جیسے روز روشن میں سورج۔ اب کوئی بھی پردھا لکھا شخص اس جھوٹ کے پلندے میں بند لا تعداد عقائد باطلہ کی طرف نگاہ اٹھانا پسند نہیں کرتا۔ ایسے سرمائے سے ملا مل روایتی اسلام آج کے باشعور زمانے میں لب گوردم توڑنے لگا ہے۔

ان غیر مرئی چیزوں کے باطل تصورات کے علاوہ ایک قتل مذمت سیاسی مفاد کے حصول کی خاطر عقائد عدالت، نبوت و رسالت و امامت اور قیامت پر بھی دست درازیاں ہوئیں جنہیں اللہ کو شریر اور جنسی بنا دیا گیا وہاں اللہ کے رسول کی تصویر ایسے رنگوں میں پیش کی کہ وہ رگیلا رسول نظر آنے لگا۔ پہلی وحی کے نزول پر آپ کے آپریشن کا محکمہ خیر افسانہ تراشا گیا نیز رحمت للعالمین ہستی کو ایسے زحمت خیز آدمی کے روپ میں پیش کیا گیا کہ عقل عیش عیش کر اٹھی۔ ان اخلاق

سوز قصوں کو دہرانے پر بھی ضمیر طامت کرنے لگتا ہے کیونکہ ان کو دیکھ کر ایک شخص فاسق بھی خود کو پیغمبر سے اچھا انسان سمجھنے لگتا ہے۔ امامت کے معیار کو دیکھ کر تو شرافت پانی پانی ہو جاتی ہے اور قیامت کے نظریوں سے عقل اپنی نظر سے محروم ہو جاتی ہے جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ دین سے منہ پھیر لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ حالانکہ دین فطرت اسلام کا ایسے رکیک امور سے رتی بھر بھی واسطہ نہیں اور اس کا ہر شعار عقل و دانش سے تطبیق رکھتا ہے۔ ہم اپنی کتب ”صرف ایک راستہ“ میں علوم جدیدہ کے تناظر میں اس دعویٰ کو پایہ ثبوت تک پہنچا چکے ہیں کہ موجودہ سائنس اسلام سے ہم آہنگ ہے۔

ملی فریضہ

قدرتی طور پر حقیقی دین اسلام پر بھی اس جسارت کا اثر ضرور پڑ رہا ہے لہذا ضروری ہے کہ متوقع جہاں سے دفاع و بچاؤ کی تدبیر کرنے میں غفلت نہ برتی جائے۔ ارباب اسلام کا خصوصاً اور عامۃ المسلمین کا عموماً یہ ملی فریضہ ہے کہ اس آفت کا سد باب کرنے میں ہر عملی جدوجہد میں فعل سرگرمی کا موثر مظاہرہ کرے۔ اس مشن میں مطلوبہ جدوجہد کا اولین قدم یہ ہے کہ تمام اہل دانش ملکر علمائے سلف کے وضع کردہ ایسے عقائد کا بغور جائزہ لیں اور تمام خلاف عقل و فطرت احقائہ عقائد اور ان کے وضائین کا مقاطعہ کیا جائے اور اسلام سے ان کی لاتعلقی کا اعلان عام کیا جائے یہ اعلان دنیا کی ہر بولی میں تمام اسلامی و غیر اسلامی ممالک میں باشندوں کی قومی زبان کو ملحوظ رکھتے ہوئے نشر کر دیا جائے نیز عوام الناس کو ان تمام اسلامی اصطلاحات کے حقیقی معنوں سے روشناس کرایا جائے تاکہ اظہار دین کا تقاضا پورا ہو سکے۔

طلب احتیاط

جب حق و باطل آپس میں گڈمڈ ہو جائیں تو گمراہی کے امکانات میں اضافہ ہونا امر ناگزیر ہوتا ہے اور متلاشی حق کے لئے مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں یہ صورت سخت احتیاط کی طلب گار ہوتی ہے لہذا ہمیں چاہئے کہ جو فکر اور اعتقادی نظریات رکھتے ہیں ان میں کسی قسم کا شک و شبہ پیدا نہ ہونے دیں۔ جب کبھی ایسی حالت جنم لے تو فوراً اس ظن یا وسوسے کا ازالہ کرنے کی کوشش کریں۔ مگر یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہمیں یقین ہو کہ ہماری ”آئیڈیالوجی“ عملی و عقلی استدلال پر مبنی ہے خبردار! دشمن زیرک و چالاک ہوتا ہے وہ ایسی چابکدستی سے مذہب پر اعتراض وارد کرتا ہے کہ ہر عام دیندار اس کے سامنے لاجواب اور مرعوب ہو جاتا ہے بالکل ویسے ہی جیسے ہم ایک پیاسے انسان کو جو پانی مانگ رہا ہو ایک ٹھنڈے شربت کا گلاس پیش کریں اور اچانک اس میں کوئی مکھی گر جائے۔ ایسے میں پیاس کے باوجود وہ پیاسا شخص شربت کے اس گلاس کو پینا پسند نہیں کرے گا بلکہ اس کو ہمارے گلہ چنانچہ بالکل اس طرح جس طرح پیاسا شخص مکھی گر جانے کی وجہ سے جام شربت نوش کرنے پر آمادہ نہیں ہے اس بات کا قوی امکان ہے کہ چند بے اصل باتوں کی موجودگی کے باعث کوئی دیندار اصلی دین ہی کو نظر انداز کر دے۔ چنانچہ ہمیں اس پہلو کو خاص طور پر مد نظر رکھنا چاہئے اور جس وقت بھی کوئی ایسا اعتراض سامنے آئے تو کسی اسلام شناس سے رجوع کر کے وضاحت پوچھ لینا چاہئے۔ لیکن اسلام شناس کی تلاش کرتے ہوئے ہمیں احتیاط و اطمینان کر لینا چاہئے کہ وہ شخص صحیح العقیدہ، پرہیزگار، باخبر، باعمل، عالم اور فاضل ہو۔

دین کی جانب میلان میں رکاوٹ

سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس تیز رو زمانے میں مادی ترقی کا بڑا اعتراف

کرتے ہوئے اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی کہ انسان ماویت سے مایوس ہو کر روحانیت کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور نظر آنے لگا ہے لیکن ثقافتی انقلابوں نے انسانی مزاج پر منطقی اثرات کے گہرے نقوش ثبت کئے ہیں۔ وہ اپنی بوکھلاہٹ انگیز مصروفیات کے زیر اثر اتنا بے پرواہ اور تعیل پسند ہو چکا ہے کہ اب اسے فلسفہ و منطق کی ثقیل بحثوں، غیر مانوس علمی اصطلاحوں اور دقیق کلیات سے آکٹاہٹ ہونے لگتی ہے۔ اس کی نزاکت پسند طبع اوق گفتگو کو بار گراں سمجھتی ہے حتیٰ کہ لچھے دار عبارت آرائیاں، ادبی قلم آزمائیاں اور دیومالائی انشاء پردازیاں بھی بوجھ فاضل ہونے لگی ہیں الفاظ کا جادو ٹوٹنے لگا ہے مینوئل (MANUAL) کی جگہ کمپوٹر (COMPUTER) لینے لگا ہے لہذا تکنیک و میکینزم کے تسلط کے اس دور میں آج کا نوجوان دو اور دو چار کے کلیے کے مطابق ہر بات کا دو ٹوک جواب طلب کرنے کی جرات رکھنے لگا ہے وہ پوچھتا ہے کہ۔

آخر مذہب کے بغیر انسان کی مادی فلاح کیوں ممکن نہیں؟ اس سوال کے تناظر میں وہ مذاہب کی تاریخ پر سطی نظر دوڑاتا ہے تو اپنے مطالعہ کی روشنی میں یہ نتیجہ حاصل کرتا ہے کہ جن قوموں نے مذہب سے جدائی یا لالعلقی اختیار کی یا اگر ضرورت دین کو تسلیم بھی کیا تو محض اخروی دنیا کی ضرورت سمجھ کر تو انہوں نے مذہب سے علیحدہ رہ کر مادی ترقی میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کی۔

مذہبی دنیا کو چیلنج

بظاہر یہ بات سچ نظر آتی ہے کہ جن قوموں نے مذہب سے بے زاری اختیار کی انہوں نے مادی میدان میں خوب ترقی کی یہ صورت حال دنیائے مذہب کے لئے عموماً ایک بہت بڑا چیلنج بن گئی ہے۔ خصوصاً اسلام کے لئے یہ آزمائش کا کٹھن مرحلہ ہے جب کہ دعویٰ اسلام یہ ہے کہ وہ ”دین و دنیا دونوں کی فلاح و

بہود کا ضامن ہے۔ " مخالفین مذہب کے نزدیک یہ بات صرف زبانی یا قلمی دعوئے
 ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے خیال میں بعثت پیغمبرؐ سے لے کر
 آج تک ایسا کوئی دور نہیں گذرا ہے جو اس دعویٰ کا واقعی ثبوت بن سکے کہ اہل
 اسلام دنیا میں تمکین، خوشحالی، سائنسی اور فنی ترقی یا ثقافتی و سیاسی بالادستی کے حامل
 رہے ہوں۔ جب کہ غیر مسلم اقوام ان میدانوں میں بہر طور آگے بڑھے ہوئے
 ہیں۔ مسلمانوں کا یہ عذر کہ اہل اسلام بد اعمالی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے ہیں اس
 بات سے مردود قرار پا جاتا ہے کہ غیر مسلم اقوام اعمال کے لحاظ سے مسلمانوں
 سے ہرگز کم برے نہیں ہیں۔ بلکہ اخلاقی جرائم، بے حیائی، ظلم، استحصال اور فریب
 کاری میں وہ حد سے بہت آگے نکل چکے ہیں پھر بھی یہ اخلاقی بے راہ روی ان کی
 راہ ترقی کو مسدود نہیں کر سکی۔

مادہ پرست کے جارحانہ شکوے

مزید یہ کہ ایک سادہ ذہن کے لئے یہ امر اور بھی تشویشناک اور قاتل تفتیش ہے کہ مذہب کے مقرر کردہ معیار کے مطابق ہر نیکوکار اس دنیا میں مصیبتوں میں گرفتار نظر آتا ہے بلکہ تمام انبیاء اوصیاء، آئمہ اور خاصانِ خدا کی زندگیوں کے حالات سے یہی تاثر ملتا ہے کہ وہ مخلص لوگ اپنی پاکدامنی اور راستبازی میں بے نظیر ہونے کے باوجود (بظاہر) ویسا ”اجر مادی“ اس دنیا میں حاصل نہ کر سکے جیسا کہ مذہبی تعلیمات میں بیان کیا جاتا ہے۔

مگر دینِ مادہ پرست یہ بھی دیکھتا ہے کہ روزِ مرہ کی معمولی زندگی میں جب ہم کسی بگڑی ہوئی چیز کی درنگی اس طریقے سے کرتے ہیں جو اس کے لئے مقرر ہے تو اس شے کا نقص دور ہو جاتا ہے اور حسبِ معمول کار آمد بن جاتی ہے۔ مثلاً ”بیماریوں کا علاج مجوزہ دواؤں سے کیا جائے۔“ تو شفاء ہو جاتی ہے اس طرح اگر زہر کھا لیا جائے تو وہ اپنا اثر ضرور دکھاتا ہے الغرض مادی بگڑی بنانے یا بنائی بگاڑنے کے جو بھی قواعد متعین ہیں انہیں بروئے کار لانے سے حسبِ خواہ نتائج برآمد ہو جاتے ہیں لیکن مذہبی تعلیمات جو فطرت کی ہم نوا ہونے کا دعویٰ بھی رکھتی ہیں جو روحانی طریقے مشکلات کو رفع کرنے کے لئے مہیا کرتی ہیں عموماً ”بے اثر ٹھہرتے ہیں۔“

بے باک نسلِ زبانِ درازی کرتی ہے کہ ایسی مایوس کن کیفیت میں جب کہ مذہب کی بتائی ہوئی ہر تدبیر الٹی ہوتی نظر آئے، اس کی تجویز کردہ ہر دوائی استعمال کرنے سے مرض بڑھتا جائے نیز اللہ کے برگزیدہ، ”محصوم“ اطاعت گزار اور پارسیانہوں کا اس دنیا میں حسرت ناک حال ہو تو لا محالہ مذہب پر سے اعتماد اٹھ جاتا ہے اس بے اعتمادی کی فضا میں عقیدت تو شاید برقرار رہے حقیقی ایمان قائم نہیں رہتا۔ خصوصاً ”دینِ پسند“ شخص کے سینے پر اس وقت تو ضرور سانپ لوٹ جاتا ہے

جب وہ دین دشمن لوگوں کو تغیر کائنات کے راہوار کی لگام تھامے زمین و آسمان کے قلابے سچ مچ ملاتے دیکھتا ہے پھر جب مذہبی تعلیم کے مطابق دعا کرتے کرتے اس کا گلا خشک ہو جاتا ہے ہاتھ شل ہو جاتے ہیں پیشانی گھس جاتی ہے آنکھیں موند آتی ہیں، چہرہ زرد پڑ جاتا ہے لیکن کچھ حاصل وصول نہیں ہوتا۔ تسبیح کام آتی ہے نہ مصلیٰ۔ مجبوراً یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دیتا ہے کہ مایوسی گناہ ہے اور اسی امید کے سہارے سسک سسک کر دم توڑ دیتا ہے احساس محرومی کا شکار بے یار و مددگار ایسے مایوس کن حالات میں سادہ لوحی میں اپنی دین پرستی کی ڈھارس یوں باندھتا ہے کہ ”لا تقنطوا من رحمۃ اللہ“ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا ابو جہل کو مسلمان نہ بنا سکی۔ حضورؐ کے داماد علی مرتضیٰؑ کے بارے میں آپؐ کی جانشینی والی خواہش شرمندہ تعبیر نہ ہوئی۔ سیدہ طاہرہؑ کی بد دعا حکومت کا کچھ نہ بگاڑ سکی امیر المومنینؑ علیؑ کے دور میں رونما ہونے والے ناخوشگوار واقعات پر امام کی تمنائوں کا خون بہ گیا۔ امام حسنؑ کو مجبوراً ”صلح کے کڑوے گھونٹ سم قاتل کی مانند پینا پڑے۔ امام حسینؑ کی آرزوئیں خاک کربلا میں مل گئیں۔ معاویہ اور یزید براجمان ہوئے بنی امیہ اور بنی عباس نے صدیوں تخت حکومت پر من مانی کی الغرض اس دھرتی پر مذہب کے ہر باغی و ظالم کے وارے نیارے ہوئے۔ ایمانی جنوں، مذہبی عجبت، اندھی عقیدت مندی، عبادات اور پوجا پاٹ اکثر دنیا میں کام نہ آئی۔ الغرض ضمیر اندر سے کہہ رہا ہے کہ یہ جذباتی اعتراضات محتاج جواب ہیں۔

عدم یزداں سے اتنے بے تکلف

بڑا دربار ہے آہستہ بولو

سبیل سکینہ

حیدر آباد لطیف آباد، یونٹ نمبر ۱۰۱

چراغ دین کے مدھم ہونے کا اندیشہ

گرای قدر تارین! نقل کفر کفر نباشد۔ مندرجہ بالا اور اسی طرح کے دیگر اعتراضات ہیں جو آج کا پڑھا لکھا نام نہاد مذہب طبقہ بڑی شد و مد سے مذہبی دنیا پر کر رہا ہے اس جارحیت کا زیادہ دباؤ اسلام پر ہے مگر شاید ان اشکال کا کوئی تشفی کن جواب نہیں دیا جاتا ہے ارباب مذہب اگر اس پر طبع آزمائی کرتے بھی ہیں تو دقیق اسالیب میں فلسفیانہ و منطقی الجھنوں میں الجھا کر اپنا علمی رعب جمانے لگتے ہیں۔ جس سے معترض نہ صرف اکتاہٹ اور مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں بلکہ مذہب سے عدم رغبتی کی خلیج میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ میرے جیسے طالب علم چھوٹے منہ سے بڑی بات کہنے کے اہلیت نہیں رکھتے علماء فضلاء خطباء اور مبلغین عدم فرصت کے عذر کا سارا لے کر اس طرف توجہ نہیں دیتے حالانکہ اس تاریک گوشے پر روشنی نہ ڈالنے سے چراغ دین کے مدھم ہو جانے کا اندیشہ موجود ہے۔

یہ محروم و شکست خوردہ مذہب دشمن طبقہ کہ جس کے نزدیک جنوں مذہب میں گرفتاری عملاً ”دنیا کی خوشیوں اور مادی لطف اندوزی سے محروم رہنے کا سبب بنتی ہے چرب زبانی کرتا ہے کہ حیات بعد از ممات کی تنحیلاتی و اعتقادی دلکشی اور رعنائی جس کا تعلق آنے والی ایک ایسی دنیا سے ہے جس کا وجود بھی مسلم نہیں ہے احمقانہ امید ہے یہ گروہ آخرت کے تصور کو عقل مندوں کی دنیا کو چھوڑ کر بے وقوفوں کی جنت کے خواب دیکھنا سمجھتا ہے بلکہ عقیدہ آخرت کو ذوق کی پستی، مایوس کی جھوٹی آس یا پھر ہوائی قلعہ کی تعمیر ٹھہراتا ہے وحی والہام، قرآن و حدیث، تفسیر و روایت اور کلام و اصول کی گفتگو سے اسے کوئی واسطہ نہیں ہے چنانچہ اس سے اس زبان، میں گفتگو کرنا بھینس کے آگے بین بجانے کے

متضاد ہے تاہم اپنی بے بضاعتی کا اعتراف کرتے ہوئے حسب استطاعت فہم ان اشکال کو رفع کرنے کی کوشش کریں گے اور زیر نظر کتاب میں ان گوشوں کو اجاگر کر کے کتب اہل بیتؑ کی تعلیمات کے سلیقہ شعار اسباق سے روشنی حاصل کر کے یہ تاریکیاں دور کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

اسلام مذہب حق ہے

آزمائش کے اس مشکل مرحلے پر جب حقانیت اسلام کے لئے ایسی دلیل کی ضرورت ہے جو اس بے راہ روی کے شکار نام نہاد ترقی پسند، ملویت پرست اور دین دشمن طبقے کی تسلی و تشفی کر سکے ہم نے اپنے مولا مشکل کشاء کو پکارا۔ امام علیؑ نے فرمایا۔ ”کیا تم نے پوری طرح سمجھ لیا ہے کہ اسلام کیا ہے؟ یہ ایک ایسا دین ہے جس کی بنیاد حق و صداقت پر رکھی گئی ہے یہ علم کا ایسا منبج ہے جس سے عقل و دانش کی متعدد ندیاں پھوٹی ہیں یہ ایک ایسا چراغ ہے جس سے لاتعداد دئے روشن ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسا بلند رہنما مینار ہے جو اللہ کی راہ کو روشن کرتا ہے یہ اصولوں اور اعتقادات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو صداقت اور حقیقت کے ہر متلاشی کو اطمینان بخشتا ہے۔“

اے لوگو! جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اپنے برترین خوشنودی کی جانب ایک شاندار راستہ اور اپنی عبودیت اور عبادت کا بلند ترین معیار قرار دیا ہے۔ اس نے اسے اعلیٰ احکام، بلند اصولوں، محکم دلائل ناقابل تردید تفوق اور مسلمہ دانش سے نوازا ہے۔ اسے جو شان اور عظمت بخشی ہے اسے قائم رکھو اس پر خلوص دل سے عمل کرو۔ اس کے معقولات سے انصاف کرو۔ اس کے احکام اور فرامین کی صحیح طور پر تعمیل کرو اور اپنی زندگیوں میں اسے اس کا مناسب مقام دو۔

منہج البلاغت

مرکزی نقطہ حیات، مخلوق اول، غایت کائنات نور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

امیرالمومنین علیہ السلام کا یہ سوال کہ ”کیا تم نے پوری طرح سمجھ لیا ہے کہ اسلام کیا ہے؟ یہ ایک ایسا دین ہے جس کی بنیاد حق و صداقت پر رکھی گئی ہے“ ہمیں معرفت دین کی جانب متوجہ ہونے کی دعوت دیتا ہے جیسا کہ ہمارا دعویٰ ہے کہ اسلام دین فطرت ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ خالق نے جب تخلیق کا آغاز فرمایا تو خود بخود سلسلہ دین کی ابتدا ہو گئی اب قدرت نے جو سب سے پہلا شاہکار تخلیق فرمایا وہ نور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہے۔ جیسا کہ مشہور حدیث قدسی ہے کہ ”اول خلق اللہ نوری“ اب اسلام کی نظریاتی بنیاد اول نور سید البشر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قرار پائی۔

مسلمان مکتبہ دیوبند کے حکیم الامت مفسر قرآن اشرف علی صاحب تھانوی روایت نقل کرتے ہیں کہ:-

عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھ کو خبر دیجئے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کون سی چیز پیدا کی۔ آپ نے فرمایا۔ اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبیؐ کا نور اپنے نور سے پیدا کیا پھر وہ نور قدرت الہیہ سے جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا سیر کرتا رہا۔ اور اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم تھا نہ بہشت تھا اور نہ دوزخ تھا اور نہ فرشتہ تھا اور نہ آسمان تھا اور نہ زمین تھی اور نہ سورج تھا اور نہ چاند تھا نہ جن تھا نہ انسان تھا پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے

معلوم ہوا کہ تمام مخلوقات کا باعث وجود و حیات اور غایت کائنات نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے لہذا زندگی پر اس کا اثر قدیم ہے اور فطرت کا نقطہ آغاز آپؐ کی ذات بابرکات ہے آپؐ کا ارشاد ہے کہ۔

”انا و علی من نور واحد“ میں اور علیؑ ایک نور سے ہیں

یہ فرمان رسولؐ حدیث نور کے نام سے مشہور ہے تمام اسلامی مکاتب کی مستند کتب میں متعدد طریقوں اور مختلف اسانید کے ساتھ اسے نقل کیا گیا ہے کتاب عبقات الانوار میں سنن طبرانی سے اس حدیث کو نقل کیا گیا ہے اور یہ آٹھ اصحاب پیغمبرؐ سے مروی ہے یعنی حضرات علیؑ، حسینؑ، سلمان فارسیؑ، ابوذر غفاریؑ، جابر بن عبد اللہؑ، عبد اللہ بن عباسؑ، ابو ہریرہؑ اور انس بن مالکؑ جب کہ حضرت عثمان بن عفانؓ، ابوسعید خدریؓ، ابوالعاصؓ، عبد اللہ بن عمرؓ عبد اللہ بن مسعود اور امام حسنؑ سے بھی یہ روایت مروی ہے۔

ابن تیمیہ نے بھی اس حدیث نور کو نقل کیا ہے۔

”عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ نبیؐ صلعم سے دریافت کیا گیا تھا کہ شب معراج اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو کس زبان میں مخاطب کیا؟ آپؐ نے فرمایا علیؑ کے لہجہ میں۔ پھر میں نے بنابر الہام پوچھا بار خدایا کیا تو نے مجھے مخاطب کیا یا علیؑ نے۔ اللہ نے فرمایا میں دیگر اشیاء کی طرح نہیں۔ میں نے تجھے اپنے نور سے پیدا کیا اور علیؑ کو تیرے نور سے خلق کیا۔ جب میں نے تیرے دل کو ٹولا تو معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ آپؐ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ لہذا اسی کے لہجہ میں آپؐ کو مخاطب کیا تاکہ آپؐ مطمئن رہیں“

(منہاج السنہ ص ۹ جلد نمبر ۳ ترجمہ روایت المنتقی ص ۴۵۸)

(احیاء السنہ گو جزائوالہ)

مرزا حیرت دہلوی نے نقل کیا ہے کہ۔

”حضرت موسیٰ کاظمؑ اپنے باپ داداؤں سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کی پشت سے پشت در پشت مجھے اور میرے ساتھ ایک اور آدمی کو رکھا ہے یہاں تک کہ ہم اپنے باپ کی پشت سے بھی ساتھ نکلے تھے۔ پھر آپؐ نے اپنی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کو ملا کے فرمایا کہ پھر اس سے میرا فضل اتنا بڑھ گیا ہے اور یہی وجہ نبوت کا ہے۔ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کون شخص ہے آپؐ نے فرمایا علیؑ بن ابی طالبؑ“

(کتاب شہادت ص ۸۲، مکتبہ جاء الحق کراچی)

علامہ محمد باقر مجلسی نے اس حدیث کو متعدد طریقوں سے نقل فرمایا

ہے مثلاً

”حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئیہ کریم (کنتم خیر امتہ اخرجت للناس تلمذون بالمعروف آل عمران نمبر ۱۱۰) کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ جو اللہ نے سب سے پہلے خلق کیا وہ میرا نور ہے اس کو اپنے نور سے اول بنایا اور اپنے جلال و عظمت سے نکالا پس وہ حجاب قدرت کے گرد طواف کرنے لگا یہاں تک کہ اسی ہزار سال میں جلال عظمت تک پہنچ گیا پھر اس نے تعظیماً خدا کا سجدہ کیا اور اس سے خدا نے نور علیؑ کو جدا کیا اور چیر کر نکالا پس میرا نور تو عظمت کو احاطہ کئے ہوئے تھا اور علیؑ کا نور قدرت کو محیط تھا پھر اللہ نے عرش، لوح، آفتاب، دن کی روشنی، آنکھوں کا نور اور عقل و معرفت اور لوگوں کے کان اور آنکھیں اور دل میرے نور سے خلق کئے اور میرا نور خدا کے نور سے مشتق ہے۔ پس ہم (میں اور علیؑ) سب سے اول ہیں۔ ہم ہی سب سے آخر ہیں۔ ہم ہی سبقت کرنے والے ہیں

اور ہم ہی تسبیح گزار ہیں اور ہم ہی شفاعت کرنے والوں سے ہیں اور ہم کلمہ خدا ہیں اور خامگان خدا ہیں اور ہم دوستان خدا ہیں اور ہم برکت خدا ہیں۔ اور ہم امین خدا ہیں اور خزینہ دار ہیں وحی خدا کے اور دربان ہیں غیب خدا کے اور ہم کان ہیں تزلزل کے اور ہم معنی ہیں تاویل کے اور ہمارے گھروں میں جبرائیل نازل ہوا اور ہم محل قدس خدا ہیں اور ہم چراغ ہائے حکمت ہیں اور ہم کلید ہائے رحمت ہیں اور ہم چشمہ ہائے نعمت ہیں اور ہم شرف امت ہیں اور ہم اماموں کے سردار ہیں اور ہم ناموس ہائے زمانہ ہیں اور نیکوکاران دہر ہیں۔ اور سرداران عباد ہیں اور ہم سیاست کنندہ بلاد ہیں ہم کفایت کنندہ ہیں اور والی ہیں اور حمایت کنندہ ہیں اور ساقی ہیں اور راہی ہیں اور راہ نجات میں اور ہم سمیل ہیں اور سلسیل ہیں اور راہ راست ہیں اور صراط مستقیم ہیں جو ہم پر ایمان لایا وہ خدا پر ایمان لایا اور جس نے ہمیں قبول کیا اس نے خدا کو قبول کیا اور جس نے ہم میں شک کیا اس نے خدا میں شک کیا اور جس نے ہم کو پہچانا اس نے خدا کو پہچانا اور جس نے ہم سے دوستی کی اس نے خدا سے دوستی کی۔ اور جس نے ہماری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور ہم وسیلہ خدا ہیں اور ملانے والے ہیں رضوان خدا سے اور ہمارے لئے عصمت اور خلافت اور ہدایت ہے اور ہم میں نبوت، ولایت اور امامت ہے۔ اور ہم معدن حکمت ہیں اور باب رحمت ہیں اور شجرہ عصمت ہیں اور کلمہ پرہیز گاری ہیں اور مثل اعلیٰ ہیں اور حجت بزرگ ہیں اور مضبوط رسی ہیں کہ جس نے اس کو پکڑا نجات پائی۔“

(بحار الانوار جلد نمبر ۲۵، ص ۲۲ الوفا بیروت ۱۹۸۳ ایڈیشن)

ابن تیمیہ، ابن روز بہان اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی وغیرہم نے حدیث نور کے بارے میں شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسے موضوع کہا گیا ہے اور بعض راویوں پر جرح کی ہے حالانکہ اس حدیث کو کم سے کم پندرہ اصحاب رسولؐ نے روایت کیا لہذا متواتر قرار پاتی ہے۔

ایک درجن سے زائد تابعین نے اس حدیث کو نقل کیا ہے پھر چودہ طبقات کے مشہور علما نے اس حدیث کو صحیح مانا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی جیسے امام نے لالی المصنوعہ کے ص ۱۶۶ پر اس حدیث کے صحیح ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ ہماری کتب عبقات الانوار، دلائل الصدق اور احقاق الحق میں حدیث نور پر تحقیقی بحث موجود ہے نیز براین الطالب فی مناقب علی بن ابی طالب کی جلد نمبر المعروف خلقت نورانیہ میں تمام شبہات کا ازالہ کیا جا چکا ہے۔

دین اسلام کے ”دو“ ستون

آدمؑ برسر مطلب قصر دین کے دو بنیادی ستون حق و صداقت جامع بشری میں محمدؐ اور علیؑ کھاتے ہیں۔ مخلوق اول ہونے کے شرف کی وجہ سے اب دین فطرت جس کا نام اسلام پسند کیا گیا، اس کی پوری عمارت ان ہی ستونوں پر تیار ہوگی۔ لہذا دین کی معرفت حاصل کرنے کے لئے اس کی بنیاد سے واقفیت ضروری قرار پائی۔ صداقت و امانت کی تصویر مجسم، نبیوں کا سردار، خاتم النبیین کے منصب پر فائز ہوا۔ آپؐ کا فرض منصبی دین اسلام کی شریعت کاملہ کو عوام الناس تک پہنچا دینا ہے نیز دین کی راہ کو ہموار کر دینا ہے۔ اب اس راستے کو سیدھا رکھنے اور اس کی گرانی و گنبدانی کرنے کا منصب دوسرے کے سپرد ہے جو وارث شریعت و صاحب شریعت ہے حق اس کے ساتھ ہے اور وہ حق کے ساتھ ہے۔ حق مڑ جاتا ہے ادھر جدھر یہ مڑتا ہے۔

”کلنا محمدؐ“ کا بے نظیر حسابی ثبوت

در اصل چہستان ہستی کی ہر شے میں شان احمدی کا ظہور ہے اس کے ہر گل اور ہر شجر میں محمدؐ کا نور منور ہے۔ اسی لئے غایت کائنات، فخر موجودات، روح مخلوقات، سراپا رحمت، سید المرسلین، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ”اولنا محمد و اخرنا محمد و اوسطنا محمد و کلنا محمد“

اس فرمان رسولؐ کو اہل ہندو کے ایک عارف بزرگ نے ایک رباعی میں نظم فرما کر قول رسولؐ کی صداقت کے حق میں ایسی حتمی دلیل پیش کی ہے جس کو توڑنا محال ہے۔ عالی قدر ہندو خدا نے حسابی کلیے کے مطابق علم الاعداد کی مدد سے دو اور دو چار ثابت کرتے ہوئے اپنی اسلام نوازی اور ارتقاء ذہنی کا بے نظیر ثبوت پیش کیا ہے یہ مایہ ناز شخصیت کبیر داس کے نام سے معروف ہیں اور برصغیر میں بھگت کبیر سے جانے پہچانے جاتے ہیں ہندوپاکستان کا بچہ بچہ ان سے واقف ہے ہندی زبان کے باکمال شاعر تھے ان کا کلام حیرت خیز، عبرت انگیز، نصیحت آمیز اور سبق آموز ہے۔ یہ ایسے مقدس بزرگ تھے کہ جب ان کا انتقال ہوا تو ہندو کہتے تھے یہ ہمارے ہیں ہم ان کی ارتھی کو جلائیں گے جب کہ مسلمانوں کا دعویٰ تھا کہ یہ مسلمان ہیں لہذا ہم دفن کریں گے دونوں گروہ اپنی اپنی ضد پر اڑے ہوئے تھے تنازعہ کشیدہ صورت اختیار کرتا جا رہا تھا کہ کسی شخص نے لاش پر سے چادر کھینچ لی تو دیکھا کہ وہاں چند پھولوں کے سوا کچھ نہ تھا پس آدھے پھول ہندوؤں نے لے لئے اور ان کی سادھی بنالی اور آدھے مسلمانوں نے لے کر ان کو دفن کر دیا۔ اس طرح تنازعہ ختم ہو گیا اور فساد کا خطرہ ٹل گیا چنانچہ کبیر داس فرماتے ہیں۔

نام لو ہر وستو کا چو گن کر لو وائے
دو ملا یو پھگن کیو اور بین بھاگ لگائے
بچے کو اب نو گن کر لو اور دو ملائے
کہت کبیر نام محمدؐ ہر وستو ماں پائے

یعنی آپؐ کا سات کی کسی بھی چیز کا نام لیجئے شاعر کے عارفانہ کلیے کی رو سے اس چیز میں سید الانبیاء رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم مبارک مضمر پائیں گے۔ اس طرح ”کلنا محمدؐ“ کی عملاً ”حسابی تفسیر ہو جاتی ہے۔ مثلاً ”جہاز“ کا نام لیتے ہیں ابجد کے حساب سے ”جہاز“ کے اعداد

سولہ ہوتے ہیں۔ اس عدد کو چار سے ضرب دیں تو حاصل ضرب چونسٹھ ہو گا اس میں دو جمع کریں تو مجموعہ چھیاسٹھ ہو گا اس کو پانچ سے ضرب دیں تو حاصل ضرب تین سو تیس آئے گا اس کو بیس پر تقسیم کیا تو باقی دس بچے۔ دس کو نو سے ضرب دیا تو نوے ہوئے اس میں دو کو جمع کیا تو بانوے بن گئے یہی ”محمدؐ“ کے اعداد ہیں۔ پس ”کلنا محمدؐ“ ثابت ہو گیا آج کمپیوٹر کے اس دور میں محمدؐ آشنا کا بنایا ہوا کلیہ جدید ایجادات یا قدیم مصنوعات کے ناموں سے حساب کر کے آزماتے جائیے انشاء اللہ کسی مقام پر خطا نہیں ہو گا۔

نقطہ بائے بسم اللہ

امیر المومنین امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

”جو کچھ قرآن کریم میں ہے وہ سورہ فاتحہ میں ہے۔ جو کچھ سورہ فاتحہ

میں ہے وہ بسم اللہ میں ہے اور جو بسم اللہ میں ہے وہ سب بائے بسم اللہ میں ہے۔

اور جو بائے بسم اللہ میں ہے وہ اس نقطے میں ہے جو ”ب“ کے نیچے ہے اور میں

وہی نقطہ ہوں جو اس ”ب“ کے نیچے ہے“

اس نقطے کی تشریح ایڈورڈ کلاؤ نے اپنی کتاب ”حروف حتمی کی کہانی“

(STORY OF THE ALPHABET) میں یوں کی ہے کہ اس

نے ایک ایک حرف حتمی کا ماخذ بتایا ہے وہ تحریر کرتا ہے کہ اہل قنقہ اور اہل

مصر ہم عصر تھے ان کے درمیان تجارتی معاہدے ہوتے تھے جن کے لئے کچھ

اشارات مقرر تھے جو بعد میں حروف حتمی بن گئے۔ مثلاً ”آکھہ کہنا ہوتا تو آکھہ کی

شکل بنا دیتے جو حرف ”ع“ سے مشابہ ہے۔ اور عربی میں عین کے معنی آکھہ

ہیں۔ ”ج“ سے مراد اونٹ لیتے یہ حرف اونٹ ہی کی شکل کا ہے۔ عربی میں جمل

اور عبرانی میں جیم اونٹ کو کہا جاتا ہے۔ یہ بیٹھے ہوئے اونٹ کی شکل ہے اور

نقطے سے مراد اونٹ کا مالک ہے جو اس پر سوار ہے اسی طرح ”ش“ سے مراد شجر

(درخت) ہے۔ جس پر دو پرندے بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک اڑ رہا ہے۔ اس طرح

وہ لکھتا ہے ”ب“ سے مراد گھر ہے اور ”ب“ کے نیچے جو نقطہ ہے اس سے مراد

گھر کا مالک ہے جو دروازے پر بیٹھا ہے۔

پس یوں سمجھ لیجئے کہ امام علیؑ فرما رہے ہیں کہ قرآن مجید میں جو کچھ

ہے اس کی ابتدا بائے بسم اللہ سے ہے یعنی (علم کا) ایک گھر ہے جس کا دروازہ

میں ہوں بس میں وہ سب کچھ جانتا ہو جو کچھ بھی قرآن کے اندر موجود ہے چنانچہ

رسول اللہؐ نے فرمایا۔ ”میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے“ کبھی ارشاد

کیا۔ میں دارالحکمت ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے“ (صحیح ترمذی) تبھی تو جناب امیر فرماتے تھے کہ ”سلونی قبل ان تفلکونی“ جو کچھ بھی چاہو پوچھ لو قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ۔

آئین اسلام

قرآن مجید دین اسلام کا آئین ہے۔ اس کا آغاز اسم الہی سے ہوتا ہے جو رحمان الرحیم ہے یعنی اسلام آئین کی شق اول صفت رحمانی و رحیمی سے متعلقہ ہے۔ صفت رحمانی مخصوص ہے باری تعالیٰ کے ساتھ۔ جس کا اثر یہ ظاہر ہے کہ ذات رحمان دنیا اور آخرت میں بلا امتیاز، نیک و بد مہربانی اور شفقت فرمانے والی ذات ہے۔ معاف و درگزر کرتی رہتی ہے۔ چنانچہ علماء کے نزدیک وہ تمام مخلوق کے لئے رحمان اور مومنین کے لئے رحیم یعنی خصوصی مہربانی کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شفقت و مہربانی کی برہان یہ ہے کہ وہ تمام عالمین میں موجودات کا پروردگار اور مربی ہے۔ اس لئے حمد خاص کا سزاوار ہے۔ فرمانبروار ہو یا نافرمان، عادل ہو یا ظالم، قوی ہو یا ناتوان، بادشاہ ہو یا گداگر، حیوان ہو یا انسان، نبات ہو یا جماد، عرشی ہو یا فرشی ہر ایک کی پرورش کا ذمہ لیتا ہے اور شکر خورے کو شکر مہیا کرتا ہے اس عطا و بھلائی کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ اپنی نعمتیں سراسر مہربانی کے طور پر ہر ایک کو بخشا ہے ہر نعمت اس کی رحمت ہے چونکہ خلاق عالمین ہے اور فاطر فطرت ہے لہذا علیم و خبیر بھی ہے۔ ہر شے میں مضمر منفعت اور مضرت کے تناسب سے واقف ہے اسے معلوم ہے کہ کسی چیز میں بھلائی کیا ہے اور اس کے کس پہلو میں برائی ہے لہذا اس نے فطری سلسلہ تخلیق کے ساتھ ساتھ اسی تمدن سے ”دین“ کا سلسلہ جاری فرمایا ان دونوں سلسلوں کو آپ گاڑی کے دو پیسے فرض کر سکتے ہیں جو ارتقائی راہ پر چلے جا رہے ہیں وہ سڑک جس پر کہ یہ

گاڑی رواں دواں ہے اسے خطرات و حوادث سے محفوظ رکھنے کے لئے اللہ نے حفاظت کا بندوبست بھی فرمایا ہے زمان و مکان کے ماحولیات کے پیش نظر انسانی فلاح و ہدایت کے لئے یعنی مسافروں کی سہولت کی خاطر خدا نے اس راستے کے رہنما اور نمبران مقرر کئے ہیں انسان کے لئے یہ راستہ دراصل جملہ نعمات خداوندی سے خاطر خواہ فوائد حاصل کرنے اور ان کے مضر اثرات سے محفوظ رہنے کے لئے بنایا گیا ہے فطرت انسان یہ ہے کہ وہ ہر حالت میں اپنا بھلا چاہتا ہے اور برے سے بچنا پسند کرتا ہے حتیٰ کہ جو لوگ برائی کا ارتکاب بھی کرتے ہیں دراصل وہ بھی اپنی دانست میں اپنا فائدہ ہی چاہ رہے ہوتے ہیں لیکن جمالت کے باعث بے راہ روی کا شکار ہو جاتے ہیں لہذا رب العالمین رحمان الرحیم کی انسان پر سب سے بڑی مہربانی یہ ہے کہ اس نے شروع ہی سے ”نفع و نقصان“ میں امتیاز ظاہر کرنے کا بندوبست اپنے ہاتھوں میں رکھا اور ضرورت و ماحول کی مناسبت سے اس سے متعلقہ ہدایت یا قوانین کی ترسیل کا ایک سلسلہ جاری کر دیا اور ان قوانین کے نفاذ کا موثر انتظام فرمایا۔ حتیٰ کہ قرآن مجید کی صورت میں ایک مکمل جامع آئین نازل کر دیا جس میں ہر خشک و تر کا علم موجود ہے اور اب کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں ہے پس یہ دستور دین فطرت اور آئین اسلام ہے۔ یہی کائنات کا منشور ہے۔ مگر کسی آئین کا کتابی صورت میں جز بند ہو جانا کافی نہیں ہوتا۔ اس کے لئے قوت نافذہ اشد ضروری ہے۔ لہذا اس کا انتظام بھی اقتدار اعلیٰ کی ذمہ داری ہے۔ رعایا کو یہ حق نہیں دیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی جمہوری رائے سے کتاب قانون کسی کے سپرد کر کے مملکت کا کاروبار چلانا شروع کر دے چنانچہ اللہ نے اپنے ارسال کردہ آئین کے نفاذ کا ایک معقول انتظام کر کے تاقیام قیامت سلسلہ امامت کا اجرا فرمایا ہے جس پر گفتگو کتاب کے آئندہ اوراق میں پیش خدمت کی جا رہی ہے۔ یہاں صرف یہ کہنا مطلوب ہے کہ خدا نے اپنے

اقتدار اعلیٰ کا اعلان ”مالک یوم الدین“ کہہ کر کیا ہے۔ اللہ نے یہاں خود کو قیامت کے دن کا مالک، یاروز آخرت کا حاکم نہیں کہا بلکہ ”یوم الدین“ کے مالک ہونے کا دعویٰ فرمایا ہے اس جملے میں قدرت نے اپنی حاکمیت و اختیار کا یہ لفظی ایسا ہیبت ناک مرقع قدرت پیش کیا ہے کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

لفظ ”دین“ کے لغوی معنی

لفظ ”دین“ کے لغوی معنی مندرجہ ذیل ہیں۔

نذیب، بدلہ، اسلام، عادت، فطرت، بارش کی جھڑی، ہلکی بارش، نرم چیز، ذلت، مرض، بیماری، حساب، باز پرس، غلبہ، اقتدار، عزت، برتری، بادشاہ، حکم، خصلت، تدبیر، توحید، تقویٰ، گنہگاری، ذہن دہی، حال، فیصلہ، تابعدار قوم

”مالک یوم الدین“ کے جملہ میں مستعمل لفظ ”دین“ بیان کردہ معانی میں سے ہر معنی میں اپنی جداگانہ معنویت کا حامل ہے جسے اس مقام پر بیان کرنا بے محل ہے تاہم روایتی معنی کی تائید میں ہم اس کا مطلب ”فیصلے اور جزا کے دن کا مالک ہے“ تحریر کرتے ہیں اور ”مالک یوم الدین“ کو آیہ شریف الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام^۱ دینا سے منسلک کرتے ہوئے وثوق سے کہتے ہیں کہ اللہ روز جزا حق و باطل کا فیصلہ اس آیہ کریمہ کی روشنی میں کرے گا یعنی اسلام کو شرف قبولیت بخشے گا اور غیر اسلام کو مردود قرار دے گا۔

استعانت

”جس کا کھاؤ اس کے گمن گاؤ“ تمام جانوں کا پروردگار بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے البتہ یوم حساب کو حساب ضرور لے گا۔ اس جہاں میں بغیر مانگے اور بن طلب کئے بھی دیتا ہے اس لئے ہم تیری بندگی کا

اعتراف کرتے ہیں۔ تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے استغاثت کے طلب گار ہیں۔ ”ایہاک نعبد وایہاک نستعین“ ہم تیری عبادت کریں یا نہ کریں دنیا کو تو نے تو بہر حال دینا ہی دینا ہے مگر عبادت کے حوالے سے ہمیں مدد خاص کی ضرورت ہے۔ تو مستعان ہے۔ وہ جس سے مدد چاہی جائے اور وہ چاہے براہ براست مدد کرے یا بالواسطہ امداد فرمائے۔ سچ ہے کہ تیرے سوا کوئی مددگار نہیں اور استغاثت کا نقطہ آخر تو یہی ہے مگر ہم میں اور تجھ میں عبد و معبود اور خالق و مخلوق کا رشتہ ہے یہ تیری عمومی سنت ہے کہ تو براہ راست کسی کی مدد نہیں فرماتا بلکہ درمیانی واسطے یا واسطے کے ذریعے استغاثت فرماتا ہے۔ تجھی تو ایسا لفظ استعمال فرمایا ہے جس میں یہ گنجائش موجود ہے کہ خواہ خود مدد کر یا اپنے کسی ذریعہ سے مدد کروا۔ اگر تیرا دعا غیر اللہ سے مدد مانگنے کو روک دینا ہوتا تو انسانی بودوباش کا تمام سلامتی ڈھانچہ اور معاشرتی نظام معطل ہو کر رہ جاتا۔ بچہ جو فطرت پر پیدا ہوا ہے اپنی ماں سے دودھ نہ مانگتا۔ اجیر آجر سے محنت طلب نہ کرتے۔ آڑے وقت میں دوست دوست کے کام نہ آتا۔ عیسیٰ بندوں سے اس طرح امداد نہ طلب فرماتے۔ ”من انصلوی الی اللہ“ اللہ کے واسطے میرا مدد کرنے والا کون ہے؟ اور حواری یہ جواب نہ دیتے کہ ”نحن انصلو اللہ“ کہ ہم اللہ کے ناصر ہیں (سورہ آل عمران) لہذا ”ایہاک نستعین“ سے مطلب اخذ کرنا کہ غیر اللہ سے مدد طلب کرنا کفر ہے انتہائی تنگ نظری اور غیر فطری فکر ہے۔ ورنہ جناب عیسیٰ علیہ السلام غیر خدا سے کیوں طالب امداد ہوتے۔

روٹی، کپڑا، مکان بغیر کسی امتیاز کے تو سب کو دیتا ہے۔ ہمیں اس
سلسلے کی مدد مطلوب نہیں بلکہ جو امداد ہمیں درکار ہے وہ یہ ہے کہ -----
صراطِ مستقیم کی پراست

صراط مستقیم

”اهلنا الصراط المستقیم“ کہ ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت فرماتارہ
یعنی سیدھی راہ پر قائم اور ثابت قدم رکھ۔ کونسی سیدھی راہ؟ ان کی راہ جن پر
تیری نعمتیں نازل ہوئیں ”صراط الذین انعمت علیہم“

سورہ یٰسٰ میں ارشاد ہوا۔ یٰسٰ و القرآن الحکیم انک لمن
المرسلین علی صراط مستقیم“ اے سید و سردار قرآن حکیم کی قسم تو مرسلین
میں سے اور صراط مستقیم پر ہے۔

ہم چند صفحات پہلے تحریر کر چکے ہیں کہ ”صراط“ راستہ ہے اور شریعت
اس راستے پر چلنے کے قواعد و ضوابط اور طریق و اطوار حفاظت و نمکبانی کو کہتے ہیں
یعنی آداب مسافرت کی گائیڈ۔ بالفاظ دیگر ”دین“ ماہیت کلیہ ہے اور شریعت راہ
عبور۔ خاتم النبیینؐ نے اتباع ملت ابراہیمی کے عین مطابق شریعت دین کلیتہً اپنی
عزت اپنے اہل بیت کے سپرد فرمائی اور قائد اہل بیتؑ سے فرمایا۔

یا علی انت میزان الاعمال و صراط المستقیم اے علی! تم میزان اعمال ہو
اور صراط مستقیم ہو۔

مغضوب و ضال

لہذا ہم اظہار بے زاری و برایت کرتے ہوئے بتی ہیں کہ اے رحمان
و رحیم رب ہمیں ان لوگوں کی راہ سے بچائے رکھنا جن پر تیرا غضب ہوا اور جو
گمراہ ہوئے۔

”غیر المغضوب علیہم ولا الضالین“ یہ دو طرح کے لوگ ہیں جن
کی راہ سے کنارہ کشی مطلوب ہے ایک ”مغضوب“ جن پر اللہ غضبناک ہوا یا
ناراض ہوا۔ یہاں یہ امکان موجود ہے کہ کبھی راضی ہوا پھر غضبناک ہو گیا اور
دوسرے وہ جو راہ مستقیم سے گمراہ رہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ صراط مستقیم پر کامرانی موجب انعام الہی ہے اور اس سے انحراف باعث غضب الہی ہے اللہ کے رسولؐ نے دو ٹوک فیصلہ فرما دیا کہ جامہ بشری میں صراط مستقیم علی علیہ السلام ہیں۔ اس مختار کو یوں بھی تقویت حاصل ہوتی ہے کہ قرآنی حروف مقطعات کے مکررات کو حذف کرنے کے بعد جو واحد یا معنی عبارت موصول ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ۔

”صراط علی حق نمسکہ“ یعنی علیؑ کا راستہ حق ہے ہم اسی پر قائم ہیں۔

اعلم امت

چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے واشگاف الفاظ میں امت کو آگاہ فرمایا ہے کہ

اعلم امتی من بعدی علی بن ابی طالب میرے بعد میری امت کا سب سے بڑا عالم علیؑ بن ابی طالب ہے۔ (کنز العمال جلد نمبر ۶)

علی وعلاء علمی۔ علیؑ میرے علم کا ظرف ہے۔ (شس الاخبار)

علی خلقون علمی۔ علیؑ میرے علم کا خزانچی ہے۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید)

اللہ جسے چاہے صراطِ مستقیم کی ہدایت کرے

صراطِ مستقیم کی جانب ہدایت اللہ تعالیٰ کا انعام خاص ہے۔ یہ عام نعمت نہیں جو ہر کسی کو مل جائے۔ اسی لیے ہر نماز میں اس کے حصول کی التماس کی جاتی ہے۔ مگر یہ منشاءِ خدا پر ہے جسے چاہے یہ توفیق بخش دے چنانچہ ارشادِ ربانی ہے کہ۔

”بے شک ہم نے روشن آیتیں نازل کی ہیں۔ اور اللہ جسے چاہے صراطِ مستقیم کی ہدایت کرے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور الرسولؐ پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت کی پھر ان میں کا ایک گروہ روگردانی کرتا ہے اور وہ ہرگز ایمان والے نہیں ہے۔“○

(سورۃ النور آیت ۴۶ اور آیت ۴۷)

محولہ بالا آیات بالکل واضح اور روشن ہیں۔ دین کی صراطِ مستقیم کی ہدایت جس کیلئے ہر مسلمان اپنی نمازوں میں روزانہ التجا کرتا ہے اللہ کی توفیق پر انحصار کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ وضاحت فرمادی ہے۔ کہ محض اللہ اور رسولؐ پر ایمان لانے اور اطاعت کرنے کا زبانی اقرار کر لینا مومن ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ نیز یہ کہ نزولِ قرآن کے عہد میں ایسے لوگ ضرور تھے جو زبانی کلامی دعویٰ ایمان کرتے تھے مگر اللہ کے نزدیک وہ ہرگز صاحبانِ ایمان نہ تھے۔ کیونکہ انہوں نے روگردانی کا ارتکاب کیا تھا۔

اعراضِ حق

ان نام نہاد صاحبانِ ایمان نے کیا روگردانی کی اللہ تعالیٰ اس کی وضاحت فرماتا

ہے۔

”اور جب وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف پکارے جاتے ہیں تاکہ

(رسولؐ) ان کے درمیان (کوئی) حکم جاری فرمائیں تو ان میں کا ایک گروہ اعراض کرتا ہے ○

اور اگر حق (فیصلہ، حکم، نتیجہ) ان کی مرضی و موافقت کے مطابق ہوتا تو وہ بڑی مسرت و فرمانبرداری کیساتھ اس (رسولؐ) کی طرف آجاتے ○

کیا ان لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے یا وہ شک میں مبتلا ہیں؟ (یقیناً) ایسا ہی ہے) یا ان کو یہ ڈر ہے کہ اللہ اور رسولؐ ان سے ناانصافی کریں گے دراصل ایسے لوگ ہی تو ہیں جو ظالم ہیں ○

(سورۃ النور آیات ۴۸ تا ۵۰)

ان لوگوں کی روگردانی یہ تھی کہ پیغمبرؐ کے ایک حکم سے اعراض کیا تھا کیونکہ حضورؐ کا وہ فیصلہ یا اعلان ان لوگوں کی آرزوؤں کے خلاف تھا۔ ان کے ظن باطل میں اللہ اور رسولؐ کا فیصلہ منصفانہ اور عادلانہ نہیں تھا حالانکہ دراصل وہ خود ظالم تھے کیونکہ جیسا فیصلہ وہ جی سے چاہتے تھے وہ مبنی بر انصاف ہرگز نہ تھا۔

حکم رسولؐ سے روگردانی راہ مستقیم کی رکاوٹ ہے

لہذا ثابت ہوا کہ حکم رسولؐ سے اعراض ایسی موذی چیز ہے جو ہدایت صراط مستقیم کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہی نہیں بلکہ ایمان کی موت کا سبب بھی ہے۔ اللہ اس مملکت مرض سے محفوظ رکھے۔

اطاعت رسولؐ موجب فلاح و کامرانی ہے

چنانچہ اس کے بعد پروردگار عالم فرماتا ہے کہ۔

”بلاشبہ ایمان والے جب اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف بلائے جاتے ہیں تو ان کا قول تو یہی ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم نے سن لیا اور ہم نے اطاعت کی اور وہی تو ہیں جو فلاح پانے والے ہیں ○

سبیل سید

اور جو کوئی بھی اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا ہے اور اس کی نافرمانی سے بچتا ہے پس ایسے لوگ ہی فائز (کامران) ہیں ○
(سورۃ النور آیت ۵۱ اور ۵۲)

ثابت ہوا کہ ایمان کی نشانی یہ ہے کہ ایماندار اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم کو سرکسر اس کی اطاعت بجالائے۔ ایسے خوش نصیب لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں یعنی صراطِ مستقیم کے راہی ہیں۔ اور اللہ کی رسولؐ کی اطاعت کرنے اور خدا خوفی و پرہیز گاری کا اجر یہ ہے کہ وہ بخت آور لوگ مقامِ کامرائی پر فائز ہوتے ہیں۔

رسولؐ کے ذمے تبلیغ ہے، آپ روگردانی کے ذمہ دار نہیں

اللہ نے اپنے رسولؐ کا فرض منصبی تبلیغ حق مقرر فرمایا ہے اور لوگوں کے اعراض و انحراف یا تعطف و روگردانی کا بار آپؐ پر نہیں ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ۔

”اور وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر تو (اے رسولؐ!) ان کو حکم دے تو وہ جہاد کیلئے ضرور نکلیں گے (اے حبیبؐ!) ان کو کہہ دو کہ تم قسمیں مت کھاؤ۔ (تمہاری) اطاعت جاچکی پرکھی ہوئی ہے۔ بے شک اللہ ان (تمام) کارروائیوں سے پوری طرح باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔“ ○

(اے رسولؐ!) کہہ دے۔ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو الرسولؐ کی پس اگر وہ روگردانی کریں تو (الرسولؐ) کے ذمے تو وہی ہے جس (فرض) کا بار اس پر ڈالا گیا ہے۔ لہذا اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔ اور الرسولؐ کے ذمے تو بس واضح طور پر پیغام (الہی) کو پہنچا دینا ہے۔ ○

(سورۃ النور آیت ۵۳ اور ۵۴)

خدا کی قسمیں کھا کھا کر زبانی کلامی اطاعت کا زعم بیکار ہے۔ کیونکہ اللہ تو دلوں کے رازوں کو خوب جانتا ہے اسے معلوم ہے کہ یہ لوگ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں حالانکہ اللہ نے ان کی اطاعتوں کو جانچ رکھا ہے۔ ان لوگوں کے منہ میں رام رام ہے مگر بغل میں چھری چھپائے رکھتے ہیں۔ جبکہ اللہ ان کے دل کے چور کو بڑی اچھی طرح جانتا ہے۔ اور ان کی تمام خفیہ سرگرمیوں اور زیر زمین کارروائیوں سے بخوبی واقف ہے۔ چنانچہ وہ اپنے رسولؐ کو حکم دیتا ہے کہ اے رسولؐ ان بد بختوں کو پھر تاکید فیصحت کر کے اتمام حجت کر دو کہ وہ اللہ کی اور الرسولؐ کی اطاعت گزاری کریں اور اگر وہ پھر بھی تیری خیر خواہانہ فیصحت پر عمل کرنے سے گریز کرتے ہیں تو جانیں جہنم میں۔ تجھے کیا۔ تو کوئی ان کا ٹھیکیدار نہیں ہے۔ اگر یہ تیرا حکم مان لیں گے تو ان کو صراط مستقیم کی ہدایت نصیب ہو جائے گی۔ ورنہ تیرا فرض منصبی تو صرف میرے پیغام کو پہنچا دینا ہے۔ باقی انجام کو پہنچانا تو میرا کام ہے۔ کیونکہ تو ان کی روگردانی کا ذمہ دار نہیں ہے۔

فاسق کون ہے؟

اطاعت رسولؐ کی تاکید اکید کے بعد اللہ اطاعت گزاروں سے اپنی نیابت عطا کرنے کا وعدہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ۔

”اللہ نے تم میں سے ایسے لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجالائے ہیں کہ وہ ان کو زمین پر اپنا خلیفہ بنائے گا جس طرح اس نے اس سے پہلے بنائے تھے اور ان کے دین کو جو کہ اس نے ان کیلئے پسند کیا ہے یقیناً“ ان کے لیے مستحکم کرے گا تاکہ ان کے خوف کو امن میں بدل ڈالے۔ بس وہ میری عبادت کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اس کے بعد جس

نے انکار کیا پس وہی فاسق (بدکار و عہد شکن) ہوں گے۔“

(سورۃ النور آیت-۵۵)

چونکہ اطاعت رسولؐ کی بجا آوری کے صلے میں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق حاصل ہوتی ہے جس سے دینِ فطرت کو تمکین حاصل ہوتی ہے لہذا ہر طرح کے خوف سے نجات ملنے کے بعد مکمل امن و سکون سلامتی اور اطمینان جیسی نعمتیں نصیب ہوتی ہیں (وہ سکون جس کی آرزو ہر انسان کو فطرۃً ہوتی ہے) اس لیے میں اللہ اطاعت گزار خدا و رسولؐ مومنین اور صالح اعمال کرنے والے ایمانداروں سے وعدہ کرتا ہوں کہ زمین پر اپنی خلافت عطا کروں گا۔ جس طرح کہ میں نے پچھلے لوگوں کو یہ اعزاز بخشا تھا۔ پھر ان کے پسندیدہ دینِ اسلام کو مکمل طور پر استحکام و لازوالی عطا کی جاوے گی اور جملہ خطرات کو دور کر کے ان کی جگہ سلامتی و امن نامہ کی عنایت ہوگی۔ بس میری عملیات کرو میرے مقابلے پر کوئی شریک نہ بناؤ چاہے تمہاری ہوائے نفس ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ اس کے بعد جو اس استخلاف کا انکار (کفر) کرے گا وہ فاسق ہوگا۔

اطاعت گزار رسولؐ کے بدلے میں رحمت

کی بخشش اور زحمت سے نجات بخشی

اطاعت گزار رسولؐ سے وعدہ استخلاف کے بعد اللہ اپنی نوازشات میں اضافہ فرماتے ہوئے ارشاد کرتا ہے کہ۔

”اور صلوٰۃ قائم کرو زکوٰۃ ادا کرو اور الرسولؐ کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم

کیا جائے۔○

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا (یعنی انکار کیا) وہ یہ گمان نہ کریں کہ زمین میں (اللہ کے منصوبے کو) ناکام بنالیں گے۔ ان کا ٹھکانہ آتش (جہنم) ہے۔ اور

بہت ہی بری جائے بازگشت ہے۔“

(سورۃ النور آیت ۵۶ اور ۵۷)

پس صلوٰۃ و زکوٰۃ کے احکام کے بعد اللہ عزوجل نے پھر الرسولؐ کی اطاعت کے حکم کو دہرایا ہے اور اطاعت گزاری کے بدلے میں رحم کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ رحمت للعالمین کی اطاعت بجالانے پر مطمح رحمت کا حصہ دار بنالیا جاتا ہے۔ اور اسے ہر طرح کی زحمت سے نجات بخش دی جاتی ہے۔

رسولؐ کا بلانا عام بلانا نہیں ہے نافرمان رسولؐ

کے لئے عبرتناک سزاؤں کا اعلان

”الرسولؐ کے بلانے کو اپنے جیسا عام بلانا ہرگز نہ سمجھو (یعنی عام بشر خیال مت کرو) بے شک اللہ تم میں سے ایسے لوگوں کو خوب جانتا ہے جو کئی کتر جاتے ہیں۔ پس جو ایسے ہیں کہ رسولؐ کے حکم کے خلاف جاتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیے۔ (کہ اس کی پاداش میں) کہیں وہ فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ اور آزمائش میں مبتلا نہ کر دیے جائیں۔ یا دردناک عذاب کی پیٹ میں نہ آجائیں۔“

(سورۃ النور آیت ۶۳)

چنانچہ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جن لوگوں نے رسولؐ غیب دانؐ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلاؤں کو نظر انداز کر کے آپؐ کے ارشاد سے چشم پوشی کی اور حضورؐ کے حکم کے خلاف گئے وہ صراط مستقیم کا نشان بھی تلاش نہ کر سکے اور رحلت رسولؐ کے بعد ایسے فتنوں اور کڑی آزمائشوں میں گرفتار کر دیے گئے جن کے بیانات کو محفوظ رکھنے کیلئے کتب میں ”کتاب الفتن“ کا طویل عبرت نامہ قلم بند کیا گیا ہے جسے ہم نوشتہ دیوار ہی کہہ سکتے ہیں۔

۱۔ سورہ نور کی آیت نمبر ۵۵ پر نور ہے اسے آیت اختلاف کہتے ہیں۔ یہ آیت اس امر کی توضیح کرتی ہے کہ شریعت ذریت رسول مقبول کے سپرد کی گئی ہے۔ اہل بیت رسول ہی رحلت پیغمبر کے بعد نبوت و رسالت اور شریعت و دین کے وارث ہیں۔ کیونکہ اللہ نے اہل ایمان اور صالحین کو خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور ان کو دین اسلام پر قدرت، تمکین اور اقتدار عطا کرنے کا عہد کیا۔ یہ موعود غائبے پر سکون ماحول اور پر امن فضا میں بلا خوف و خطر عبادت الہی بجالائیں گے اور کسی شے کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرائیں گے اب چونکہ یہ وعدہ مومن و صالح کیلئے مشروط ہے۔ لہذا اس کے ایفا کی دو صورتیں ہیں یا تو بلا تحقیق یا بلا تحقیق۔ اگر وعدہ بلا تحقیق ہے تو مستحق مومن کامل اور صالح ترین ہے۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ صف میں اول ذات حضرت خاتم الانبیاء ہی ہیں۔ اگر بلا تحقیق محض تفضلاً ہے تو بھی بلا اختلاف افضل المخلوقات حضور پاک ہی اس منصب کے حقدار ثابت ہیں اور یہ وعدہ آپ ہی کی امت کے ان مومنین سے ہے جو ایمان کے درجہ کامل پر فائز ہیں اور اعمال صالح بجالانے میں اپنی مثال آپ ہیں۔ پیغمبر کی اطاعت گزاری میں کوئی بھی ان پر سبقت نہیں رکھتا ہے۔ لہذا ایمان کل نفس رسول جو سابق الاسلام بلکہ خود امت مسلمہ ہے پیغمبر کے بعد مستحق خلافت ہے۔ آیت کریمہ میں ”ولیمکن لہم دینہم الذی ارتضیٰ لہم“ یعنی اور ان کے دین کو جو کہ ان کیلئے پسند کیا ہے یقیناً ان کیلئے مستحکم بنائے گا۔ کے الفاظ میں لفظ ارتضیٰ غور طلب ہے۔

قرآن مجید میں تین الفاظ استعمال ہوئے اصطفاء، اجباء، ارتضاء۔ جن کی تفصیلی تشریح یہاں ممکن نہیں ہے۔ مختصراً یہ ہے کہ اصطفاء ”مقا“ سے مشتق ہے۔ جس کا مطلب پاکیزگی اور صفائی ہوتا ہے۔ ”اجباء“ ”جبا“ سے جس سے مراد چین لینا اور جمع کر لینا ہوتے ہیں۔ جبکہ ارتضاء ”رضا“ سے جس کے معنی خوشنودی اور پسندیدگی ہوتے ہیں۔ یعنی ہر ایک کا اپنا جداگانہ مطلب و مفہوم ہے۔ گراٹر کا قاعدہ ہے کہ جب کسی مجرور کو مزید فیہ میں لے جاتے ہیں تو زیادتی خاصیت باب کے ساتھ جس سے اسے مقل کیا جاتے ہے معنی مصدر مٹائی باقی رہتے ہیں۔ یعنی جب صفا کو باب استعمال میں لے جا کر اصطفا کیا جائے گا تو اس لفظ ”اصطفا“ میں ”مقا“ کے معنی کو ملحوظ

رکھنا ضروری ہو گا۔ مگر یار لوگوں نے قاعدے کے خلاف ان تینوں کو ہم معنی بنا کر مطلب برگزیدہ لیا ہے۔ جس سے مفہوم میں ابہام پیدا ہوا ہے۔ قرآن مجید میں تینوں الفاظ الگ الگ معنی میں مستعمل ہوئے ہیں۔ مثلاً "لفظ اسطفاء بنی و غیر بنی دونوں کیلئے استعمال ہوا ہے جیسے "بصطفی من الملائکۃ و ملا من الناس" (الحج ۷۵) یعنی فرشتوں اور انسانوں میں سے اپنے لیے رسل مصطفیٰ قرار دیتا ہے۔ اس طرح فرمایا "ان اللہ اصطفیٰ ادم و نوحا و ال ابراہیم و ال عمران علیہ السلام" (آل عمران ۳۳) لیکن لفظ اجباء کا استعمال تمام رسولوں کیلئے بھی نہیں ہوا۔ بلکہ مخصوص کیلئے۔ فرمایا۔ "وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولكن اللہ یحبہ من رسلہ من یشاہ (العران ۱۷۹) کہ اللہ ایسا نہیں ہے کہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع کرے مگر وہ رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے جن لیتا ہے۔ پس اجباء میں سارے رسول بھی داخل نہیں ہیں۔ چنانچہ اسطفاء اور اجباء کا معنوی فرق واضح ہو گیا۔ تیسرا لفظ ارتقا ان دونوں پر فوقیت پاتا ہے، کیونکہ مخصوص ہے خاتم الانبیاء سے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔

"علم الغیب فلا یراہ علی غیبہ احدنا" الا من ارتضیٰ من رسول" (سورہ جن ۲۶ اور ۲۷) یعنی خدا عالم غیب ہے اپنے غیب خاص پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے مرتضیٰ من رسول کے واضح ہو کہ اس آیت میں "من" بیانہ نہیں ہے جس سے یہ معنی لیے جاسکتے ہوں کہ اپنے رسول مرتضیٰ کو غیب سے مطلع کرتا ہے کیونکہ اللہ نے اس کے بعد ہی فرمایا ہے۔ "فانہ یرسلک من بین یدیدہ من خافہ و صد" (الحج ۲۷) کیونکہ اللہ نے رسول کے آگے پیچھے گارڈ (حافظ و نگہبان) مقرر کیے ہیں۔ پس اگر اس سے ذات رسول ہی مراد لی جائے تو آیت کے معنی درست نہیں رہتے کیونکہ تنفیذ رعد و شاہد اپنے اوپر نہیں رکھتے بلکہ آپ شہید ہیں۔ "لنکونوا شہداء علی الناس و یکون الرسول علیکم شہدا" (البقرہ ۱۴۳) یعنی تاکہ تم لوگوں پر چشم دید گواہ ہو جاؤ۔ اور رسول تم پر گواہ ہو۔ لہذا تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اس "مرتضیٰ من رسول" سے مراد امیر المؤمنین صلح الصالحین امام المسلمین علی مرتضیٰ علیہ السلام ہیں۔ کیونکہ مرتضیٰ از جانب "رسول" آپ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ اور مرتضیٰ ان کا لقب خاص مشہور و معروف ہے کہ جس میں کسی کو کلام۔

نہیں۔ یہی دونوں طرف رصد رکھتے ہیں۔ رسول خدا تو شہید ہیں۔ جو وصول کر کے اپنے مابعد کو دیتے ہیں اور اس پر خود شہید ہوتے ہیں۔

لفظ ”سلسلہ“ کا استعمال اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ایک سلسلہ ہے جو ایک دوسرے سے وابستہ و پیوستہ ہے کیونکہ ”سلسلہ“ زنجیر کی کڑیوں کو آپس سے منسلک کرنے کو کہتے ہیں۔ مثلاً ”ارشاد ربانی ہے۔“ خذوه فاعلوه ○ ثم الجحيم صلوه ○ ثم فی سلسلتہ ذرعاها سيعون ذراعا“ فاسلکوه“ (سورۃ المائدہ آیات ۳۰، ۳۱، ۳۲) یعنی اس کو پکڑو اور اسے طوق پہناؤ پھر اسے جہنم میں جمونک دو پھر اسے ستر گز لمبی زنجیر میں جکڑ دو۔

لہذا معلوم ہوا کہ مقام ختم نبوت کے بعد سلسلہ ہدایت کا مقام امامت ہے اور بارہ امام اسی ایک سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ یہ بیان اس بات پر بھی شہادت دیتا ہے کہ صاحب العصر والزمان عجل اللہ فرجہ بارہواں امام موجود ہے کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ ان کی پیدائش بعد میں ہوگی تو سلسلہ مذکورہ متعلق قرار پائیگا اور آیت بے معنی ہو جائیگی۔

اسلام کی حقانیت کا امتحان مقصود ہو تو شرط اطاعت رسولؐ کا معیار ملحوظ رکھنا ہوگا

اس طولانی بیان کو ہم اس طرح سمیٹتے ہیں کہ اللہ کا پسندیدہ دین ”اسلام“ درحقیقت صراطِ مستقیم کی ہدایت یابی ہے ”صراطِ مستقیم“ نبی کریمؐ کی اطاعتِ مطلقہ کا راستہ ہے۔ لہذا جو کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت گزاری کے جملہ تقاضوں کو کماحقہ پورا کرے گا۔ ساری کائنات اس کی مطیع ہو جائے گی۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
(اقبال)

صرف زبان سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کر کے اور اطاعت کا خالی خولی دعویٰ کر دینے سے اسلام کی موعودہ فلاح دارین کا حصول ممکن نہیں ہے۔ اگر دین اسلام کی حقانیت کا امتحان مقصود ہو اور دین کے وعدوں کی سچائی عملی تعبیر میں دیکھنا مطلوب ہو تو پھر اس کی شرط واحد ”اطاعت رسولؐ“ کو پورا کرنا لازمی ہوگا کیونکہ۔

زبان سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں
(اقبال)

اہل بیتؑ اطہار کی پوری سیرت اور ان کا تاریخی کردار ”اطاعت رسولؐ“ کا عملی نمونہ پیش کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ اطاعت گزاری کی اس راہ عمل پر کسی دوسرے کا ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکا ہے۔ جس کی تفصیلات موقع بموقع آئندہ صفحات میں پیش کی جارہی ہیں۔ اس میدان میں اہل بیتؑ کے طرز عمل کی

لفظی تصویر مرزا غالب کے اس شعر میں نظم ہے
طاعت میں تار ہے نہ سے وانگین کی لاگ
دورخ میں ڈال دے کوئی لے کر ہشت کو

دین میں کشش ہے

کہا جاتا ہے کہ اگر اسلام دین فطرت ہے تو ”فطرت“ پر کشش ہے۔ پھر اسلام انسان کو اپنی فطری کشش سے اپنی طرف راغب کیوں نہیں کرتا؟ ہم کہتے ہیں کیوں نہیں کرتا۔ یقیناً ”کرتا ہے۔ اسلام فطیح فلاح ہے۔ ہر انسان فلاح کا متحی ہوتا ہے اس کی یہ تمنائے فلاح دراصل اسلام کی جانب رغبت ہے جسے وہ اسلام کے نام سے جانتا تو نہیں مگر فطری کشش سے متاثر ہے۔

اپنا فائدہ اور بھلائی ہر ایک کو عزیز ہے خواہ اس کا تعلق کسی بھی مذہب یا ازم یا لادینی نظریے سے ہو۔ بلکہ انسان جب کوئی برائی کرتا ہے تو اس کی محرک (مرکب کی دانست میں) کوئی منفعت یا بھلائی ضرور ہوتی ہے۔ حالانکہ ارتکاب کرنے کے باوجود وہ اس فعل کو برا ہی جانتا ہے۔ چور اپنے اقتصادی فائدے کیلئے چوری کرتا ہے مگر چوری کرنے کو کبھی اچھا کلام نہیں کہتا۔ یوں کیسے کہ مستقلات عقلیہ جو دین کے مبادی اسباق ہیں ان سے ہر عاقل واقف ہوتا ہے۔ جو فطری رغبت کی فطری دلیل ہے۔ پس کشش دین ثابت ہوئی۔

البتہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسلمانوں کی حالت زار، پس ماندگی، غفلت اور دین سے عدم دلچسپی کے باعث اسلام کی کشش متاثر ہوئی ہے۔ اگر مسلمان مادی و روحانی اعتبار سے خوش حال ہوتے تو اسلام کی جانب غیر مسلم اقوام کی رغبت یقیناً ہوتی۔ لیکن بد قسمتی سے آج ہم جو نام کے مسلمان ہیں خود اسلام کی بجائے جدید نظریات سے مرعوب ہیں۔ بلکہ غیر اسلامی ازموں پر اسلامی لیل چسپاں

کر کے اپنے دل کو بہلا رہے ہیں۔ طفلِ قلی کی خاطر ہم یہ گمان کرتے ہیں کہ ترقی یافتہ اقوام نے اسلامی تعلیمات کی روشنی سے خوش حالی حاصل کی اور جب کوئی نئی سائنسی ایجاد دیکھتے ہیں تو اپنے جی کو خوش کرنے کیلئے کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ اسلام نے اس کے بارے میں صدیوں پہلے اشارے دیے تھے جو سائنس دانوں نے اب دریافت کی ہے۔

اسلامی تعلیمات کا محور عقل و فطرت ہے قرآن سائنس کا تابع نہیں ہے

اس طرح ہم نے معکوس انداز فکر اختیار کر کے قرآن کو سائنس کے تابع بنانا شروع کر دیا ہے۔ جبکہ سائنسی مفروضے اور کلیے آئے دن بدلتے رہتے ہیں۔ حالانکہ قرآنی اصول اٹل ہیں۔ بہر طور سچ تو ہے کہ اگر مغربی دنیا نے اسلام کو اپنا رہنما تسلیم کر لیا ہوتا تو وہ یقیناً "اسے قبول کر لیتے جبکہ امر واقعی اس کے خلاف ہے۔ اسلام اور دیگر مذاہب ان کی نگاہ میں کوئی مقام نہیں رکھتے۔ شاذ کا عدم کے تحت اگر کسی مغربی مفکر نے اسلام کی تعریف میں کچھ کہا ہے تو اس کی کچھ وجہ ضرور ہے جو کم سے کم تصدیق حقانیت اسلام نہیں ہے ورنہ وہ کلمہ پڑھ لیتے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کا محور عقل و فطرت ہے جسے ہر صاحب شعور فطری طور پر پسند کرتا ہے۔

ثمرات اسلام سے محروم رہنے کی ٹھوس وجہ

بہر حال اسلام کا رفیع الشان اور عظیم المرتبت ہونا اپنی جگہ سچ ہے۔ بے شک یہ ایک عالمگیر ضابطہ حیات ہے لیکن المیہ یہ ہے کہ مسلمان اس دعوے کو اپنی تاریخ کے ایک دن سے بھی عملاً ثابت کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ تاریخ میں مسلمانوں کے عروج کے قہے اور زوال کے مریضے بہت لکھے گئے ہمیں ہر دست ان پر تبصرو منظور نہیں ہے ہمارا دعا محض یہ ہے کہ اس ٹھوس وجہ کی نشاندہی کر دی جائے جس کے باعث مسلمان انفرادی اور اجتماعی طور پر ثمرات اسلام سے محروم رہے جو صرف ایک ہے کہ ہم نے اتباع پیغمبرؐ اور اطاعت رسولؐ سے اعراض کیا۔ زبانی مسلمانی کے دعوے اور اطاعت گزاری کا عقیدت مندانہ اظہار

تو خوب کیا مگر عملاً سخت ست ٹھہرے۔

غیر مسلم اقوام کی ترقی اور مسلمانوں کی بد حالی کا سبب

یہاں یہ سوال جنم لیتا ہے کہ غیر مسلم اقوام نے تو سرے سے رسولؐ کی رسالت کو ہی قبول نہیں کیا مگر ان کی حالت اس دنیا میں مسلمانوں سے بہت بہتر ہے جبکہ مسلمان بد اعمال سبھی بے ایمان تو نہیں ہیں۔ تو مختصر جواب یہ ہے کہ وعدہ خدا ”فلاح دارین“ مومنین سے ہے کافرین سے نہیں اور غیر مسلم اقوام کی جو ترقی نظر آرہی ہے۔ وہ دور کے ڈھول سہاٹے ہیں۔ اتنی ترقیوں کے باوجود بھی وہ مطمئن نہیں۔ سکون ان کو نصیب نہیں۔ مسلسل دوڑ میں مصروف ہیں۔ حرص و ہوس کی بے چینی اور بے قراری میں گرفتار ہیں۔ خوف و خطرات میں مبتلا ہیں۔ کیونکہ انہوں نے مقصد خلقت انسان ”عبادت خدا“ کو پورا نہیں کیا ہے۔ یعنی اتنی پرعیش اور جدید بود و باش کے باوجود حقیقی سکون ان کے مقدر میں نہیں اور اسی کی تلاش میں مصروف جدوجہد ہیں۔ اللہ کا نظام ربوبیت بلا امتیاز جاری و ساری ہے رحمان کی رحمت مسلسل ہے۔ جس کی بدولت ان کی شب و روز کی محنت بار آور ہوتی ہے۔ مگر وہ ”فلاح“ اور ”انعام“ جس کا وعدہ اسلام کرتا ہے اس سے وہ یکسر محروم ہیں۔ بلکہ وہ جتنا اسے پانے کی کوشش کو تیز کرتے جاتے ہیں وہ اس سے زیادہ سبک رفاؤں کے ساتھ ان سے دور ہوتا جاتا ہے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ مسلمان اس صورت میں بھی ان سے بہتر ہے کہ اسے ایسی زحمت کشی سے نجات حاصل ہے۔ حالانکہ اگر مسلمان حقیقی اطاعت رسولؐ کی شرط کو پورا کر کے ایسی ترقی حاصل کرنے کی سعی میں اقدام کرے تو اسے اتنی مشقت و وقت اور وقت و متاع کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوگی۔ کیونکہ اطاعت رسولؐ کے عوض جو اسے اجر ملیگا وہ یہ ہوگا کہ ہر شے اس کی مطیع ہوگی لہذا جو چاہے گا

پائے گا۔

قوت بندہ مسلم

چنانچہ مطیع رسول مومن کامل بندہ مسلم کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ۔

”ان الله يحول بين المعثر و قلبه“ (الانفال ۲۴)

بے شک اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے

اس سے مستفاد ہے کہ ہر قلب کو حلقہ فوری گھیرے ہوئے ہے۔ جب

اس کا اور اک ہو جاتا ہے اور احساس بھی ہونے لگتا ہے تو بندے میں صفات الہیہ

کی جھلکیاں نظر آنے لگتی ہیں۔ اس وقت وہ مومن کامل ہوتا ہے ایسا کہ صرف

نگاہ سے تقدیر بدل دینے کی قدرت کا حامل ہو جاتا ہے۔

یا ایہا الذین امنوا استجبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم و اعلموا ان اللہ یحول

بین المعثر و قلبه و انه الیہ تحشرمن (السورة الانفال ۲۴) یعنی اے ایمان والو! (خود سے سنو)

اللہ اور رسول کا حکم بجا لاؤ جب کہ وہ (رسول) تمہیں اس چیز کی طرف بلاتا ہے جو تمہارے

لئے حیات بخش ہے۔ اور خوب جان لو کہ اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے اور

بے شک تم اس کی طرف اٹھنے کئے جاؤ گے۔

معلوم ہوا کہ اطاعت رسول کی بدولت وہ شے یعنی طاقت حاصل ہو جاتی ہے جو حیات بخش ہے

زندگی دیتی ہے۔

تشخیص مرض

اتنی مقدر نعمت سے انسان کا محروم رہنا عموماً ”افسوسناک“ ہے۔ اور مسلمان کا

مستفیض نہ ہونا خصوصاً ”حیرت ناک“ بلکہ ”شرمناک“ ہے۔ پھر حسرتناک بات یہ ہے

کہ قرآنی تعلیمات عامہ اور سنت نبویہؐ رائجہ کے مطابق اعمال بجا لانے کی

صورت میں اطاعت رسولؐ کے تقاضے کو پورا کرنے کی جملہ کوششیں بھی مراد برآری کا موجب ثابت نہیں ہو پاتیں۔ نظام مصطفیٰؐ کے نفاذ کی جدوجہد میں ملت کا اجتماعی جوش اور ولولہ، شریعت بلوں کی تیاری اور منظوری کی کاوشیں، اسلامی ریاستوں میں اسلامی دستور سازیاں، تبلیغات دین کی یلغاریں، اسلامی معاشرے کی تشکیل کا متفقہ مطالبہ، قرآن و سنت کی حکمرانی کی کوشش، انفرادی عبادات، نظام زکوٰۃ نظام صلوٰۃ الغرض صبح و شام اسلام اسلام کے نعرے بلند کرنے کی پر خلوص روش بھی مسلمانوں کی مشکل کا حل تلاش کرنے میں تادم تحریر محتاج کامیابی ہے بلکہ اس کی شدت کے ساتھ ساتھ منفی اثرات کی افزائش میں گونا گوں اضافہ ہو رہا ہے۔ حالانکہ اس سلسلے کی جدوجہد میں کارفرما نیک جذبہ ہر طرح کی بدینتی سے مبرا ہے۔ مگر بات بنتی نظر نہیں آتی۔ مرض اس قدر پرانا اور پیچیدہ ہو چکا ہے کہ صحیح تشخیص کرنا جوئے شیر لانے سے مشکل بن گیا ہے۔

تاہم مرض تو معلوم ہو گیا کہ جو کیفیات اور علامات مریض میں پائی جاتی ہیں وہ تمام کی تمام ”روگردانی“ ”نافرمانی“ ”اعراض“ ”انحراف“ از حکم رسولؐ ہے۔ ایسے رسولؐ جو طیب قلوب ہیں۔ لہذا صحیح علاج کرنے سے پہلے اس مرض میں مبتلا ہونے کے واقعی اسباب کو جاننا ضروری ہے۔

تاریخ اسلام کے چار تعجب انگیز امور

کسی مذہب کے اصلی مقصد یا نصب العین سے لوگوں کے دور ہو جانے کے علل و اسباب کو معلوم کرنے کی راہ میں ایک بڑی خطرناک رکاوٹ ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ ایسی تحریک عام آدمیوں کے طرز عمل سے متغیر نہیں ہوتی بلکہ بڑی قد آور شخصیتوں کے کردار ان کو تبدیل کرنے میں سرچ اثر رکھتے ہیں۔ جبکہ ان بااثر افراد کے اقدام پر نکتہ چینی کرنا مشکل ہوتا ہے۔ ہم اس مشکل سے پہلو تہی کرتے

ہوئے اپنے نفس مضمون کے پس منظر میں تاریخ اسلام کے چار تعجب انگیز واقعات کی جانب توجہ مبذول کرانے پر اکتفاء کریں گے۔ اس نکتے کو ذہن نشین رکھتے ہوئے مسلمانوں کے زوال اور اسلام کے تغیر کے واقعات کا جائزہ لینے کی خاطر ہم جب مسلمانوں کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو چار باتیں ہمیں در نظر حیرت میں ڈال دیتی ہیں۔

پہلی یہ کہ تاریخ گواہ ہے کہ خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد امت کی ہدایت کے لیے اپنا کوئی قائم مقام منتخب نہیں فرمایا۔ دوسری یہ کہ اسلام نے کرۂ ارض پر حکومت اسیہ قائم کرنا تجویز کیا اور اس کیلئے بڑے خوش کن اور دلکش وعدے کئے لیکن رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہونے والا حکومتی سلسلہ مختلف الاشکال رہا۔ اور اسلامی عدل و انصاف اور سماجی امن و امان کے وعدے پورے نہ ہوئے۔

تیسری یہ کہ تمکین دین کے برعکس بعد از پیغمبرؐ جو حکمران مسند نشین اقتدار ہوئے ان میں بعض ایسے طالع آزما بھی ہیں جنہوں نے اسلامی اقتدار کو مٹا دینے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔

چوتھی یہ کہ امت نے اپنے رسولؐ کی اولاد سے بدترین سلوک کر کے محسن کشی اور بے وفائی کی ایسی مثال قائم کر دی جس کی نظیر ام سابقہ میں نہیں ملتی۔ تمک با شفقین کی تاکید نبویؐ کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا۔

فساد امت کا بیج

یہ چاروں باتیں عقل و فطرت کے برعکس ہیں اور تفصیلی بحث کی طلبگار ہیں۔ جس کیلئے زیر نظر کتاب میں گنجائش دستیاب نہیں ہے۔ یہاں ہم صرف یہ عرض کرنا کافی خیال کرتے ہیں کہ ہر حیران کن امر اس وقت تک عجیب و حیرت ناک

معلوم ہوتا ہے جب تک اس کا حقیقی سبب، اس کے ماحول کی واقعی کیفیت اور اس کی ماہیت سے واقفیت نہ ہو جب اس کی وجہ منکشف ہو جائے پھر وہ امر محیر العقول نہیں رہ جاتا۔ پھر وہ دریافت کردہ اور شناختہ سبب کا قدرتی نتیجہ نظر آنے لگتا ہے۔ ہماری غیر جانبدارانہ اور آزلوانہ تحقیق کے مطابق اوپر بیان کردہ چار امور کا ایک ہی سبب ہے۔ اور چاروں باتیں ایک علت کی معلول ہیں۔ ان چاروں کا بیج ”الرسول“ کے ایک حکم کی روگردانی ہے۔

شجر خبیث کا مملک پھل

زوال امت کے اس بیج سے پیدا ہونے والا شجر خبیث بڑے تھوڑے عرصے میں بہت سرعت رفتاری کے ساتھ تناؤ درخت بنا ہے۔ اور اس کی شاخیں ساری دنیا پر سایہ کیے ہوئے ہیں۔ اس کو پروان چڑھانے کیلئے اس کی جڑوں کی ہر زانے کے مسلمانوں کا ٹھون خون درکار رہا ہے۔ شاید یہ ضرورت انتقامی جذبات و رقابت کا فطری تقاضا تھا۔ جب کہ رسولؐ نے وہ حکم بحکم خدا صادر فرما کر چٹیل میدان میں بعض امیدواروں کی آرزوؤں کا لہو بہا دیا تھا۔ بعض سیاسی وجوہات کے باعث لوگ موروثی حکومت کو ناپسند کرتے تھے اقتدار ارضی کو خاندان نبویؐ سے نکالنے کے خواہش مند تھے ان کی یہ رقابت بھی فطری ہی تھی کیونکہ دعویٰ ایمان ہونے کے باوجود ان کے اس فطری رجحان کو اندر ہی اندر فطرت حیوانی پروان چڑھا رہی تھی۔ اور وہ فریب نفس کا شکار ہو چکے تھے جس کا علاج تزکیہ نفس تھا جس پر توجہ کرنے میں غفلت سے کام لیا گیا اور ایسی سنگین غلطی کا ارتکاب کر بیٹھے جس کے مضر نتائج اور مملک اثرات نے آئندہ نسلوں کو برباد کر کے رکھ دیا۔

طیبِ قلوب کی خیر اندیشی اور امت کا عصیان

امت کے بی خواہ، رسول خدا نے اللہ کے حکم سے ایک اعلان کیا اور امت کے افضل ترین فرد کو مادی و روحانی ہدایت اور رہبری کے راہوار کی لگام سپرد فرما دی۔ مگر لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے اس حکم سے اعراض و اغماض کیا چنانچہ اس نافرمانی اور عصیان کا فطری نتیجہ یہ ہوا کہ دین کے موعودہ جملہ نعمات کو سلب کر لیا گیا۔ امت مسلمہ ایک کرناک عذاب الہی میں مبتلا ہو گئی اور اپنی غلطی کا خمیازہ یوں بھگت رہی ہے کہ دن بدن انتشار، بد حالی، پستی، بد امنی، خوف اور افلاس کے چنگل میں پھنستی جا رہی ہے اور نجات پانے کی کوئی راہ نظر نہیں آتی۔

اسلام کی دردناک کہانی

اسلام جیسے دین فطرت و معرفت کی آپ جتنی بڑی دردناک ہے۔ اس کی سطوت و شوکت کے تصور اور مسلمانوں کے حالات کا مطالعہ کرنے سے تن بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ ایک ایسا محکم اور قیم دین کی جس کی شان یہ ہے کہ وہیاں اور ملاء اعلیٰ میں اس کا رنگ جما ہوا ہے۔ پوری کائنات پر اس کا سکھ بیٹھا ہوا ہے۔ جس کی بدولت ایک خاکی پتلے کے آگے فرشتوں جیسی نوری مخلوق کی جبین نیاز جھک گئی وہ دین جس کو خود خالق نے ہر طرح کی سجاوٹ و آرائش سے آراستہ کیا اور اپنے خلیفہ ارضی حضرت آدم علیہ السلام کی معیت میں کر کے فردوس بریں سے کرۂ ارض کی جانب پھلنے پھولنے اور پھیلنے کیلئے بھیجا۔ دین کا بول بالا ایسا تھا کہ اس کا زرا سا انحراف کرنے اور تھوڑی سی اکڑ دکھانے کی پاداش میں ابلیس کو ابد الابد تک رائدہ درگاہ کر دیا گیا۔ دین کی عداوت کے باعث قاتل رسوا ہوا۔ قوم نوح کو طوفان کا مزا چکھنا پڑا۔ شداد جیسا صفت اقلیم ارم بنا کر بھی خائب و خاسر گیا۔

اللہ اللہ! دین تیری عظمت کو سلام ہو! تیری ادنیٰ سی مخالفت نے عادی و نمود جیسی دنیا کی قوی ترین قوموں کی فلک بوس عمارتوں کو تو وہ خاک بنا دیا۔ تیری چمک دمک کی حرارت میں نمود جیسا دعویٰ دار خدائی ہمیشہ جلا رہا۔ تیرا بال بھی بیکانہ ہوا۔ مگر اس کے برائے ہوئے انگارے تجھ پر پھول بگر رہے۔ حتیٰ کہ خود فی النار ہوا۔ تیرے صدقے میں صرف انسان ہی نہیں وحوش و طیور اور جنات تک پر سیلمان علیہ السلام نے حکومت کی۔ تیرے جاہ و جلال عالی مرتبے نے فرعون اور ہامان جیسے بے غیرتوں کو غرق دریائے فجالت کیا۔ اور قارون جیسے بے حمیت کو زمین میں دھنسا دیا۔

وقت کے ساتھ ساتھ تیرے کارنامے گزرتے رہے ہو سکتا ہے کہ آج کی مادہ پرست دنیا تیرے ان کارناموں کو قصہ پارینہ قرار دیں، حالانکہ ڈیڑھ ہزار برس پہلے تیرا دور دورہ اور شان و شوکت یہ تھی کہ شرق سے غرب اور جنوب سے شمال تیرا ہی جلوہ تھا۔ ساری دنیا میں تیری دھوم مچی ہوئی تھی۔ اگرچہ تو نے ایک وحشت خیز، جمالت ناک، غیر آباد سنگلاخ مقام جزیرہ نما عرب میں اپنی نشوونما کے آخری ایام کاٹے مگر بظاہر ایک نادار و یتیم سید اور اس کے اہل بیت و انصار و اصحاب نے تیری اس طرح پرورش کی کہ چند ہی دنوں میں پورے عالم میں تیرے ڈنکے بجنے لگے چار دانگ عالم میں تیرے چرچے ہونے لگے تھے۔ اور تیرے غلبے، عروج، عزت اور ترقی کے ترانے پچہ پچہ گانے لگا تھا۔ جب تو دنیا کو اپنے اظہار کی تصویری جھلکیاں دینی اور دنیوی دونوں رخوں سے دکھانے کے قابل ہو گیا۔ اور تیری تربیت کی مدت پوری ہوئی تو اللہ نے ”اکملت لکم دینکم“ فرما کر تجھے خلعت فاخرہ سے نوازا۔ رضیت لکم الاسلام دعا کے تاج سے سرفراز کیا۔ تجھے ہر نقص اور خامی سے پاک قرار دیا۔

پھر کیا ہوا؟ — خدا را کچھ نہ پوچھو۔ دشمن جل بھن گیا۔ چشم

بد سے ایسی نظر لگائی کہ دین اسلام کے نام لیوا قہر زلت میں گرنے شروع ہوئے۔
 اندھیر خدا کا کہ مسلمان کے پاس حاوی دستور العمل اور دائمی قوانین تو موجود ہیں
 جو مہد سے لحد تک اس کی رہنمائی کیلئے کافی ہیں مگر عملاً ”معطل غیر موثر اور بے
 کار نظر آنے لگے ہیں۔
 ”مسلمانان درگور اور مسلمانی در کتاب“ کہنے کی نوبت آگئی ہے۔

وہ حکم رسولؐ جس کی سرتابی کا وبال امت پر طاری ہے، کیا ہے؟

اب ہم اس حکم کی طرف رجوع کرتے ہیں جس کی سرتابی اور خلاف ورزی کرنے کا وبال پوری امت مسلمہ پر جاری ہے۔ اور مسلمان --- اقوام عالم کی قیادت و امامت کرنے کی بجائے، محکوم و مستضعف بنا، دست نگری میں اپنی بر اوقات کر رہا ہے اور غیر قومیں اپنے نشہ عروج میں اسے وحشی، بے تمیز اور غیر مہذب قرار دے رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر دل خون رونے لگتا ہے کہ اسلام --- جس نے اللہ کی رحمت بن کر دنیا میں صلح کاری، رواداری اور الفت و اتحاد کا درس دیا ہے، وہی اسلام نہیں نہیں --- اسلام والے ہیں کہ خود آپس میں لڑتے مرتے ہیں اور کسی بھی مرکز پر مجتمع نہیں ہو پاتے حالانکہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کے لاکھ سے زائد نفوس کو یکجا کر کے اس ”مرکز“ کا تعارف کروا دیا تھا جس پر قائم رہ کر مسلمان تمام دنیا پر اظہار اسلام اور غلبہ دین کا سکھ بٹھا سکتے ہیں اور دین کی موعودہ نعمات سے ہرگز محروم نہیں رہ سکتے۔

دعوت منافع

برادران اسلام!

ہجری سن کا دسواں برس تربیت و تکمیل دین کا آخری سال تھا۔ چنانچہ اکناف عالم میں یہ صدا گونجی۔

اذن فی الناس بالہجرت توکرجالا“ وعلی کل ضامرباتین من کل فج عمیق○

بشہدوا منافع لہم۔

یعنی سب انسانوں کو حج کیلئے بلاؤ تمہارے پاس دور دراز کی مسافتوں سے پیدل اور سفر کی صعوبت سے تھکی ماندی سوار یوں کے ذریعے پہنچیں گے تاکہ منافع (مادی و

بعد حضرت علیؑ نے یمن کی تمام روئیداد اور صدقات و غنائم کی تفصیلات حضورؐ کے روبرو پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اموال غنیمت اور رقوم جزیہ لشکر کے سپرد کر کے تعمیل حکم اور شوق زیارت میں آپؐ کی خدمت میں پہلے حاضر ہوا ہوں۔ سید المرسلینؑ نے حکم دیا کہ تم اپنے لشکر کے پاس واپس لوٹ جاؤ اور ان لوگوں کو لیکر جلدی کے لوٹ آؤ۔ چنانچہ امام علیؑ پلٹے تو کچھ ہی دور اپنے لشکر کو آتے دیکھا۔ جب نزدیک پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں نے بندھی ہوئی گٹھریوں میں سے نئے کپڑے نکال کر احرام باندھ رکھے ہیں۔ چنانچہ آپؑ نے مکران لشکر سے باز پرس فرمائی اور دریافت کیا کہ تم نے میری اجازت کے بغیر پارچہ جات کی تقسیم کیوں کر دی؟ اس نے جواب دیا کہ لوگوں کے اصرار کرنے پر ایسا کیا گیا ہے۔ بعد میں ان سے واپس لے لیے جائیں گے۔ امامؑ نے فرمایا۔ رسول اللہ کی اجازت کے بغیر ان کو استعمال نہیں کیا جاسکتا ہے اس لیے تمام کپڑے اتار دیے جائیں اور ان کو بحفاظت تحویل میں لے لیا جائے۔ بادل نخواستہ لوگوں نے کپڑے اتار تو دیے مگر اس بات کو ناگوار سمجھا چنانچہ جب پیغمبرؐ کی خدمت میں پہنچے تو علیؑ کا شکوہ کیا۔ جو سرکارِ دو عالم کو ناگوار گزرا۔ فرمایا۔

”اے لوگو! علیؑ کا شکوہ مت کرو۔ وہ اللہ کے معاملہ میں سخت گیر ہے“

(تاریخ طبری ج ۲ صفحہ ۴۰۲)

اپنے حکم کی عدم تعمیل پر رسولؐ رحمت رنجیدہ خاطر ہوئے

حجۃ الوداع سے پہلے دو قسم کے حج ہوتے تھے۔ ایک ”حج افراد“ اور دوسرا ”حج قرآن“ ان دونوں میں عمرہ ایک جداگانہ اور مستقل عمل کی حیثیت رکھتا ہے جو اعمال حج بجالانے کے بعد کیا جاتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حج قرآن میں قربانی کے جانور ساتھ ہوتے ہیں اور حج افراد میں قربانی کے جانور ساتھ نہیں

ہوتے۔ اس موقع پر ”واتموا الحج والعمرة للہ“ (البقرہ۔ ۹۶) کا حکم نازل ہوا کہ ”اللہ کیلئے حج اور عمرہ پورا کرو“ چنانچہ حج میں ایک تیسری قسم کا اضافہ ہو گیا جسے ”حج تمتع“ کہا جاتا ہے جس میں عمرہ جزو حج ہوتا ہے۔ جو ایام حج میں حج سے پہلے بجالایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے عمرہ بجالا کر احرام کھول دیا جائے۔ اور یوم ترویہ یعنی آٹھ ذی الحجہ کو احرام باندھ کر اعمال حج بجالائے جائیں۔ اسے حج تمتع اس لیے کہتے ہیں کہ عمرہ و حج کے درمیانی وقفہ میں احرام کی قیود اٹھ جاتی ہیں اور حالت احرام میں جو چیزیں جائز نہیں ہوتیں ان سے تمتع ہوا جاسکتا ہے۔ یہ حج ان لوگوں کیلئے ہے جو مکہ سے اڑتالیس میل یا اس سے زیادہ فاصلہ کے رہنے والے ہوں۔ حج افراد اور حج قرآن مکہ سے اڑتالیس میل یا اس سے کم مسافت کے رہائش پذیروں کیلئے ہے۔ ان دونوں میں فرق ہم اوپر بیان کر چکے ہیں

پیغمبرؐ کے ساتھ اس حج میں زیادہ تر ایسے لوگ تھے جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہ تھے۔ چنانچہ رسولؐ خدا نے انہیں حکم دیا کہ وہ حج کی نیت کو عمرہ کی نیت سے بدل لیں۔ اور عمرہ کرنے کے بعد احرام اتار دیں۔ اور حج تمتع بجالائیں مگر جن لوگوں کے پاس قربانی کے جانور ہیں وہ احرام باندھے رکھیں۔ خود حضور اکرمؐ کے ہمراہ چونکہ قربانی کے اونٹ تھے اس لیے آپؐ کا حج ”حج قرآن“ تھا۔ اور جناب امیر علیہ السلام کی نیت بھی سرکارِ دو عالم کی نیت حج کے تابع تھی لہذا دونوں نے احرام نہ کھولے۔ لوگوں نے جب حضورؐ کو احرام باندھے دیکھا تو اپنے احرام کو کھولنے میں پس و پیش کرنے لگے اور سابقہ حج کے طریقے سے مانوس طبیعتوں پر یہ نیا حکم شاق گذرا۔ چنانچہ وہ بدستور احرام باندھے رہے۔ جب خاتم الانبیاءؐ نے ان لوگوں کو تعمیل حکم سے گریز کرتے ملاحظہ فرمایا تو رنجیدہ خاطر ہوئے۔ غیظ و غضب کی شکنیں پیشانی پر نمایاں ہوئیں۔ بی بی عائشہ روایت کرتی

ہیں کہ۔

”رسول اللہ ذی الحجہ کی چوتھی یا پانچویں تاریخ کو وارد ہوئے اور غصے کی حالت میں میرے ہاں تشریف لائے۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول آپ کو کس نے غضب ناک کیا ہے؟ اللہ اس کو واصل جہنم کرے جواب دیا کیا تم کو خبر نہیں ہے کہ میں نے لوگوں کو ایک حکم دیا تھا مگر وہ تردد اور تذبذب میں پڑ گئے ہیں کہ اگر مجھے معلوم ہوتا ایسی صورت حال پیش آنے والی ہے تو میں قربانی کے جانور اپنے ساتھ نہ لاتا۔ بلکہ یہاں سے خرید لیتا اور ان لوگوں کی طرح احرام کھول دیتا۔“

(صحیح مسلم جلد نمبر ۱ صفحہ ۳۹۰)

رسول اللہ کی مخالفت جاری رہی لوگ تقیل حکم میں گریز کرتے رہے

جس طرح لوگوں نے حضور کی ظاہری زندگی میں ”ج تمتع“ کی مخالفت کی اسی طرح آپ کے بعد بھی اس کی مخالفت جاری رکھی اور حکم شرعی کے مقابلے میں اپنی ذاتی رائے کو ترجیح دی۔ جیسا کہ عمران ابن حصین کہتے ہیں۔

”ج تمتع“ کی آیت قرآن مجید میں نازل ہوئی ہے اور رسول اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا تھا اور بعد میں کوئی ایسی آیت نازل نہیں ہوئی جو ج تمتع کی آیت کو منسوخ کرتی ہو۔ اور نہ رسول خدا نے تادم وفات اس سے منع فرمایا۔ البتہ ایک شخص نے اپنی رائے سے جو چاہا کہہ دیا۔“

(صحیح مسلم جلد نمبر ۱ صفحہ ۴۰۳)

یہ شخص کون تھے؟ معلوم کرنے کے لئے صحیح مسلم حوالہ بالا کے حاشیے پر شارح مسلم نوڈی کی تحریر کا مطالعہ کیا جائے۔

بہر حال آٹھ ذی الحجہ جمعرات کے دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ جنہوں نے عمرہ کے بعد احرام کھول دیے تھے وہ احرام حج باندھ لیں پھر آپ مکے سے منی تشریف لے آئے۔ دوسرے دن فجر کی نماز کے بعد منی سے عرفات کی جانب روانہ ہوئے۔ ایام جاہلیت میں قریش نے یہ رسم بنا رکھی تھی کہ وہ مشعر الحرام پہنچ کر رک جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اہل حرم ہیں لہذا احرام سے نہیں نکلیں گے۔ البتہ دوسرے لوگ عرفات میں چلے جاتے تھے چنانچہ اہل قریش کو امید تھی کہ رسول خدا بھی منی سے نکل کر مشعر الحرام میں رک جائیں گے اور آگے نہیں بڑھیں گے مگر حکم خدا نازل ہوا کہ ”ثم افيضوا من حيث افاض الناس“ (البقرہ ۱۹۹) یعنی جہاں سے دوسرے لوگ چل کھڑے ہوں تم بھی وہیں سے چل کھڑے ہو چنانچہ اس کی تعمیل میں رسول خدا مشعر الحرام سے آگے عرفات کی طرف چل دیئے اور وہاں پہنچ کر نمروہ میں خیمہ زن ہوئے اور ظہر و عصر کی نمازیں ایک ساتھ ادا فرمائیں۔ غروب آفتاب تک وقوف فرمایا اور بعد غروب وہاں سے چل کر مشعر الحرام میں تشریف فرما ہوئے۔ اور مغرب عشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھیں مشعر الحرام میں شب ب سری کے بعد روز عید الاضحیٰ صبح کے وقت منی میں آئے۔ اور جمرہ عقبیٰ پر رمی کرنے کے بعد تیس اونٹ اپنے ہاتھ سے نحر کیے اور باقی اونٹوں کے نحر کرنے کیلئے علیؑ کو مامور فرمایا۔ جب اونٹ نحر ہو چکے تھے۔ تو ہر اونٹ میں سے گوشت کا ایک ایک ٹکڑا لیکر ایک دیگ میں پکوا یا اور حضرت علیؑ کے ساتھ ملکر اس میں سے کچھ کھایا اور بقیہ کو تقسیم کر دیا قریانی سے فارغ ہو کر سرمندوایا اور احرام کھول دیا اسی دن مکہ معظمہ پہنچ کر خانہ کعبہ کا طواف اور صفا مروہ کی سعی کی رسومات بجا لائے اور پھر منی میں واپس آگئے یہاں تیرہ ذی الحجہ تک قیام فرمایا اور رمی الجمرات کا فریضہ ادا کیا۔ جب اعمال حج سے فارغ ہو گئے تو چودہ ذی الحجہ کو مسلمانوں کی جمعیت کے ساتھ مدینہ روانہ ہوئے

رسالت ماب کا حکم۔ لوگو ٹھہرو! آگے مت جاؤ

فریضہ حج سے فراغت پانے کے بعد جب رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس مدینہ روانہ ہوئے تو کم و بیش ایک لاکھ اصحاب کا مجمع آپ کے ہم رکاب تھا۔ یہ لوگ دور نزدیک کے مختلف شہروں اور بستیوں سے آکر جمع ہوئے تھے۔ اب خوش خوش اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ بعض کو مدینہ پہنچ کر الگ ہونا تھا اور کچھ لوگوں کو راستے ہی سے اپنی اپنی منزل کی جانب علیحدہ ہو جانا تھا۔ لوگ شاداں و فرحان سفر طے کر رہے تھے۔ قافلہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ دواں دواں تھا کہ مقام جحفہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک پر خار وادی جو ”خدر“ نامی ”کھلاتی تھی“ انہیں ٹھہر جانے کا حکم دیا گیا۔ یہ رک جانے کا حکم اتنا اچانک اور ناگہانی تھا کہ لوگ حیرت سے ایک دوسرے کا منہ ٹکٹنے لگے کہ یہاں منزل

۔ شاہ اسماعیل شہید اپنی کتاب ”منصب امامت“ میں تحریر کرتے ہیں حشر کے دن لوگوں کو روک کر ان سے امامت علی کا سوال کیا جائے گا۔ قرآن مجید کے ارشاد وقفو ہم انہم مسئولون (الفاتحہ ۲۴)

زرا انہیں ٹھہراؤ ان سے کچھ پوچھا جائے گا۔ کی تفسیر میں صحابی رسول ابو سعید خدری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ لوگوں سے ولایت علی بن ابی طالب کی نسبت سوال کیا جائے گا۔ ابو نعیم نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضور نے فرمایا کہ اس آیت میں حضرت علی بن ابی طالب کی ولایت کے بارے میں سوال کیا جانا مراد ہے۔ وایلی نے فردوس الاخبار میں ’عبید اللہ امرتسی نے ارجح المطالب میں ’سیط ابن الجوزی نے تذکرۃ الخواص الامتہ میں ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں اسے نقل کر کے صحیح تسلیم کیا ہے۔ اسطیل شہید نے اسی موضوع پر اردو میں اپنی کتاب ”منصب امامت“ لکھی ہے۔ جس میں اپنے نظریہ و فکر کے مطابق اس مسئلہ پر سیر حاصل محفلگو کی ہے اور روز قیامت جناب امیر علیہ السلام کی ولایت و امامت کے سوال کو پوچھا جانے کی بھرپور تائید کی ہے۔

کیسی! کیونکہ یہ جگہ نہ تو قافلوں کے اترنے کیلئے موزوں تھی نہ گرمی سے بچنے کا کوئی سامان تھا۔ دور دور تک سائے کا نام و نشان نہ تھا۔ لوگوں نے آج سے پہلے کبھی کسی کاروان کو ایسے غیر آرام دہ مقام پر منزل کرتے نہ دیکھا تھا۔

انتظار پیغمبر ختم ہوتا ہے

مسلمانوں کے اس کاروان عظیم الشان کو اچانک روکنے کا مقصد یہ تھا کہ اللہ کا رسول امت کو خدا کے ایک اہم فیصلے سے آگاہ کر دے۔ جس کے اعلان عام کیلئے وہ مناسب موقع و محل کے منتظر تھے اور اس سے بہتر موقع کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ کچھ ہی دیر بعد یہ لاکھ سے زائد کا جلوس منتشر ہو جائے والا تھا اور پھر شاید ہی اتنی بڑی جمعیت کے یکجا ہونے کی صورت پیدا ہوتی۔ مسلمان دنیا کے ہر کونے اور خطے سے جوق در جوق آئے ہوئے تھے۔ ان کے متفرق ہو جانے سے پہلے یہ حکم خداوندی ان تک گوش گزار کر دینا ضروری تھا۔ پھر اس صحرائے بے آب و گیاہ میں اتنے انبوہ کثیر کو روک لینے میں یہ مصلحت کار فرما تھی کہ اگر حسب معمول کسی اور منزل پر قافلہ روکا جاتا تو یہ خیال کیا جاسکتا تھا۔ سفر کی ٹھکان دور کرنے اور استراحت کیلئے رک گئے تھے اور ضمناً وہاں اعلان بھی کر دیا گیا تھا۔ جس سے ایک اعلان کی اہمیت میں کمی واقع ہوئی جاتی لہذا حضورؐ نے اس فیصلے کی اہمیت کو برقرار رکھنے کیلئے ایسی جگہ کا انتخاب فرمایا جو کبھی قافلوں کی فرودگاہ نہ رہی تھی تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ اس مقام پر روکنے کا مقصد آرام نہیں بلکہ معاملے کی اہمیت کا تقاضا یہ ہے کہ چاہے کتنی تکلیف برداشت کرنا پڑے اس پتے میدان میں چلتے کاروان کو روک لیا جائے اور سب کو اللہ کے فیصلے سے مطلع کر دیا جائے۔ اور فیصلہ خاتم النبیینؐ کی نیابت اور جانشینی کے متعلق تھا۔

رسول خدا کو تحفظ الہی ملتا ہے

یوں تو پیغمبر کے عمومی طرز عمل اور تائیدی ارشادات سے ہر کوئی یہ نتیجہ اخذ کر سکتا تھا کہ آپؐ کس کو اپنا ولی عہد مقرر کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ دعوت ذوالشیرہ کے محدود دائرہ میں، غزوہ تبوک کے موقع پر اور تبلیغ سورہ توبہ کے وقت حضورؐ کی زبان سے مختلف پیراؤں، واضح اشاروں، آسان کتابوں اور واشگاف فرمانوں سے ہر غیر جانبدار اور انصاف پسند شخص یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور تھا کہ آپؐ اپنے بعد اپنے نفس حضرت حیدرؒ کرار کو اپنا خلیفہ بنانے والے ہیں مگر دوسری جانب آپؐ یہ بھی ملاحظہ فرما رہے تھے بعض لوگوں کی زبانیں خواجواہ علیؑ کے خلاف شکوہ ریز رہتی ہیں اور آپؐ کے معمولی منصب پر بھی ان کے دل کباب ہو جاتے ہیں۔ کدورتیں چہروں پر کھل جاتی ہیں بھلا وہ کیوں کر خوش دلی سے یہ فیصلہ قبول کریں گے۔ چنانچہ حبیبؑ خدا ان مخالف عناصر کی سرگرمیوں سے خالی الذہن نہ تھے۔ وہ چہروں کے آثار سے دلوں کی کیفیت بھانپ رہے تھے اور ان کی سرگرمیوں، حرکتوں اور رویوں سے ان کے ارادوں کو خوب سمجھ رہے تھے کہ یہ مخالفت اور مزاحمت کیے بغیر نہیں رہیں گے۔ ہر ممکن طریقے سے روڑے انکائیں گے۔ چنانچہ مزاج شناس قدرتؑ رسول غیب دان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ اللہ کی جانب سے مخالفین کے شر سے تحفظ کا ذمہ لیا جائے۔ اور پھر اس فیصلے کا اعلان عام نشر کیا جائے۔ چنانچہ سورہ الم نشرح میں نازل ہدایت فراغت اور نصب امام کو عملی جامہ پہنا دینے کا وقت آگیا۔ مشکل کشاء زمانہ کے بارے میں ربی مشکل کشا کی مشکل کو حل المسکلات خدا نے حل فرما دیا اور اپنے رسولؐ کو حکم دیا کہ۔

يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالتك

والله بعصمكم من الناس ان الله لا يهدي قوم الكافرين ○

اے رسول! تمہارے رب کی طرف سے جو حکم تم پر اتارا گیا ہے اسے پہنچا دو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو گویا رسالت کا کوئی کام ہی نہیں کیا اور اللہ (ہر حالت میں) تم کو لوگوں کے (ہر طرح کے) شر سے بچائے گا۔ بے شک اللہ انکار کرنے والی قوم کو ہدایت نہیں بخشتا۔

(المائدہ - آیت ۶۷)

علاوہ جماعت صحابہ کے صحابی حضرت ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ یہ آیت غدیر خم میں علیؑ بن ابی طالب کے بارے میں رسول خدا پر نازل ہوئی (فتح القدیر علامہ قاضی شوکانی جلد نمبر ۳ صفحہ ۵۷)

جلسہ غدیر

اعلان ولایت امیر المومنین علی ابن ابیطالب
حی علی خیر العمل کی صدائیں گونجنے لگیں

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس تہدید آمیز حکم کے بعد تاخیر کی گنجائش نہ رکھتے تھے لہذا فوراً "سواری پر سے اترے۔ ہمراہی بھی اتر پڑے۔

"حی علی خیر العمل" کی آواز پر آگے بڑھ جانے والے پیچھے پلٹے پیچھے رہ جانے والے تیزی سے آگے بڑھنے لگے اور تمام مجمع سمٹ کر یکجا ہو گیا۔ کڑکٹی دوپہر کا وقت، چلچلاتی دھوپ، بادِ سوم کے جھلسا دینے والے جھونکے، جلتا ہوا ریگستان، آفتاب کی تمازت اور گرمی کی شدت چند بہول کے درختوں کے علاوہ نہ کہیں سبزہ نہ سایہ۔ صحابہ نے عبائیں کندھوں سے اتار کر پیروں کے گرد لپیٹ لیں اور اس جلتی ہوئی زمین پر ہمہ تن گوش بن کر بیٹھ گئے۔ شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹوں کے کجاوے جمع کروا کر بہول کے دو درختوں کے درمیان ایک منبر تیار کروایا۔ زیب منبر ہو کر فرمایا۔ مسلم شریف کے مطابق یہ ہے کہ۔

"رسول خدا! مکہ اور مدینہ کے درمیان اس تالاب پر جو خم کھلاتا تھا۔ خطبہ دینے کیلئے کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد ثنا اور پند و تذکیر کے بعد فرمایا۔ اے لوگو! میں ایک بشر بھی تو ہوں۔ وہ وقت دور نہیں ہے کہ میرے رب کی طرف سے پیغام رسال آئے اور میں اس کی آواز پر لبیک کہوں۔ (دیکھو) میں تم میں دو گر انقدر چیزیں چھوڑتا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب جس میں نور و ہدایت ہے لہذا کتاب خدا کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور اس کے ساتھ وابستہ رہو۔ آپ نے اللہ کی کتاب سے تمسک پر زور دیا اور اس کی جانب رغبت دلائی۔ پھر فرمایا دوسرے میرے اہل بیت ہیں۔ میں تمہیں اہل بیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں میں تمہیں اہل بیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں۔ میں تمہیں اہل بیت کے بارے میں

میں اللہ یاد دلاتا ہوں۔

(صحیح مسلم جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۲۷۷)

سہ باری اقرار

ان تمہیدی کلمات کے بعد تین مرتبہ بلند آواز سے فرمایا۔

”الست اولیٰ بکم منکم ہاںفسکم؟“ کیا میں تم پر خود تم سے زیادہ حق تصرف نہیں رکھتا؟

تمام حاضرین نے ہم آواز ہو کر جواب دیا ”اللہم ہلی“ بے شک ایسا ہی ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے اپنی اولویت اور حاکمیت کا اقرار لے لینے کے بعد علیؑ کو بغلوں میں ہاتھ دیکر اوپر اٹھایا۔ اور فرمایا۔

”اے لوگو! اللہ میرا مولا ہے۔ اور میں مومنین کا مولا ہوں۔ اور میں ان نفوس سے زیادہ ان پر حاکم و متصرف ہوں۔ یاد رکھو کہ جس جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ بھی مولا ہے۔ یا اللہ دوست رکھ اسے جو اسے دوست رکھے۔ اور دشمن رکھ اسے جو اسے دشمن رکھے۔

(صواعق محرقة ابن حجر کی صفحہ ۴۱)

جس جس کا میں مولا اس اس کا علیؑ مولا

۱ علامہ ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ

”قل یوم غدیر خم من كنت مولاه فعلى مولاه اللهم وال من والاه وعاد من عاداه“ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روز غدیر خم فرمایا جس جس کا میں مولا ہوں اس اس کا علیؑ مولا ہے یا اللہ! جو اسے دوست رکھے تو اس کو دوست رکھ جو اس کو دشمن رکھے تو اس کو دشمن رکھ۔ (استیعاب فی معرفۃ الاصحاب۔ جلد نمبر ۲ صفحہ ۳۶۰)

مبارکبادیاں

چنانچہ اس اعلان عظیم کے بعد حضور اکرمؐ منبر سے نیچے تشریف لائے۔ نماز ظہر باجماعت ادا کی گئی اور رسول خداؐ اپنے خیمے میں چلے گئے۔ لوگوں کو حکم دیا کہ وہ گروہ در گروہ علیؑ کے خیمے میں جائیں اور ان کو اس منصب ارفع پر فائز ہونے کی مبارکباد پیش کریں۔ چنانچہ صحابہ نے تہنیت و تبریک کے کلمات کہے۔

امہات المؤمنین اور دوسری خواتین نے بھی اظہار مسرت فرماتے ہوئے ہدیہ مبارکباد پیش کیا۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے اس موقع پر خصوصی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

”ہنیالک ہا بن ابی طالب اصیبت وامسیت مولی کل مومن ومومنتہ“
مبارک ہو اے ابو طالب کے فرزند! کیسی اچھی صبح کی کہ تمام مومنوں اور مومنات کے مولا بن گئے۔

(مسند احمد ضعیف جلد نمبر ۳ صفحہ ۲۸۱)

تکمیل دین کا مژدہ

اوپر مبارکبادیوں کا سلسلہ جاری تھا اوہرا میں وحی حضرت جبرائیل علیہ السلام فرحاں و شادان نازل ہو کر تکمیل دین اور اتمام نعمت کا روح پرور مژدہ سننے کا اعزاز پاتے ہیں۔

”الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام
دینا“ (المائدہ نمبر ۳)

یعنی آج میں نے تمہارے دین کو (ہر لحاظ و اعتبار سے) کامل کر دیا اور تم پر اپنی

نعت پوری کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا۔
 ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ نے یوم غدیر خم
 حضرت علیؑ کو اپنی جگہ پر نصب کیا اور ان کی ولایت کا اعلان کیا تو جبرائیل آیہ
 الیوم اکملت لکم دینکم لیکر حضورؐ پر نازل ہوئے۔
 (تفسیر در منثور جلد نمبر ۲ صفحہ ۲۵۹ علامہ جلال الدین سیوطی)

واقعہ غدیر مسلم اور متواتر ہے۔

یوم غدیر کا یہ یادگار واقعہ مسلم متواتر اور ہر طرح کے شک و شبہ سے
 بالاتر ہے۔ اسلامی مکتب میں تاویلی اختلاف تو پیدا ہوا ہے مگر پوری امت نے
 اصل واقعہ اور الفاظ حدیث پر اتفاق کیا ہے۔ امت کے ہر طبقے کے محدثین اور
 علماء نے اس بات کو بلا قیل و قائل تسلیم کیا ہے کہ پیغمبرؐ نے ایک عظیم الشان اجتماع
 کے اندر اپنی حاکمیت اور اولویت کا اقرار لینے کے بعد فرمایا کہ جو مجھے اپنا مولا سمجھتا
 ہے وہ علیؑ کو بھی اپنا مولا سمجھے لیکن لفظ ”مولا“ کو حسب پسند معنی دیکر اصل
 حقیقت اور واقعی معنی و مفہوم کو اوجھل رکھنے کی کوشش کی گئی۔ کیونکہ اگر اسے
 مان لیا جاتا کہ بروئے حدیث جو حیثیت رسولؐ کی امت سے ہے بعد از پیغمبرؐ وہی
 حیثیت علیؑ کی ہے تو پھر سقیفہ بنی ساعدہ کی کارروائی کا کوئی جواز نہ رہتا۔ چنانچہ کبھی
 یہ کہا گیا کہ مولا کے معنی دوست ہیں اور کبھی کہا مولا کا مطلب ناصر و مددگار ہے۔

مولا کے معنی میں بے معنی ابہام

لیکن ہر صاحب عقل کیلئے یہ بات ضرور قابل غور ہے کہ ایک جلتے ہوئے
 صحرا میں لاکھ کے مجمع کو جو اپنے اپنے گھروں کو پہنچنے کیلئے بے تاب ہے یوں اکٹھا

کرنا کہ آگے نکل جائے والوں کو پیچھے بلوانا، پیچھے رہ جانے والوں کا انتظار کرنا، کانٹوں بھری زمین کو صاف کرنا، پالانوں کو جمع کر کے منبر بنانا، اتنے بڑے اجتماع کو تکلیف دینا کہ گرمی کے باعث ان کو اپنی عبا ئیں پیروں تلے رکھنا پڑیں۔ اپنے اولیٰ بالتصرف ہونے کا سہ بارہ اقرار لینا یہ ساری زحمت کشی اور تکلیف دہی محض اس وجہ سے تھی کہ لوگوں کو یہ کہہ دیا جائے کہ جس کا میں دوست ہوں علیؑ بھی اس کا دوست ہو گا یا یہ کہ جس کا میں ناصر و مددگار ہوں اس کا علیؑ بھی ناصر و مددگار ہو گا ذرا بھی دماغ رکھنے والا شخص یہ باور کرنے پر آمادہ نہیں ہو گا کہ یہ اہتمام و انصرام خصوصی صرف اتنی سی بات کیلئے کیا گیا تھا۔ یہ تاویل خود رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تنقیص و تفسیر کا باعث بنتی ہے۔ کیونکہ اللہ تو پہلے فرما چکا تھا کہ ”وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ“ (التوبہ ۷۱) اور ایمان دار مرد اور عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اس آیت کی موجودگی میں دوستی جتانے کیلئے اتنے بڑے جلسے کا انعقاد کرنا بالکل عبث ٹھہرتا ہے۔ پھر ان لوگوں سے علیؑ کی رسول خداؐ سے دوستی اور وابستگی ہرگز پوشیدہ نہ تھی۔ ایام طفلی سے نصرت اسلام کے مشہور حیدری کارنامے کسی سے ڈھکے چھپے نہ تھے۔ نیز یہ کہ بات دوستی، نصرت اور مددگاری کی تھی تو پھر اس کیلئے اپنی حاکمانہ حیثیت منوانے کی کیا ضرورت تھی؟ جب ان زاویوں سے لفظ ”مولا“ کے معنی پر غور کیا جائے گا تو بلاشبہ دوست، مددگار اور ناصر کے مطالب بے معنی ہو جائیں گے۔

اور پھر یہ کہ رسول خداؐ کو نصرت و دوستی کا اعلان فرما دینے میں کیا خطرہ لاحق ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ“ کہ اللہ تجھے لوگوں کے شر سے بچائے گا۔ اب یہ خطرہ خارجی یا بیرونی ہو نہیں سکتا کیونکہ تمام بیرونی خطروں کا انسداد کیا جا چکا تھا، اگر خطرہ تھا تو داخلی اور اندرونی جو اسی صورت میں ممکن ہو سکتا تھا جب پیغمبرؐ کا اعلان کسی گروہ کے سیاسی مصلح سے متضام ہوتا

اور ظاہر ہے دوستی و نصرت کا اعلان اس خطرے کو دعوت نہیں دے سکتا تھا۔
 لہذا تمام قرآن و شواہد ثابت کرتے ہیں کہ اس مقام پر لفظ ”مولا“ کے معنی
 حاکم و متصرف کے ہیں۔ اور جس طرح سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
 ولایت و حاکمیت کا اقرار ضروری ہے اسی طرح علیؑ کی ولایت و حاکمیت کا اقرار بھی
 لازمی ہے۔ اسی لیے رسولؐ خدا نے بھی مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے پہلے خود
 اپنی حاکمانہ اور متصرفانہ حیثیت کا اقرار لیا تھا ورنہ اس کی ضرورت ہی نہ تھی۔ پھر
 صحابہ کی مبارکبادیاں اس امر کی دلیل ہیں کہ کسی نمایاں اعزاز کا اعلان ہوا ہے جو
 تبریک کا محل رکھتا ہے اگر حق پسندی سے کام لیا جائے اور جنبہ داری سے ہٹ کر
 انصاف کیا جائے تو بلاشک و شبہ یہ اعلان عام اسی اعلان مخصوص کی صدائے
 بازگشت تھا جو آج کے واقعہ غدیر سے بیس سال قبل دعوت عبیرہ کے ایک محدود
 حلقے میں کیا گیا تھا کہ۔

”ان هذا اخي و وصي و خليفتم فيكم فليسمعوا و اطيعوا“

بے شک یہ میرا بھائی میرا ولی عہد اور میرا جانشین ہے اس کی سنو اور اطاعت کرو
 (تاریخ کامل ابن اثیر جلد نمبر ۲ صفحہ ۴۲)

ولایت علویہ

اعلان غدیر کی بنیادی حیثیت، اقرار ولایت علویہ اصل دین ہے

المختصر اس اعلان عام سے نہ صرف مسئلہ خلافت واضح ہو جاتا ہے بلکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام تبلیغات و تعلیمات میں اس اعلان اور حکم کی اہمیت اور بنیادی حیثیت بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔ اس کا بھرپور اثر پوری اسلامی آئیڈیالوجی میں سرايت کرتا ہے۔ اگرچہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت سے ہجرت تک اور ہجرت سے حجۃ الوداع تک ان تمام احکام خدا کی تبلیغ فرمائی جو وقتاً فوقتاً آپ پر نازل ہوتے رہے اور مسلمان ان احکامات پر عمل بھی کرتے رہے چنانچہ وہ نمازیں پڑھتے، روزے رکھتے، زکوٰۃ دیتے اور جہاد میں شرکت کرتے حج کے موقع پر امد کر آئے مگر اس سب کچھ ہونے کے باوجود آیہ قرآنی **وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَغْتَ رِسَالَتَهُ** اور اگر تم نے یہ نہ کیا تو گویا تم نے کوئی پیغام پہنچایا ہی نہیں، سے روز روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ اس آخری تبلیغ کے بغیر تمام احکامات کی تبلیغ نا تمام، غیر مکمل بلکہ کالعدم تھی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکم کی تبلیغ کو دوسرے حکم کی تبلیغ پر موقوف نہیں رکھا۔ مگر اس موقع پر حضور کی تیس سالہ تبلیغ کو صرف ایک خاص تبلیغ پر منحصر کیا گیا ہے اس طرح کہ اگر یہ تبلیغ نہ ہوتی تو دین نا تمام رہ جاتا اور کار نبوت پایہ تکمیل کو نہ پہنچتا۔ اس سے دو باتوں کا یقین ثبوت حاصل ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ اس حکم کی حیثیت اسلام میں اصل و اساس ہے یعنی اصول دین میں داخل ہے۔ اور دوسرے اعمال و احکام کی حیثیت فروع کی ہے۔ اور جس طرح بنیاد کے بغیر دیواروں میں مضبوطی پیدا نہیں ہوتی اور جڑ کے بغیر شاخیں نہیں پھلتی پھولتیں اس طرح اس آخری تبلیغ کے بغیر رسالت نا تمام رہتی اور دین اتمام و اکمال کو نہ پہنچتا۔ پس

رسالت کو اگر اصول میں شمار کیا جاتا ہے تو جیسے ”تکملہ رسالت“ قرار دیا گیا ہے۔ اسے بھی اصول میں داخل ہونا چاہیے۔ اور دوسرے یہ کہ جب اس امر کے نہ پہنچانے کے نتیجے میں تمام احکام کا پہنچا دینا نہ پہنچانے کے برابر ہو جاتا ہے تو اس امر کے نہ ماننے کی صورت میں ان تمام احکام کا سیکھنا اور اعمال کا بجالانا بے نتیجہ ثابت ہوگا۔

یوم غدیر یوم تکمیل الدین ہے

مالک یوم الدین، حاکم یوم الحساب، الرحمن الرحیم، رب العالمین نے روز غدیر کو یوم تکمیل الدین اور روز اتمام نعمت قرار دیا ہے۔ اگر یہ دن طلوع نہ کرتا تو رسالت کی دنیا اندھیرہ جاتی۔ دنیا والے نعمت سے محروم رہتے۔ صراط مستقیم کج رہ جاتا، گمراہی محتاج ہدایت رہتی۔ ہدایت صحتی پھرتی اور حق بے قرار رہتا۔ مکتب اہل بیت کی تعلیمات کی روشنی میں یہ بڑا روشن دن ہے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ بے حد مبارک روز ہے۔

روز عید غدیر ستاروں میں چاند ہے

امامؑ نے فرمایا۔

”روز قیامت عرش خدا کے سامنے چار ایام ایسی زینت و زیبائش سے ظاہر کیے جائیں گے جس طرح کسی دلہن کو سجایا جاتا ہے۔ ایک روز جمعہ المبارک، دوسرا روز عید الفطر، تیسرا روز عید قربان اور چوتھا روز عید غدیر۔ اور ان سب دنوں میں عید غدیر کا دن ایسا ہوگا کہ جیسے ستاروں میں چاند ہوتا ہے“

فضائل یوم غدیر

یہ دعاؤں کے قبول ہونے کا دن ہے۔ پاکیزہ، عمدہ اور صاف ستھرا لباس پہننے کا دن ہے۔ محمد و آل محمد علیہم السلام پر درود و سلام بھیجنے کا دن ہے گناہوں کے ترک کرنے کا دن ہے۔ اللہ کی عبادت اور شکر گزاری کا دن ہے۔ یہ وہ دن ہے کہ جس میں ایک مومن دوسرے مومن کا چہرہ دیکھ کر تبسم کرے تو خداوند رحمان و رحیم اس پر رحمت کی نظر فرماتا ہے۔ اس کی حاجت روائی کرتا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ اس دن مومنین ایک دوسرے سے معافہ و مصافحہ کریں اور

یہ کلمات کہیں ”الحمد لله الذی جعلنا من المتمسکین بولایتہ امیر المومنین
والانتم المعصومین علیہم السلام“

یہ عید ہے تو تمام مسلمانوں کی مگر خوش قسمتی سے منانے کا اعزاز ہمارے
حصے میں آیا ہے۔ ”علماء کے نزدیک اسی دن تمام انبیاء نے اپنے اپنے جانشین بحکم
خدا مقرر کر کے اعلان کیا تھا“

(جامعہ عباسی اور اختیارات مجلسی)

اعلان غدیر کی مخالف جماعت کے نمائندے کی بے باک ترجمانی

قرآن مجید میں مسلسل اتباع رسول اور اطاعت پیغمبرؐ بجالانے کی تاکید و
خصوصی تلقین کی گئی ہے۔ سورہ نور کی آیات ۴۶ تا ۵۷ء ہم نے اپنے گزشتہ بیان
میں نقل کی ہیں اور آیت استخلاف پر خصوصی حاشیہ سپرد قلم کیا ہے ہم اس
ضروری اور قاتل غور نکتے کی طرف توجہات کو مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ اللہ کا
تکراری اصرار کہ اس کے رسولؐ کی فرماں برداری کرو اور روگردانی سے باز رہو از
خود ثابت کرتا ہے کہ عہد رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جماعت
المسلمین میں کچھ لوگ ضرور ایسے تھے جو اللہ کے رسولؐ کی حکم عدولی کا ارتکاب
کرتے تھے۔ حتیٰ کہ وادی عقبیٰ میں آپؐ پر قاتلانہ حملہ کرنے کی مذموم جرات
بھی کر لی گئی۔ علیؑ کے کھلے اور پوشیدہ مخالفین بھی تھے جیسا کہ آپؐ نے گزشتہ
اور اہل بیت میں ایام حجتہ الوداع کے موقعہ کی ایک مثال ملاحظہ فرمائی ہے یہ مخالف
جماعت سیاسی اعتبار سے کچھ مضبوط بھی ہو چکی تھی۔ مگر ایک امید پر وہ اپنی
سرگرمیاں زیر زمین رکھنا حکمت عملی خیال کرتی تھی۔ تاہم اعلان غدیر خم کے بعد
اس مخالف جماعت کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔

دشمن کبھی بے وقوف نہیں ہوتا۔ چنانچہ جب ان لوگوں کو یقین ہو گیا کہ رسول اللہؐ کسی بھی صورت میں ان کا من پسند فیصلہ نہیں کریں گے بلکہ اپنی منشاء اور حکم الہی کے مطابق عمل کریں گے تو انہوں نے ایک تدبیر وضع کی اور اسے آلہ کار بنایا۔ اطاعت رسولؐ کے بار بار تکرار خدا کے برخلاف انہوں نے لوگوں کے دلوں میں خیال پیدا کیا کہ یہ اعلان خلافت منجانب الہی نہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکومت کو ہمیشہ کیلئے اپنے خاندان میں رکھنا چاہتے ہیں اس رجحان کو اخفا میں رکھنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی گئی بلکہ بخضر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا برملا اظہار کیا گیا۔ چنانچہ ایک صحابی حارث ابن نعمان فہری نے اس جماعت کے خیالات کی ہوی بے باک ترجمانی کرتے ہوئے نمائندگی کا حق ادا کر دیا۔

مخالف کا عبرتناک انجام

”سفیان بن عیینہ سے پوچھا گیا کہ آنیہ کریمہ ”سائل سائل بعذاب واقع“ (العارج- ۱) کس کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ سفیان نے جواباً کہا تو نے مجھ سے وہ سوال کیا ہے جو اب تک کسی اور نے نہیں پوچھا مجھ سے بیان کیا میرے باپ نے اور اس نے سنا تھا حضرت امام جعفر صادق بن محمد باقر سے جنہوں نے روایت کی اپنے آباؤ اجداد سے کہا جب رسول اللہ غدیر خم پر پہنچے تو لوگوں کو ندا دی اور وہ سب جمع ہو گئے پھر حضورؐ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا جس جس کا میں مولا ہوں اس اس کا یہ علیؑ مولا ہے۔ یہ خبر اطراف عالم میں شائع ہوئی اور بلاد میں پھیلا اور حارث بن نعمان تک پہنچی۔ پس حارث بن نعمان ایک ثاقب پر سوار ہو کر آیا۔ اور نالتے کو ایک طرف باندھ دیا۔ اور رسول خداؐ کے نزدیک آکر کہنے لگا۔ اے محمدؐ! آپؐ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم خدا کو ایک اور آپ کو اس کا رسولؐ

مانیں۔ ہم نے مان لیا۔ آپ نے حکم دیا کہ ہم پانچ وقت نماز پڑھیں وہ بھی ہم نے منظور کیا حکم دیا کہ ہم رمضان میں روزے رکھیں وہ بھی تسلیم کر لیا حکم دیا کہ حج کریں وہ بھی مان لیا۔ اس پر بھی راضی نہ ہوئے اور اب اپنے چچازاد کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور ہم پر فضیلت دی کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ مولا ہے۔ اب فرمائیے کہ یہ علیؑ کی مولائیت آپ کی اپنی طبیعت سے ہے یا یہ بھی خدا کی طرف سے مقرر کی ہوئی ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے ارشاد فرمایا۔ قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ یہ بھی منجانب الہی ہے۔ حارث بن نعمان یہ کہتا ہوا اپنے نائق کی طرف چلا کہ اے خدا! اگر یہ بات جو محمدؐ نے کہی ہے حق ہے تو مجھ پر آسمان سے پتھر گرا اور عذاب درد ناک بھیج۔ وہ ابھی اپنے نائق تک نہیں پہنچ پایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر آسمان سے پتھر نازل کیا جو اس کے سر سے ہوتا ہوا اس کی مقعد سے نکل گیا اور وہ مر گیا۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ ”سَلِّ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ الْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ مِنَ اللَّهِ“ (تفسیر تعلبی)

معذب حارث فہری کے واقعہ کی توثیق دنیائے اسلام کے متعدد محققین مفسرین اور علماء نے اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ رقم کیا ہے۔ چنانچہ ہم ان میں سے کچھ کے اسماء گرامی مع تالیفات بطور شہادت تحریر کرتے ہیں۔

۱۔ احمد بن محمد بن ابراہیم النبطی ————— تفسیر قرآن

۲۔ یوسف بن قز علی سبط ابن الجوزی ————— تذکرۃ الخواص الامامہ فی معرفۃ الاممہ الباب الثانی صفحہ ۱۸

۳۔ ابراہیم بن عبد اللہ یحییٰ الوصالی ————— کتاب الاکتفاء فی فضل الامامہ الخلفاء

۴۔ محمد بن یوسف زرنزی ————— معارج الوصول ودرر السعیدین

۵۔ ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی ————— ہدایت السعاد

- ۶۔ سید نور الدین علی بن عبد اللہ الحسنی السہودی ————— جواہر الحقین
- ۷۔ سید جمال الدین عطا اللہ بن فضل اللہ المحدث ————— کتاب اربعین
- ۸۔ شیخ شمس الدین عبدالرؤف بن تاج العارفین السنادی ————— فیض
القدر شرع جامع صغیر
- ۹۔ شیخ بن عبد اللہ بن شیخ عبد اللہ العبد رؤس ————— عقد نبوی و سر
مصطفوی
- ۱۰۔ محمود بن محمد القاری ————— صراط سوی
- ۱۱۔ نور الدین علی بن ابراہیم بن احمد الحلبي ————— انسان العیون فی سیرۃ
الامین المامون
- ۱۲۔ احمد بن الفضل بن محمد باکیر ————— وسیلۃ المال
- ۱۳۔ محبوب عالم ————— تفسیر شای
- ۱۴۔ محمد صدر عالم سبط شیخ ابوالرضا ————— معارج العلی فی مناقب الال
- ۱۵۔ محمد بن اسماعیل بن ملاح الامیر صنعانی ————— شرح تحفۃ العلویہ

۱۶۔ احمد بن عبدالقادر الحنفی ————— ذخیرۃ المال

۱۷۔ سید مومن بن حسن بن موسیٰ الشبلنجی ————— نور الابصار فی مناقب
آل بیت النبی الخار

منشی الارب میں ہے۔ وقع بالتحریک سک اسی لیے وقع اس چھری یا تکرار کو
کہتے ہیں جو پھر سے تیز کی گئی ہو وقع بالفتح۔ آسیب و زدگی چیز سے پھرنے از جائے
بلند از کوہ۔

تین اعتراضات کا رد

واقعہ غدیر ایک مہتمم بالشان واقعہ تھا۔ جس نے مخالفوں کے دلوں میں بیجان

پیدا کر دیا تھا۔ ان کو معلوم ہو گیا کہ رسول خدا کے بعد حکومت و سلطنت حضرت علی علیہ السلام کے پاس چلی جائے گی اور یہی نہیں کہ صرف علیؑ تک محدود رہے بلکہ ان کے خاندان میں نسل در نسل اس کے مستقل استحکام و استقرار کا امکان معلوم ہوتا ہے۔ حارث بن نعمان جماعت مخالفین کا بھیجا ہوا نمائندہ تھا۔ حارث بن نعمان کے معذب ہونے کے واقعہ پر بعض لوگوں نے تنقید کی ہے۔ خصوصاً "تین اعتراضات وارد کیے ہیں۔

۱۔ اکثر روایات میں مروی ہے کہ حارث بن نعمان وادی ابلح میں حضورؐ کی خدمت میں آیا اور وہاں یہ واقعہ پیش آیا۔ یہ وادی مکے کے قریب ہے اور یہ مسلمہ ہے کہ حضورؐ حجۃ الوداع کے بعد مدینہ تشریف لائے۔

۲۔ سورۃ المعارج جس میں یہ آیات شامل ہیں مکی ہے جبکہ یہ واقعہ مدینہ کا بیان کیا جاتا ہے۔

۳۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ آیہ شریفہ الیوم اکملت لکم دینکم ----- قرآن شریف کی آخری آیت ہے۔ پھر اس کے بعد یہ سال سائل..... والی آیت کیسے اتر آئی؟

ہم ان تینوں اعتراضات کا جواب دینا پسند کرتے ہیں۔

پہلا اعتراض

بظاہر کسی خاص جگہ کا نام نہیں۔ بلکہ اس زمین فراخ کو کہتے ہیں جو ییل آب کی گزرگاہ ہو اور جس میں باریک سنگریزے بکثرت ہوں اور مدینہ کے قریب بھی ایسی زمین تھی جسے بظاہر ابلح کہتے تھے تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے۔ نور الدین سمہودی کی کتاب وفا الوفا بخبار دار المصطفیٰ۔

دوسرا اعتراض

مطالعہ کرنے والوں سے مخفی نہیں ہے کہ قرآن شریف میں بہت سی آیات ہیں جو بار بار نازل ہوئی ہیں یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ ایک سورہ میں کئی مثنیٰ آیات مجتمع ہیں۔ چنانچہ کثرت آیات کی بناء پر اس سورہ کو کئی یا مثنیٰ شمار کیا گیا ہے۔ اس طرح کئی سورتیں بار بار نازل ہوئی ہیں جیسا کہ سورہ فاتحہ کئی مرتبہ اتری، سورہ معارج کیہ ہے اور آیت زیر بحث بھی کئی ہے اور پھر مدینہ میں بھی نازل ہوئی۔ پہلے شاید نصر بن حارث کیلئے اور اب حارث بن نعمان فہری کیلئے۔ جب ایک ہی قسم کا واقعہ دو یا تین مرتبہ وقوع پذیر ہو تو اگر اس کے متعلق کی آیت اتنی ہی بار اس واقعہ کے ساتھ اتر آئے تو عین مناسب ہے بلکہ یہ تکرار ضروری اور لازمی ہے اس بحث کو امام جلال الدین سیوطی نے بڑی عمدگی سے بیان کیا ہے۔ جو پیش خدمت ہے۔

”معتقدین و متاخرین کی ایک جماعت کثیر نے تصریح کی ہے کہ قرآن مجید میں کئی جگہ مکرر نازل شدہ آیات ہیں۔ ابن الحصار کہتا ہے کہ آیات کا بار بار نازل ہونا وعظ و نصیحت کی تاکید کیلئے تھا۔ مثال کے طور پر اس نے آخر آیات سورہ فحل اور اول آیات سورہ روم بیان کیں۔ ابن کثیر نے مکرر آیات میں سے آیت الروح کو ذکر کیا ہے۔ بہت سے لوگوں نے سورہ فاتحہ کو مکرر نازل شدہ بیان کیا ہے۔ بہت سے کہتے ہیں کہ آیت ماکان النبی بھی مکرر نازل ہوئی۔ علامہ زر کشی برہان میں کہتے ہیں کہ ایک آیت کے کئی دفعہ نازل ہونے کے کئی اسباب ہیں کبھی تو اس آیت کی شان کی تعظیم مطلوب ہوتی تھی کبھی ایک ہی قسم کا واقعہ جو اس کا سبب ہوتا تھا کئی دفعہ ظہور پذیر ہو جایا کرتا تھا۔ لہذا وہ آیت کئی مرتبہ اترتی تھی۔ کبھی اس کو بھولے جانے کے خدشے سے زائد مرتبہ نزول ہوتا تھا۔ مثلاً ”اس نے آیت الروح اور آیہ اقم الصلوٰۃ طرفی النہار کا ذکر کیا اور پھر کہا کہ سورہ بنی اسرائیل اور سورہ ہود کی ہیں لیکن ان کا شان نزول دلالت کرتا ہے کہ

ان کو مٹی ہونا چاہیے۔ اس ہی وجہ سے بہت سے لوگوں کو اس میں شبہ ہوا ہے۔ مگر شبہ کی وجہ کوئی نہیں کیونکہ وہ مکہ میں بھی نازل ہوئی ہے اور مدینے میں بھی پھر اس نے کہا اس طرح سورہ اخلاص کے متعلق ہے کہ وہ مشرکین مکہ کا بھی جواب ہے اور مدینہ کے اہل کتاب کا بھی جواب ہے۔ اسی طرح یہ آیت ماکان النبی ہے۔ اس تکرار نزول میں یہ حکمت تھی کہ کسی کافر یا اہل کتاب کے سوال یا کسی واقعہ کی وجہ سے ایک آیت اتری ہوئی ہے پھر اس کے بعد تقریباً ”وایسا ہی سوال کیا گیا یا اسی طرح کا واقعہ درپیش آیا تو خداوند تعالیٰ اس سے پہلے واقعہ پر نازل شدہ آیت کو پھر حضورؐ کی طرف وحی کر دیتا تھا کہ یاد دلایا جائے کہ تمہارے اس سوال یا اس واقعہ کا جواب پہلے بھی نازل ہو چکا ہے۔

(الاتقان فی علوم القرآن النوع الحادی عشرًا تکرر نزولہ ص ۳۵)

علامہ سیوطی کی یہ بحث اعتراض کا شانی جواب ہے

تیسرا اعتراض

چونکہ آیت سال سائل صرف دہرائی گئی ہے جدید تنزیل نہیں ہے۔ لہذا یہ کہنے میں کوئی امر مانع نہیں کہ الیوم اکملت لکم دینکم کے بعد کوئی نئی آیت نازل نہیں ہوئی۔

خطبہ غدیر میں الفاظ ”خليفة“، ”وصی“ اور ”وارث“ کا استعمال

احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روز غدیر امام علی مرتضیٰ علیہ السلام کی خلافت و نبایت اور وصایت و امامت کا اعلان اتنے اہتمام سے کیا ہے کہ ابہام کی کسی بھی صورت کے پیدا ہونے کا احتمال باقی نہیں رہ جاتا گو آپؐ نے ”مولا“ جیسا وسیع المعنی لفظ کا استعمال کر کے حجت تمام فرمائی لیکن اپنے لافانی

خطبے میں مترادف الفاظ مثلاً ”خليفة اور وصی بھی فرمائے ہیں۔ چنانچہ جب اعلان ولایت کے بعد آیہ مبارکہ ”اليوم اكملت لكم دينكم“ کا نزول ہوا تو رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسرور ہو کر نعرۂ تکبیر بلند فرمایا اس موقع پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! کیا یہ آیت علیؑ کی شان میں اتری ہے؟ تو جواباً ارشاد فرمایا۔ ”بے شک علیؑ اور میرے قیامت تک کے اوصیاء کی شان میں نازل ہوئی ہے۔“ پس سلمانؓ نے عرض کیا کہ آپؐ ہمیں ان سے آگاہ فرمادیجئے تو حضورؐ نے فرمایا ”ان کا پہلا علیؑ ہے اور وہ میرا بھائی، میرا وصی، میرا وارث اور میرا خلیفہ ہے۔ پھر حسنؑ اور پھر حسینؑ اور پھر حسینؑ کی اولاد میں سے نہ ہوں گے۔“

(بیانج المودة جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۱۵) لفظ وصی کے استعمال کیلئے دیکھئے مروج الذہب مسعودی بر حاشیہ تاریخ کامل جلد نمبر ۱ صفحہ ۷۵ اور شواہد النبوة ملا جلی صفحہ ۱۲۳ وغیرہ)

خطبہ غدیر

روز غدیر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے اشرف الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حمد باری کے بعد ارشاد فرمایا

”میں اللہ کی عبودیت کا اقرار کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں اس کی ربوبیت کی۔ اس کو پہنچاتا ہوں جو مجھ پر وحی کی گئی ہے اس بات سے بچتے ہوئے کہ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو کسی ایسی بلا میں گرفتار نہ ہو جاؤں کہ کوئی اسے دفع نہ کر سکے خواہ کتنی ہی تدبیر کیوں نہ کی جائے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے چنانچہ بلاشبہ اس نے مجھے مطلع کیا ہے کہ اگر میں نے اس کو نہ پہنچایا جو مجھ پر نازل کیا گیا ہے تو گویا میں نے اس کی رسالت کا کوئی کام ہی انجام نہ دیا۔ اور بے شک اس بزرگ و برتر نے میری حفاظت کی ضمانت بھی کر لی ہے اور اللہ ہی کافی اور کریم ہے۔ پس اللہ نے مجھ پر یہ وحی کی ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم کہ اے رسول پہنچا دو جو کچھ نازل ہوا ہے تم پر تمہارے رب کی طرف سے علیؑ کے بارے میں اور اگر ایسا نہ کیا تو گویا اس کی رسالت ہی نہ پہنچائی اور اللہ تمہیں لوگوں سے محفوظ رکھے گا

اے گروہ انسان! میں نے اس (پیغام) کے پہنچانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی جو مجھ پر نازل کیا گیا۔ میں تم پر اس آیت کا سبب بھی ظاہر کئے دیتا ہوں۔ بے شک جبرائیل میرے پاس تین مرتبہ آئے اور میرے خدا کے سلام کے ذریعے پیغام دیا۔ وہ سلام پیغالی یہ ہے کہ میں اس مقام (غدیر) پر ٹھہروں اور ہر سیاہ و سفید کو آگاہ کر دوں کہ بالتحقیق علیؑ ابن ابیطالب میرے بھائی اور میرے وصی اور میرے خلیفہ اور امام ہیں میرے بعد جنہیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو نسبت ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی سوائے اس کے کہ بے شک میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اور وہ (علیؑ) اللہ اور رسول اللہ کے بعد تمہارے ولی ہیں۔ بے شک

ان کے متعلق اللہ نے اس آیت کو نازل فرمایا ہے کہ "تحقیق تمہارا ولی اللہ ہے" اور اس کا رسول ہے اور وہ صالحان ایمان ہیں جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور علی ابن ابیطالب نے نماز کو قائم کیا اور رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دی ہے۔

علیؑ خدائے عزوجل کی خوشنودی کو پیش نظر رکھنے والے ہیں۔ میں نے جبرائیل سے اظہار معذرت کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت لوگوں کو یہ پیغام پہنچانے سے مجھے معاف رکھا جائے کہ میں متقیوں کی قلت اور منافقوں کی کثرت کو جانتا ہوں۔ مجھے گناہگاروں کے فساد اور اسلام کا مذاق اڑانے والوں کا علم ہے۔ جن کی بد صفات کو اللہ نے اپنی کتاب میں بیان فرما دیا ہے۔ اس میں ہرگز شک نہیں کہ ایسے لوگ زبان سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے وہ اسے معمولی بات سمجھتے ہیں حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بہت بڑی بات ہے۔ اور مجھے اکثر بار بار ستایا گیا مجھے یاد ہے کہ (از راہ تمسخر) میرا نام بڑے کان والا رکھا گیا۔ اور ان لوگوں کا یہ گمان اس لئے ہے کہ میں گوش بر آواز اور جملہ باتوں سے باخبر ہوں پوشیدہ باتوں سے واقف ہوں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی کہ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو نبی کو اذیت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ کان والا ہے۔ (اے رسول) کہہ دے ان سے جو تمہیں کان والا گمان کرتے ہیں کہ بلاشبہ وہ کان تمہارے لیے بہتر ہے۔ اور اگر میں چاہوں کہ ان کے نام لوں تو میں ان کے ناموں کو بتا سکتا ہوں اور اگر میں ان کی ذات کی طرف اشارہ کرنا چاہوں تو اشارہ کر سکتا ہوں اور اگر ان کا پتہ چنانا چاہوں تو بتا سکتا ہوں مگر خدا کی قسم ان کے بارے میں میں بکرم کرتا ہوں الغرض ان تمام باتوں کے باوجود اللہ کی مرضی یہی ہے کہ میں اس کے پیغام کو پہنچا دوں جو اس نے مجھ پر نازل فرمایا ہے کہ اے رسول! پہنچا دو اسے جو تم پر نازل کیا گیا ہے تمہارے رب کی طرف سے علیؑ کے

بارے میں اور اگر ایسا نہ کیا تو گویا اس کی رسالت ہی کو نہ پہنچایا اور اللہ تمہیں لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

پس خبردار اے معاشر الناس! تحقیق اللہ نے معین کیا ہے علیؑ کو تمہارے لیے ولی اور ایسا امام جس کی اطاعت واجب ہے تمام مہاجرین و انصار اور تابعین پر اور ان کیلئے اسی میں بہتری ہے۔ پس تمام اہل دیہات پر اہل شہر پر، ہر عربی اور عجمی پر، ہر آقا و غلام پر، ہر چھوٹے بڑے پر، ہر کالے گورے پر اور تمام موحدین پر علیؑ کا حکم جاری ان کا قول جائز اور امر نافذ ہے۔ پس ملعون ہے وہ جو علیؑ کی مخالفت کرے۔ رحمت ہے اس پر جو علیؑ کا اتباع کرے۔ اور تصدیق کرے۔ لہذا بخش دے گا اللہ اس کو جو علیؑ کے احکام سن کر ان کی اطاعت کرے گا۔

لوگو! اس مقام پر یہ میرا آخری قیام ہے۔ پس سنو اور اطاعت و پیروی کرو اپنے پروردگار کے احکام کی۔ تحقیق اللہ تمہارا ولی اور معبود ہے پھر اسی کے حکم سے اس کا رسول محمدؐ تمہارا ولی ہے جو تم سے کھڑے ہو کر مخاطب ہے پھر میرے بعد علیؑ تمہارے ولی اور امام ہیں اللہ کے حکم کے مطابق اور پھر امامت میری اولاد میں جو علیؑ سے ہوگی قیامت تک رہے گی اللہ اور رسول کی بارگاہ میں کوئی شے حلال نہیں ہے لیکن وہی جسے اللہ نے حلال قرار دیا۔ اور کوئی چیز حرام نہیں ہے مگر وہ جسے خدا نے حرام کر دیا۔ میں نے وہ سب پہنچا دیا جس کی تعلیم میرے رب نے دی اپنی کتاب کے ذریعے۔

اے گروہ مردم! کوئی علم ایسا نہیں جس کا اللہ نے مجھ میں احسان نہ کر دیا ہو۔ اور جو علم مجھے ملا میں نے اسے امام المتقین علیؑ میں احصا کر دیا۔ اور کوئی علم ایسا نہیں ہے جو علیؑ کو نہ دیا گیا ہو۔ اور وہ ہی امام المہین ہیں۔

لوگو! علیؑ سے برگشتہ ہونا نہ ان سے متغیر ہوئے۔ ان کی ولایت سے انکار نہ

کرنا کیونکہ یہ حق کی طرف ہدایت کرنے والے اور اس پر عمل کرنے والے ہیں۔ یہ باطل کو مٹانے والے اور اس سے روکنے والے ہیں۔ اور یہ اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔ یہ اول مومن خدا اور رسولؐ ہیں۔ انہوں نے اپنی جان سے خدا کے رسولؐ کی مدد کی۔ اور ہمیشہ اللہ کے رسولؐ کے ساتھ رہے۔ اور ان سے پہلے کسی مرد نے اللہ کے رسولؐ کے ساتھ اللہ کی عبادت نہیں کی ہے۔

اے گروہ انسان! علیؑ کی فضیلت کو مانو۔ بلاشبہ اللہ نے ان کو فضیلت دی ہے اور انہیں تسلیم کرو کہ بے شک خدا نے ان کو نصب و معین فرمایا ہے۔ لوگو! بے شک یہ اللہ کی طرف سے امام ہیں۔ جو بھی ان کی ولایت کا منکر ہوگا اللہ ہرگز اس کی توبہ قبول نہیں کرے گا نہ کبھی اس کو بخشے گا۔ یہ اللہ کیلئے حتمی ہے کہ جو بھی اس کے حکم کی اس معاملہ میں مخالفت کرے وہ اسے دردناک عذاب دے جس میں وہ ہمیشہ رہے اور پھر زمانے میں رہے۔ پس ان کی مخالفت سے بچو ورنہ اس آگ میں ڈال دیے جاؤ گے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔

ایھا الناس! اللہ کی قسم میری بشارت تمام گزشتہ نبیوں، مرسلوں نے دی ہے کہ میں خاتم الانبیاء والمرسلین ہوں اور حجت ہوں تمام مخلوق پر خواہ وہ آسمان کے رہنے والے ہوں یا زمینوں کے پس جس نے شک کیا اس میں وہ کافر ہے جشل گزشتہ کفار جاہلیت کے اور جس نے میرے اس قول (غدری) میں شک کیا گویا اس نے کل میں شک کیا اور جس نے کل میں شک کیا اس کیلئے جہنم ہے۔

قرآن مجید کی تفسیر علیؑ سے حاصل کرو

ایھا الناس! اللہ نے ہمیں یہ فضیلت عطا فرمائی ہے جس کیلئے ہم اس

کے شکر گزار اور احسان مند ہیں اور نہیں ہے کوئی معبود اس کے سوا جبکہ ہماری جانب سے تمام تعریفیں ہر حال و زمانہ میں ہمیشہ کیلئے اسی اللہ کیلئے ہیں۔

اے انسانو! علیؑ کی فضیلت کو مانو۔ تحقیق وہ میرے بعد ہر مرد و عورت سے افضل ہیں۔ اللہ ہمارے ہی سبب سے رزق نازل کرتا ہے اور باقی ہے خلق ملعون ہے ملعون ہے خدا کا غضب ہے خدا کا غضب ہے اس پر جو رو کرے میرے اس قول کو چاہے اس کے موافق نہ بھی ہو۔ بے شک خدا کی طرف سے جبرئیل نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ جو علیؑ سے عداوت رکھے اور ان کو دوست نہ رکھے پس اس پر میری لعنت اور غضب ہے۔ پس ہر نفس کو چاہیے کہ اس پر نظر رکھے کہ کل کیلئے کیا چھوڑا ہے۔ لہذا ان کی مخالفت کرنے میں اللہ سے ڈرو۔ ورنہ جمنے کے بعد تمہارے قدم اکڑ جائیں گے۔ بے شک اللہ باخبر ہے اس سے جو تم کرتے ہو۔

لوگو! یہ جنب اللہ ہے جیسا کہ اس نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ منافق کہیں گے کہ ہائے افسوس کہ ہم نے کمی کی جنب اللہ کے بارے میں۔
لوگو! غور کرو قرآن میں اس کی آیتوں کو سمجھو اس کے محکمات میں فکر کرو۔ مشابہات کا اتباع مت کرو۔ پس خدا کی قسم ہرگز بیان نہ کر سکے گا۔ کوئی آیات اور واضح کر سکے گا اس کی تفسیر سوائے اس کے جس کا میں ہاتھ پکڑے ہوں اور اٹھائے ہوں جس کا شانہ پکڑ کر تم کو مطلع کرتا ہوں کہ تحقیق جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ علیؑ مولا ہیں۔ اور یہ علیؑ ابن ابی طالب میرے بھائی اور میرے وصی ہیں جن کی ولایت کے اعلان کا حکم مجھے اللہ عزوجل کی طرف سے نازل ہوا ہے۔

بلاغت رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نقل کرنے کے بعد اس کی شرح میں کچھ کہنا دخل در معقولات ہوگا۔

دستار بندی اور قصیدہ خوانی

اگر مدعائے رسولؐ علیؑ کو صرف دوست بنانا ہی ہو تو قصیدہ خوانی، دستار بندی، مبارک بادی کی محافل کا انعقاد بالکل بے مقصد ہوتا۔ چنانچہ ”مولا“ کے اعزاز کا تقریری اعلان ایک طولانی خطبہ کے ذریعے فرمانے کے بعد سید کو نبین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے رسم دستار بندی کو ادا فرمایا۔ آپ نے حضرت امیر علیہ السلام کے سر پر اپنا عمامہ باندھ کر اپنا دلی عہد مقرر فرمایا یہ دستار بندی ثابت کرتی ہے کہ صحابہ کے ایک لاکھ سے زائد مجمع میں آپ نے اللہ کے حکم کے مطابق علیؑ کی وصایت کا اعلان عام فرمایا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے کنز العمال جلد نمبر ۸ ص ۶۰، ریاض النضرہ فی مناقب العشرہ جلد نمبر ۲ ص ۱۶۷ وغیرہ

دربار نبوت کے ممتاز شاعر صحابی رسولؐ حضرت حسان بن ثابت نے اس موقع پر قصیدہ نظم کیا اور بارگاہ رسالت ماب میں پیش کیا۔ آپ نے اظہار مسرت کرتے ہوئے حسان کو داد و تحسین سے نوازا۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

بنادیعہم یوم الغدیر خم یمنہم نجم و اسمع بالرسول منادیا

بقول فمن مولا کم و ولیکم فقالوا ولم یبدو ہناک النظامیا

الہک مولا نا وانت ولینا ولم ترمنا فی الولا یتہ عاصیا

فقال قم یا علی فانی رضینک من بعدی اما ما دھانی

فمن کنت مولاہ فہنا ولیہ فکونوا لہ انصار صدق موالیا

ہناک دعا اللہم وال ولیہ وکن للذی عاذا علما معادیا

روز غدیر ان کے نبی نے منادی کی بس سنو رسولؐ کیا کہتے ہیں

وہ فرماتے ہیں کہ تمہارا کون مولا اور آقا ہے لوگوں نے بغیر دیر کئے جواب دیا

کہ اے رسولؐ تمہارا خدا ہمارا مولا ہے اور آپ ہمارے آقا ہیں اور آپ

ہماری اطاعت میں کو تاہی نہیں دیکھیں گے
پس حضورؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ اٹھو کیونکہ میں نے تم کو اپنے بعد امام و ہادی
منتخب کیا لیا ہے

لہذا جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ مولا ہے صدق دل سے اس کی
اطاعت کرو
پھر دعا فرمائی اے دوست رکھ اسے جو اسے دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو
جو اس کو دشمن رکھے

(تاریخ حبیب السیر - روضۃ الاحباب)

حسن بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ بھی دیگر شاعر اصحاب رسولؐ نے
اس واقعہ کو نظم کیا ہے۔ مثلاً ”صحابی بن صحابی حضرت قیس بن سعد بن عبادہ
انصاری رضی اللہ عنہ کے مشہور اشعار ہیں جو انہوں نے روز صفین امام علیؑ کے
سامنے پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ۔

”جب دشمن نے ہمارے خلاف بغاوت کی تو میں نے کہا اللہ ہمارے لئے کافی
ہے۔ اور ہمارے امام علیؑ ہمارے لئے کافی ہیں جو ایسے ہادی و امام ہیں جن کی
صفت و مدح میں قرآن مجید نازل ہوا۔ اس دن (روز غدیر) کہ جس دن رسولؐ خدا
نے فرمایا۔ جس جس کا میں مولا ہوں اس اس کا یہ علیؑ مولا ہے۔ بے شک نبی
کریمؐ نے یہ بات ساری امت کو سنائی اور ساری امت کو یہ حکم دیا۔ یہ قطعی اور
ہر طرح کے شک و شبہ سے پاک ہے۔“

(تذکرۃ الخواص الامتہ سبط ابن الجوزی باب دوم ص ۲۰)

خود حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے اشعار میں اس واقعہ کی جانب
اشارہ فرماتے ہوئے اس پر احتجاج کیا ہے۔

زوال کی گھٹائیں

صد افسوس! ہزار حیف! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ پڑھنے والوں نے اپنے نبی کے اس حکم سے روگردانی کرتے ہوئے سرتابی کی۔ حالانکہ اللہ اس سلسلے میں متعدد بار متنبہ، مطلع اور آگاہ کر چکا تھا لیکن خدا اور رسول کی پکار پر کان نہ دھرے گئے۔ غیر قدرتی، نامحسوس، خلاف فطرت اور لادینی طریقوں کی آزمائش کا بھوت مسلمانوں کے سروں پر سوار ہو گیا جس کے نتیجے میں آنا "فنا" زوال کی گھٹائوں نے مسلمانوں کی زمین کے آسمان پر چھانا شروع کر دیا۔ اور ذلت و خواری کی بوند باندی رفتہ رفتہ مسلک طوفانی بارش کی شکل اختیار کر گئی اسلام جیسا اچھا نام بھی ان کی بدنامی کا انداد نہ کر سکا اربوں کی نفرت میں ہونے کے باوجود مسلمان کی شیرازہ بندی ممکن نہ ہو سکی۔ حالانکہ "اسلام" کا فطری نتیجہ تو یہ ہے کہ تقدیر ام دست مسلم میں ہوتی ہے مگر دولت و ثروت، ریاست و حکومت، افواج و حربی آلات، افزائی قوت اور علمی و فنی بے مثال صلاحیت، اور دیگر وسائل و ذرائع میسر ہونے کے باوجود آج مسلمان غیر مسلم اقوام کا دست مگر نظر آتا ہے۔ دین بھی برباد ہو رہا ہے اور دنیا بھی خراب ہوئی جا رہی ہے۔ سکون میسر ہے نہ قرار، تحفظ نصیب ہے نہ امن، بھائی بھائی کا دشمن ہے عصبیت، بغض انتشار نے زندگی اخیر بنارکھی ہے۔

اطاعت و اتباع رسولؐ سے انحراف

اس ساری آفت کا پرکالہ، بد بختی کا سبب اول اور کمپرسی کی جڑ وہی انحراف ہے جو خدا اور رسولؐ خدا کے حکم کے خلاف کیا گیا۔ اگر اطاعت رسولؐ سے روگردانی کی سازش شکی جاتی اور پیغمبر کے اعلان کردہ حکم پر عمل کر لیا جاتا تو لازماً اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے مطابق "حمکین دین" اور بلا خوف و خطر "امن و سلامتی" جیسے انعامات کی نوازش کرتا رہتا برہادی امت، فساد ملت اور انتشار قوم جیسے عمت ناک

عذاب یقینی طور پر حکم رسولؐ کی خلاف ورزی کرنے کا فطری نتیجہ ہیں۔ چنانچہ امام غزالی نے اس حقیقت کا اعتراف بڑے جرات مندانہ انداز میں کیا ہے جسے ہم ہر یہ قارئین کرتے ہیں۔

امام غزالی کا جرات مندانہ اعتراف

اجمع الجماهير على متن الحديث عن خطبة يوم غدير خم با اتفاق الجميع و هو يقول من كنت مولاه فعلي مولاه فقال عمر بن الخطاب يا ابا الحسن لقد اصحبت مولائي ومولا كل مؤمن ومؤمنة هذا تسليم ورضي و تحكيم ثم بعد هذا اغلب الهوى لحب الرياست وحمل عمود الخلافة وعقود النبوة وخفقان الهوى لقمعته الريات واشتباك ازدهام الخيل وفتح الامصار سقا هم كاس الهوى فعادوا الى الخلاف الاول فبنوه وسرا ظهورهم واشتروا به ثمننا قليلا فبشس ما يشترون

”یعنی رسولؐ کہیم کے خم غدیر والے خطبے کے اس متن پر جمہور امت کا اجماع اتفاق ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جس کا میں مولا اس کا علیؑ مولا۔ حضرت عمرؓ نے کہا مبارک ہو! مبارک ہو! اے ابوالحسن (علیؑ) تم نے کیسی اچھی صبح کی کہ تم میرے اور تمام مومنوں اور مومنات کے مولا ہوئے۔ اس طرح حضرت عمرؓ نے علیؑ کی امامت کو تسلیم کر لیا۔ پھر اس کے بعد ریاست کی محبت، خلافت کے عمود، بڑے بڑے علموں کے پھریروں کی لہروں، گھوڑوں کے اژدھام اور فتوحات ممالک کی نمود نے ان لوگوں کو ہوا و ہوس کا جام پلا دیا۔ پس انہوں نے اپنے اقرار کی خلاف ورزی کی اور اس عہد کو پس پشت ڈال دیا اور اس سے بہت ہی سستی چیز خریدی اور وہ بری شے ہے جو انہوں نے خریدی ہے“

(سر العالمین امام ابو حامد محمد الغزالی ص ۸ مطبوعہ بمبئی)۔

یہ اس نسخے کی مطبوعہ نقل ہے جو خود امام غزالی نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے جو مصر کے کتب خانہ خدیویہ میں محفوظ ہے عبدالعظیم وقائی نے ۱۳۱۳ھ میں اسے نقل کیا ہے۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اور سبط ابن الجوزی نے تذکرۃ الخواص الامہ میں اس کتاب کو امام غزالی سے نسبت دے کر حوالے افد کئے ہیں۔

جلسہ غدیر میں امین وحی حضرت جبرائیل کی شرکت

آج تکمیل دین اور اتمام نعت کا روز سعید ہے میدان غدیر میں میلے کا سا سماں ہے۔ سخت گرمی کے باوجود اس جشن کے انعقاد کی سرگرمیوں میں کوئی سرد مہری کا نشان نظر نہیں آتا۔ چونکہ دین کائنات کی ہر شے کے لئے ایک مشترکہ نعمت ہے لہذا رب العالمین کی ساری خدائی میں گرم جوشی ہے ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے مخلوقات پر شادمانی طاری ہے، 'عرشی'، 'فرشی'، 'ارضی'، 'سلاوی' ہر چیز مسرور ہے۔ اور اپنے اپنے انداز میں مالک یوم الدین کی بارگاہ میں ہدیہ تشکر ادا کر رہی ہے۔ رسول اسلام کو نذرانہ تہنیت پیش کیا جا رہا ہے اور جانشین رسول کو تحریک کے پیغامات موصول ہو رہے ہیں نوری مخلوق ملائکہ کی نمائندگی کا اعزاز امین وحی حضرت جبرائیل کو حاصل ہوا۔ وہ اس تبرک جشن کی مسرتوں میں شرکت کرنے کے لئے نازل ہوتے ہیں۔ پورے انہماک سے ساری کارروائی ملاحظہ کرتے ہیں آدم زادوں کو مولا کے معنی و تشریح سمجھاتے ہیں۔

علیؑ سے بغض منافقت کی علامت ہے

جبرائیلؑ نے فرمایا! آنحضرتؐ کی ولایت کی لگائی ہوئی

اس گمرہ کو سوائے منافق کوئی نہ کھوے گا

”چنانچہ حضرت عمر بن خطابؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؑ کو کھڑا کر کے ارشاد فرمایا۔ جس کا میں مولا ہوں اس کا میں مولا ہے۔ اے اللہ دوست رکھ اے جو اے دوست رکھے اور دشمن رکھ اے جو اس کو دشمن رکھے اور چھوڑ دے اے جو اس کو چھوڑ دے۔ نصرت دے اس کو جو اس کو نصرت دے پروردگار! تو میرا ان پر گواہ ہے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہی کہ میرے پہلو میں ایک خوبصورت نوجوان سمانی طیب خوشبو والا کھڑا تھا۔ مجھے کہنے لگا اے عمر!

سرور دین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسی گرہ لگائی ہے کہ منافق کے سوا کوئی اسے نہ کھولے گا۔ پس (خبردار) تو اس کو کھولنے سے ڈر تا رہ۔ حضرت عمر کا بیان ہے کہ پھر میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! جب کہ حضورؐ نے علیؑ کے حق میں ارشاد فرمایا! تو میرے پہلو میں ایک سوندھی خوشبو والا نوجوان موجود تھا اس نے مجھ سے ایسا کہا تھا پیغمبر دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا۔ اے عمر! وہ شخص آدم کی اولاد میں سے نہیں تھا بلکہ وہ جبرائیل علیہ السلام تھے۔ اور میرے کہنے کی تاکید کرنے کے لئے آئے تھے جو کچھ میں نے تم لوگوں سے علیؑ کی نسبت کہا تھا۔

(مودۃ القربی علامہ شہاب الدین ہمدانی)

حضرت عمر ولایت علویہؑ کو تسلیم کرتے تھے

مولا کا مطلب بیان عمر کی روشنی میں: حضرت عمر کے اس بیان کی روشنی میں ”مولا“ کے معنی بڑے واضح اور روشن ہو جاتے ہیں کوئی بھی یہ نہ کہے گا کہ حضرت علیؑ اور حضرت عمرؓ اس وقت آپس میں دوست نہ تھے۔ ایک دوسرے کے ناصریا مددگار نہ تھے بلکہ حضرت عمرؓ کا اس وقت فرط جذبات میں طمطراقی کے ساتھ مبارک باو پیش کرنا اور گرم جوشی کا اظہار فرمانا ان کی دوستی کا واضح نشان ہے۔ اگر ”مولا“ کے مقصودی معنی دوست ہوتے تو پھر حضرت جبرائیلؑ کو حضرت عمرؓ سے ایسا مکالمہ کرنے کی کیا ضرورت تھی جب کہ وہ پہلے ہی آپ کے دوست تھے یا پھر یہ کہا جائے کہ عمرؓ علیؑ سے دشمنی رکھتے تھے۔ اسی لیے جبرائیلؑ نے تاکید کی جبکہ یہ مفروضہ ناقابل تسلیم ہو گا۔ پس ”مولا“ کے وہی معنی مراد ہیں جن معنی میں رسول اللہ امت کے مولا تھے یعنی سید المظاہر۔ حاکم بالقصر ف۔

روحانی دنیا کا جلسہ عام

دین ”دنوی زندگی“ اور ”روحانی حیات“ دونوں پر یکساں حاوی ہے۔ کثیف دنیا کے تقاضوں کے مطابق دین مرحلہ وار بتدریج نازل ہوا جو روز غدیر پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔ کرۂ ارض کے میدان غدیر خم میں عظیم الشان اور روح پرور اجلاس کا انعقاد ہوا جس کی صدارت سید البشر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی اور نوع انسان کو اتمام نعمت کا شرفہ سنا دیا۔

روحانی دنیا جو لطیف ہے، وہاں بھی ایسا جلسہ عام بڑے لطیف انداز میں منعقد ہوا۔ خلیفۃ الارض حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے قبل خلاق عالم نے عالم ارواح میں تمام روحوں کو اکٹھا کر کے اپنے لطف خاص سے ہر روح سے امارت علویہ کا عہد و اقرار حاصل کیا۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم نے فرمایا اگر لوگ جان لیتے کہ کب سے علیؑ امیر المومنین ہیں تو ہرگز ان کی فضیلت کا انکار نہ کرتے۔ علیؑ اس وقت امیر المومنین بنے جبکہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے یعنی روح خاص جسم میں داخل نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ”میں تمہارا رب ہوں، محمدؐ تمہارا نبی ہے، علیؑ تمہارا امیر ہے۔“

(فردوس الاخبار - دیلمی)

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، خاتم النبیینؐ کی نبوت اور علیؑ کی امارت کا اقرار ارواح سے لیا گیا یعنی بعد از رسولؐ علیؑ تمام اہل ایمان کے امیر ہیں۔ پس یہ جناب امیر علیہ السلام کی خلافت بلا فصل کا روحانی ثبوت ہے۔

میشاق رسالت محمدیہؐ

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ۔

”اے محمدؐ یاد کرو) جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ ہم تم کو جو کچھ کتاب و حکمت عطا کریں اور اس کے بعد وہ رسولؐ آئے جو تمہاری رسالت کی تصدیق کرنے والا ہوگا تو تم سب اس پر ایمان لانا اور اس کی تصدیق کرنا اور نصرت کرنا اور پھر ان (انبیاءؑ) سے پوچھا کہ کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور میری رسالت کو اس شرط کے ساتھ لیتے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم اقرار کرتے ہیں۔ اب خدا نے فرمایا کہ تم سب اس کے گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ اس کا شاہد ہوں پس اس کے بعد جو اپنے اقرار سے پھر جائیگا وہ فاسقین میں سے ہوگا“

(سورۃ آل عمران آیت ۸۱-۸۲)

یہ امر متفق علیہ ہے کہ یہ آیتیں جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ہیں۔ حضورؐ ہی کی تصدیق رسالت کا عہد تمام انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا تھا۔ احادیث متواترہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی طرح انبیاء سے ولایت علویہ کی تصدیق کا عہد لیا گیا۔ مثلاً

”حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ جب مجھیں شب معراج آسمانوں پر گیا تو وہاں تمام انبیاءؑ جمع ہوئے خدا کی طرف سے میری جانب وحی ہوئی کہ اے محمدؐ ان سے پوچھو کہ تم کن امور پر مبعوث ہوئے تھے۔ پس انہوں نے جواب دیا کہ ہم مبعوث ہوئے تھے اس شہادت پر کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپؐ کی نبوت اور علی ابن ابیطالب کی ولایت کے عہد و اقرار پر (قرآن مجید کی آیت ہے۔ وَمِن مَّن لَّمْ يَلْمِزْهُمْ عَظَمًا لِّمَن لَّدُنْهُ يُفْضِلُ الَّذِي هُوَ أَعْلَمُ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ)۔ مسئل من لومنا من رسولنہ یہ اسی سلسلے کی آیت ہے۔) حدیث کا ذکر شیخ مرتضیٰ عارف ربانی علی الہمدانی نے اپنی کئی تصانیف میں کیا ہے۔ حافظ نعیم نے اس کو نقل کیا ہے“

(توضیح الدلائل۔ علامہ شہاب الدین احمد)

میشاق ولایت علویہ

”النبي اولى بالمؤمنين من انفسهم وازواجه امهاتهم ○ واولوا الارحام بعضهم اولى ببعض في كتب الله من المؤمنين والمهاجرين الا ان تفعلوا الى اوليكم معروفا ○ كان ذلك في الكتب مسطورا ○ واذا اخذنا من النبيين ميثاقهم ومنك ومن نوح وابراهيم وموسى وعيسى ابن مريم و اخذنا منهم ميثاقا ” غليظا ○ يسئل الصديقين عن صدقهم واعد للكافرين عذابا ” اليما ○“

(الاحزاب- آیت- ۶، ۷، ۸)

نبیؐ مومنین کیلئے ان کی اپنی ذات پر مقدم ہے۔ اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔ مگر اللہ کے نوشتے کے مطابق مومنین اور مہاجرین کی نسبت بعض قربت دار بعضوں سے زیادہ حقدار ہیں (اولیٰ ہیں) البتہ اپنے دوستوں سے کوئی بھلائی کرو (تو یہ الگ بات ہے) اور یہ بات کتاب میں تحریر شدہ ہے۔

اور جب ہم نے نبیوںؐ سے ان کا میثاق (پکا عہد) لیا۔ اور (اے رسولؐ) تجھ سے۔ اور نوحؑ سے اور ابراہیمؑ سے اور عیسیٰؑ ابن مریمؑ سے اور ہم نے ان کا پکا عہد لیا۔

تاکہ وہ (اللہ) سچ کے امانت داروں سے ان کی سچائی (کی حفاظت) کے متعلق سوال کرے اور اس نے انکار کرنے والوں (ناشکر گزاروں) کیلئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ان آیات کو خطبہ غدیر سے متصل کر کے دیکھئے کہ نفس مضمون میں کس قدر مماثلت ہے۔ روز غدیر حضورؐ کا حاضرین سے الست اولیٰ حکم منکم یفلسکم؟ کا سوال تین مرتبہ دہرائے۔ پھر اپنے رشتوں میں سے عزت اہل بیتؑ کو مخصوص فرما کر انہیں ثقل ثانی قرار دینا اور ولایت علویہؑ کا اعلان فرمانا۔ ان آیات کی تعبیر نہیں تو پھر کیا تھا؟ تمام نبیوںؐ سے میثاق رسالت محمدیہؑ لیکر اب سب

نبیوں اور خود سید النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی میثاق حاصل فرماتا از خود جتنا ہے کہ یہ ”میثاق ولایت“ ہے تمام صاحبان شریعت رسولوں کا نام بنام ذکر فرماتا اس امانت سچ کی حفاظت کے متعلق سوال پوچھا جانے کے بارے میں مطلع کرنا اور انکار کرنے والوں کو عذاب الیم کی سزا سنانا تمام ثابت کرتا ہے کہ یہ میثاق ”تکملہ دین“ سے لاینفک سے تعلق رکھتا ہے جو ولایت امیرالمومنین علیہ السلام ہے۔ چنانچہ حدیث رسول مقبول ہے کہ۔

”عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے پاس فرشتہ آیا اور پیغام لایا کہ اے محمد پوچھو کہ ہم نے رسولان سلف (نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام) کو کس امر پر مبعوث کیا تھا میں نے عرض کیا کہ ارشاد ہو۔ جواب ملا کہ وہ تیری رسالت اور علی بن ابی طالب کی ولایت کے اقرار پر“

(تفسیر فعلی، تفسیر انوری، کتاب المناقب، خطب خوارزم)

الحق تمام عالمین میں غدیر کے جلے دھوم دھام سے ہوئے۔ اب یہ انسان کا کام ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کا احترام کرے۔ قدرت نے فطری طور پر نفس انسانی پر اس کی بدکاریاں اور پرہیزگاری الہام کر دی ہے۔ اسے چاہیے کہ اپنے محدود اختیارات کو اطاعت دین میں استعمال کر کے اپنے اشرف المخلوقات ہونے کا عملی ثبوت پیش کرے اور نافرمانی کر کے امانت میں خیانت کا ارتکاب نہ کرے کیونکہ اس کی سزا جہنم ہے۔ پس اللہ نے دو ٹوک الفاظ میں فرما دیا ہے کہ ۱۔

۱۔ فَاٰمِنُوْا بِمَا نُنَزِّلُ مِنْ سَمٰوٰتٍ ۙ وَمِنْ لَّدُنْكَ شٰكِرٌ ۝۸ (النس - ۸)

”اور کسی مومن یا مومنہ کیلئے یہ مناسب نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا فیصلہ کر دیں تو پھر اس امر میں ان کی کوئی رائے رہے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے ”فَضْلٌ مُّضِلٌّ لَا يَمِيْنُ“ (صریحاً) گمراہی

ہے“ (الاحزاب - ۳۶)

خلقت انسان کے دو مقاصد

قرآن مجید میں تخلیق انسان کے دو مقصد واضح طور پر بیان کیے گئے ہیں۔ اول یہ کہ۔

سجیل سکر

مقصد اول عبادت جہاں بالطف آباد، پورٹ نمبر ۸-۷۱

وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون (الذاریت- ۵۶) اور میں جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے خلق کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ اس ارشاد ربانی کی رو سے مقصد خلقت انسان اللہ کی عبادت ہے۔

عبادت کیا ہے؟

چنانچہ پہلا مقصد تخلیق انسان ”عبادت“ ہے۔ عبادت کا مفہوم جس سے ہمارے ذہن مانوس ہیں وہ نماز، روزہ، ذکر الہی، زکوٰۃ، حج، جمادیا پھر دیگر نیک کام ہیں۔ لیکن سورہ یس میں ارشاد ہوتا ہے کہ۔

یعنی اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا، وہ یقیناً ”تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے اور یہ کہ صرف میری عبادت کرنا کیونکہ یہی صراط مستقیم ہے۔

(سورہ یس آیت ۶۰ اور ۶۱)

آیت سے واضح ہوتا ہے کہ نبی آدم کی اکثریت شیطان کی عبادت میں مشغول ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ نہ تو کوئی شیطان گناہ پڑھتا ہے۔ نہ اس کا روزہ رکھتا ہے۔ نہ اس کے نام کی خیرات کرتا ہے۔ نہ اس کی خوشنودی کیلئے حج پر جاتا ہے۔ یہ سب کچھ جو عبادات ہیں وہ تو انسان صرف اللہ کیلئے کرتے ہیں۔ پھر شیطان کی عبادت کیا ہے؟ یعنی مفہوم عبادت مشکوک قرار پایا۔

دراصل لفظ عبادت ”عبد“ سے مشتق ہے۔ عبد کے معنی بندہ یا غلام ہیں۔ اب جو عمل بھی بندہ اپنے مالک کی خوشنودی اور اطاعت کیلئے سرانجام دے گا وہ اس عبد کی عبادت ہوگی۔ یا یوں کہیے کہ۔

عبد کا آقا کیلئے آقا کی نیابت میں آقا کے کاموں کا سرانجام دینا عبادت ہے۔ یہاں ایک بات غور طلب ہے کہ غلام کی ڈیوٹی کیا ہے؟ غلامی، عبدیت یا بندگی میں کیا کیا کام داخل ہیں اسے ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔

مثلاً ”ایک تن تنہا عمر رسیدہ شریف آدمی کسی مکان میں رہائش پذیر ہے۔ اس کو اپنی تمام ضروریات زندگی خود مہیا کرنا پڑتی ہیں۔ بازار سے سودا سلف لانا، کھانا پکانا، گھر کی صفائی کرنا، محلے کے محل سے پانی بھر کر لانا، کپڑے دھونا وغیرہ وغیرہ تمام کام جو زندگی بسر کرنے کیلئے ضروری ہوتے ہیں اسے خود ہی کرنے پڑتے ہیں ایک روز اس کا ایک دوست مہمان آتا ہے اور اسے بہت زحمت میں مبتلا پاتا ہے۔ لہذا ازراہ رحم وہ اس کو ایک غلام خرید کر دے دیتا ہے۔ یہ تنہا شخص اب ایک غلام کا آقا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ کام جو پہلے آقا خود بنفس نفیس کیا کرتا تھا اب اس کے غلام کے ذمے ہوں گے۔ آقا حکم کرے گا غلام تعمیل۔ لہذا یہی اطاعت مندی اس غلام کی بندگی یا عبادت ہوگی۔

مقصد دوم خلافت و نیابت الہیہ

دوسرا مقصد خلقت انسان یہ ہے کہ۔

”وَ اِذْ قَالَ رَبِّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً“ (البقرہ۔ ۳۰) یعنی اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا ایک خلیفہ بنانے والا

ہوں۔

اس آیت کے مطابق مقصد تخلیق انسان نیت خدائے بزرگ ہے۔ یعنی انسان اس قدر بلند مرتبت ہے کہ وہ اللہ سبحانہ کا اس زمین پر نائب یا قائم مقام یعنی خلیفہ ہے۔

عبادت و خلافت کا باہمی رشتہ

حقیقی بندگی و عبادت اور خلافت و نیت دونوں مقاصد کے باہمی رشتے کی وضاحت اوپر بیان کردہ مثل سے ہو جاتی ہے کہ تخلیق انسان کی غرض و غایت مالک حقیقی کے کاموں کو اس کی نیت و اطاعت میں اسی کے فشاء کے مطابق سرانجام دینا ہے۔ انسان کو اللہ نے اپنا خلیفہ یا نائب قرار دیا ہے۔ اللہ کے کام جو وہ اپنی جلالت قدر کے سبب خود سرانجام نہیں دیتا اللہ کی نیت میں 'اللہ کیلئے' اللہ کی مرضی کے مطابق سرانجام دینا ہی اللہ کی عبادت ہے اور یہی اس کی خلقت کا مقصد ہے۔

ان دونوں مقاصد کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو گئی کہ انسانوں کو خدا نے جب اپنی بندگی کیلئے خلق کیا تو ان پر ایک نائب بھی مقرر کیا جو انسانوں کی عبادت کے سلسلے میں ان کی اصلاح کا ذمہ دار ہے اور ان کو صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کی ہدایت و تلقین کرتا ہے۔ شیطان کی عبادت سے روکتا ہے۔ خدا کے بنائے ہوئے خلیفہ یا نائب میں نیت الہی کے فرائض بجالانے کیلئے ضروری ہے کہ اس میں کسی قدر وہ مغفالت بھی موجود ہوں جو اس ہستی میں ہیں جس کا وہ نائب ہے یعنی ایسے مظہر خدا ہونا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آدم کو اللہ نے خلیفہ بنایا تو اسے اپنی روح خاص سے نواز کر مسجد ملائک بنایا۔

خلافت آدمؑ

جس طرح یوم غدیر اللہ کے رسولؐ نے اپنا نائب مقرر کرنے کا اعلان عام مجمع میں فرمایا تھا روز الست اسی طرح کا ایک پرہجوم جلسہ عام اللہ نے فرشتوں کا طلب کیا تھا اور اپنے خلیفہ آدمؑ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا تھا۔

ملائکہ کے ایک وڈیرے نے اس سے سرتابی کی تو شیطان لعین بنا دیا گیا۔ عقل ناقص کی رو سے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ فتنہ کو سر اٹھانے سے پہلے کچل دیا جاتا اور اس سرکش کو موقع واردات پر ہی اس کی سرکشی کی سزا دے دی جاتی اور اسے کیفر کر دیا جاتا۔ لیکن رحمان نے شیطان کو مہلت دی۔ طویل عمر کے ساتھ قوت، غلبہ اور اقتدار بھی دیے تاکہ مالک اپنے بندوں کو آزما سکے۔ لہذا شیطان قوتوں کی زور آزمائیوں، نام نہاد ترقیوں، مادی عروجوں اور عارضی خوشحالیوں کو دیکھ کر دین پسند حلقوں کو مرعوب ہونے کی ہرگز ضرورت نہیں کیونکہ یہ اسی اذلی ڈھیل کا نتیجہ ہے جو خدا نے ایک باغی کو وقت مقررہ تک دے رکھی ہے۔ ناری خلقت شیطان کے پیروکاروں کی روشن کردہ یہ ایک آگ ہے جو وہ اپنے گرد جلائے ہوئے ہیں مگر عنقریب وہ اپنی ہی لگائی ہوئی اس آگ میں خود بھی بھسم ہو جائیں گے۔

منصب خلافت

خلافت کے معنی ایک کام میں کسی جگہ پر ہونا، کسی کے بعد باقی رہنا یا کسی کے بعد آنا یعنی کسی کا جانشین بننا یا ولی عہد ہونا۔ خلیفہ مقرر ہونا ہوتے ہیں۔ چنانچہ خدا نے جب سلسلہ استخلاف جاری فرمایا تو اس کی غرض و غایت خالق حقیقی کے کاموں کو اس کی نیابت و اطاعت میں اس کی منشاء کے مطابق سرانجام دینا ہے۔ یعنی نیابت خدا کی یہ اعلیٰ و ارفع منزل محض دنیا کے چار روزہ اقتدار تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ اللہ کے خلیفے تو ہماری دنیا کو دین کی دنیا بنانے کیلئے فائز ہوتے ہیں۔

اس لئے اللہ، کلام اللہ، دین اللہ جس رسول اللہ کی اطاعت کا تقاضا کرتے ہیں۔ اس کی حقیقت کو تو فطری، واضح اور ہر طرح کے شک و شبہ اور نقص سے پاک ہونا قدرتا لازمی ہے۔ کیونکہ دین خدا کو جو تمام انسانیت اور پوری کائنات کا دین ہے فطرۃ اللہ سے موسوم کیا گیا ہے لہذا ایسے نائب خدا کو کسی ارضی حدود یا قید زمانہ سے قطعی بے نیازی حاصل ہے۔ اسی لیے آیت استخلاف میں آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ دنیا کی بادشاہی کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا گیا ہے بلکہ دین کی تکمیل قدرت اور اقتدار کا اظہار کیا گیا ہے۔ پس خلیفہ خدا کا بنیادی مقصد منصب استحکام دین ہے۔ البتہ اقتدار ارضی دین ہی کا ذیلی شعبہ ضرور ہے اس لیے جو بھی اللہ کا حقیقی خلیفہ ہوگا اصولی طور پر اسے مسند نشینی کا حق حاصل ہے۔

استخلاف بمطابق سنت الہیہ

سورہ نور کی پر نور آیت استخلاف وعد اللہ الذین امنو منکم۔۔۔ الخ میں خلاق عالم نے مومنین میں سے بعض افراد کو زمین پر اپنا خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس شرط کے ساتھ کہ وہ مومن اعمال صالحہ بجالاتے ہوں تو انہیں اسی طرح خلیفہ بنا دیا جائیگا جس طرح کہ ان سے پہلے بنائے گئے تھے۔ اس عطاء خلافت کے بعد باری تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ وہ ان کے پسندیدہ دین (اسلام) کو مستحکم کر کے ان کے ہر طرح کے خوف کو امن میں تبدیل کر دے گا۔ وہ اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ چنانچہ اس کے بعد جو کوئی کفر کرے گا تو وہی نافرمان ہے۔

شرائط خلافت

یعنی رب العزت نے استخلاف کیلئے مندرجہ ذیل شرائط مقرر فرمائے۔

- (۱) وعدہ صاحب ایمان سے ہے۔
- (ب) وہ مومن صالح ہو۔
- (ج) منصب خلافت اسی طریقے سے عطا کیا جائیگا جو پہلے سے رائج ہے اور اللہ کی سنت میں تبدیلی محال ہے۔
- (د) دین کو حکمین بخشے گا۔
- (ر) خوف کی جگہ امن طاری ہوگا۔
- (س) خلیفہ اللہ کی عبادت کرے گا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائے گا۔
- (ص) ایسے خلیفے کا مکر فاسق ہوگا۔

ایمان کل

چنانچہ خدائے بزرگ نے جو ہرگز وعدہ خلاف نہیں امت محمدؐ میں حضورؐ کے بعد اپنا پہلا خلیفہ امیرالمومنین علی علیہ السلام کو مقرر کیا۔ اور اپنے رسولؐ کے ذریعے روز غدیر اس کا اعلان عام کرایا۔ اللہ کا منتخب کردہ یہ خلیفہ اس کی اول شرط ”ایمانداری“ میں بینظیر ہے کہ لقب اس کا امیرالمومنین ہے اور رسول صادق نے اس خلیفہ کے بارے میں گواہی دی ہے کہ ”ایمان مجسم“ بلکہ ”ایمان کل“ فضل اللہ بن روز بہان کشف الغمہ میں تحریر کرتے ہیں کہ جمہور اہل سیر روایت کرتے ہیں کہ (روز خندق) جناب امیرؓ جب عمرو بن عبدود کے مقابلے میں نکلے تو سید الانبیاءؑ نے فرمایا ”پورا ایمان“ ”پورے کفر“ کے مقابلے کو نکلا ہے۔ اور یہ ایسا اعزاز ہے کہ کسی بھی دوسرے بزرگ کو حاصل نہیں۔ اسلامی سرمایہ علمی میں ایسی کوئی کمزور یا ضعیف روایت کسی بھی دوسرے کے لئے بزبان رسولؐ دستیاب نہیں ہے۔ لہذا خدا نے معیار ایمان کی شرط کو ملحوظ رکھتے ہوئے امت کے ایماندار ترین فرد کو خلعت خلافت سے نوازا۔

صلح المومنین

شرط دوم یہ کہ وہ مومن فاضل ترین ہونے کے ساتھ صلح ہو۔ چنانچہ امیرالمومنین کے صلح المومنین ہونے کی گواہی خود پروردگار عالم قرآن مجید میں دیتا ہے۔

”هو مولاہ جبرئیل و صلح المومنین“ (التحریم۔ ۴)

”ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اس قول پروردگار میں صلح المومنین سے علیؑ ابن ابی طالب مراد ہیں“ (ابن عساکر۔ ابن مردودہ بحوالہ تفسیر در مشور سیوطی)

پھر کون کہہ سکتا ہے کہ یا علیؑ مد کہنا بدعت ہے جب کہ رسولؐ کے مددگار خدا۔

امام فخرالدین رازی تحریر کرتے ہیں کہ مفسرین کہتے ہیں کہ صالح المومنین سے مراد علی بن ابیطالب ہیں جو مولیٰ کے معنی ناصر کے ہیں کیونکہ اللہ اور جبرئیل اور صالح المومنین کے درمیان لفظ مولیٰ کا مفہوم مشترک ناصر کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔
(اربعین امام رازی)

”حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ خدائے پاک کی کلام میں صالح المومنین سے مراد علی ہیں“ (حلیۃ المتقین ابو نعیم ابن حاتم اور کنز العمال علی متقی)
اللہ اور اس کے رسولؐ کی شہادتوں کے بل بوتے پر صالحیت کی شرط دوم پوری ہوئی۔ اس فضیلت صالح المومنین میں جناب امیرؑ کا منفرد ہونا ثابت ہے۔ کسی دوسرے کیلئے کسی جگہ ایسا اعزاز نظر سے نہیں گزرنا۔

سنت سابقہ

شرط سوم یہ ہے کہ عطائے خلافت حسب سنت سابقہ ہوگی۔ لہذا ہمیں دیکھنا پڑے گا کہ اللہ نے اپنے خلیفے کس طرح بنائے؟ چنانچہ ایک کم ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کے خلیفے منصوص ہوئے۔ کسی قوم کو یہ اختیار نہ دیا گیا کہ وہ جمہوری فیصلے سے کسی کو چن کر اپنا خلیفہ بنالیں بلکہ حالات انبیاءؑ سے ماخوذ ہے کہ نبی اپنے وصی کیلئے دعا کرتے اللہ قبول کرتا اور خلافت کا منصب اسے عطا کرتا۔

اپنے نبی کو اس تقرر کا اعلان کرنے کی ہدایت کر دیتا۔ جیسا کہ آدمؑ کے منصوص خلیفہ حضرت شیثؑ، حضرت نوحؑ کے حضرت سامؑ، حضرت موسیٰؑ کے منصوص خلیفہ جناب یوشعؑ، حضرت داؤدؑ کے خلیفہ حضرت سلیمانؑ، حضرت عیسیٰؑ کے خلیفہ حضرت ثمعونؑ اور سرکار رسالت ماب کے منصوص خلیفہ حسب سنت

ابیہ جناب امام المقتین علی علیہ السلام ہوئے۔ حضورؐ نے بحکم خدا میدان غدیر میں اس کا اعلان عام فرمایا۔

تمکین دین

چوتھی شرط یہ ہے کہ خلیفہ دین کو مستحکم کرے گا۔ تمکین و استحکام کا مدار علمی استعداد پر ہوتا ہے چنانچہ حکیم الامت علامہ اقبال نے فرمایا۔

ذاتِ او دروازہٴ شرِ علوم زیرِ فرمائشِ حجاز و چین و روم

مسند شاہی شرط خلافت نہیں

ارشاد خداوندی میں یہ بات ہرگز نہیں پائی جاتی ہے کہ اللہ کا بنایا ہوا خلیفہ مہرِ تلوار و تفتک ملک گیری کرے گا اور مفتوحہ علاقہ جات میں دھونس و خوف کے ذریعے غیر قوموں کو زبردستی مسلمان بنائے گا۔ بلکہ سرے سے اقتدار ارضی شرط خلافت ہے ہی نہیں۔ معیار خلافت یہ ہے کہ دین کی نشر و اشاعت، تبلیغ و ترویج، دعوت و ارتقاء کے علمی و عملی طریقوں کے ساتھ لوگوں میں تعلیمات دین کی ذہنی طور پر راسخ، قلبی طور پر مقبول اور عملی طور پر موثر اور فعال بنانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھے گا۔ امیر المومنین علیہ السلام کی اس سلسلے میں عالم طفولیت سے آخری ضرورت تک کے کارہائے نمایاں کسی سے پوشیدہ نہیں۔ خطبات میں، رقعات میں، مراسلات میں، دین کے مستحکم کر دینے میں وہ کمال پایا ہے کہ ”سلونی“ سلونی، ”گشتگو کو سن کر منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ اور پتھر دلوں میں اسلام اپنا مقام بنالینے میں کامیابی سے ہم کنار ہو جاتا ہے۔ علیؑ جہاں چاہتے ہیں پورے علم کو سمیٹ کر نقطہ میں محفوظ فرمالیتے ہیں جوش خطابت میں تفصیل کرتے ہیں تو علمی جواہر پاروں کا بوجھ اٹھانے کیلئے سزاوٹ بھی یہ بارگراں برداشت کرنے سے قاصر نظر

آنے لگتے ہیں۔

استحکام دین

تمکین دین اور استحکام اسلام کیلئے جناب امیر المومنین علیہ السلام کی عملی جدوجہد فقید المثال حیثیت کی حامل ہے۔ جہاد بالدعوت ایسی ہے کہ وعظ و نصیحت اور ترغیب و ترتیب سے محکم دلائل قائم فرما کر مخالفین کے تمام شبہات کو رفع کرنے میں پوری مہارت رکھتے ہیں اور ان کے دل کو اسلام کا گرویدہ بنالینے میں کامل دسترس رکھتے ہیں۔ اور فی الحقیقت اسی قسم کا جہاد منشاء خدا کے عین مطابق ہونے کی وجہ سے نہایت افضل و اعلیٰ ہے۔ روایت میں ہے کہ۔

”براء بن عازب سے مروی ہے کہ رسول خدا نے ایک مرتبہ خالد بن ولید کو یمن روانہ فرمایا تاکہ اہل یمن کو اسلام کی طرف دعوت دیں میں بھی ان کے ہمراہ تھا۔ خالد چھ ماہ تک دعوت اسلام کرتے رہے مگر لوگوں نے ان کی کسی بات کو قبول نہ کیا۔ چنانچہ حضور نے ان کی جانب علیؑ کو بھیجا۔ جب جناب علیؑ حدود یمن میں وارد ہوئے تو سب لوگ ان کی خدمت میں جمع ہوئے۔ علیؑ نے ہمارے ساتھ نماز ادا کی جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو ہم سب لوگ علیؑ کے سامنے صف باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ آپ ہمارے سامنے تشریف لائے اور خدائے لایزال کی صفت و ثناء کے بعد سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط پڑھ کر سنایا۔ اس کے اثر سے ہمدان کے تمام باشندے ایک ہی دن میں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ یہ خبر بارگاہ رسالت میں لکھ کر بھیجی گئی تو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ شکر بجالائے۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب حافظ ابن عبد البر)

دفاع دین کی خاطر جناب امیر علیہ السلام کا جہاد و بالیف محتاج بیان نہیں ہے۔ شیر خدا کی شجاعت سے جس قدر نفع پہنچا ہے وہ کسی اور سے نہیں پہنچا۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”صحابہ میں مثل ابودجانہ اور خالد بن ولید کے ایسی جماعت تھی جو شجاعت میں مشہور تھی۔ مگر سب کی شجاعت سے جناب امیر علیہ السلام کی شجاعت زیادہ تر نفع رساں تھی۔ تم نے نہیں دیکھا کہ جنگ احزاب کین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ علیؑ کی ایک ضربت جن و انس کی عبادتوں سے افضل ہے۔“

(اربعین)

خوف کی جگہ امن

شرط پنجم خوف کی جگہ امن کا قائم کرنا ہے۔ ہر خوف کا سبب کوئی فتنہ ہوتا ہے۔ چنانچہ خود جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا۔

”الما قبل عین الفتنة“ (خصائص نسائی۔ ارجح الطالب)

یعنی میں فتنے کے چشتے سے محفوظ رکھنے والا ہوں۔

جب فتنہ نہیں ہوگا تو خوف از خود مفقود ہو جائیگا۔ آج تک محل خوف و ہراس میں ”نعرۂ حیدری“ ”یا علیؑ“ خطرات کو رفع کرنے کی یقینی ذہال ہے۔

بندگی خدا

شرط ششم یہ ہے کہ اللہ کی جانب سے مقرر کردہ خلیفہ اللہ کی بندگی کرے گا۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرے گا۔ امیر المومنین علیہ السلام کی عبادت کسی نگاہ سے اوچھل نہیں ہے حتیٰ کہ خود ان کا دیدار ذکر اور محبت عبادت بن گئے ہیں۔ پھر آپؑ کا ”کرم اللہ وجہہ“ کہلوانا اس بات کی بین دلیل ہے کہ آپؑ کی پیشانی کبھی غیر خدا کے آگے نہیں جھکی ہے۔

منکر نافرمان ہے : پس آخری شرط کی روشنی میں مندرجہ بالا معیار پر اترنے والے خلیفہ خدا کی تکفیر کرنے والا شخص نافرمان ہو گا۔

کیا خدا نے وعدہ استخلاف ارضی کو پورا کیا؟

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا خدا نے آیت استخلاف میں خلافت فی الارض کا وعدہ پورا کیا یا نہیں؟ اس سلسلے میں اول غور طلب امر یہ ہے کہ آیت میں ”وعد اللہ“ بصیغہ ماضی مستعمل ہے۔ اور خطاب حضرت رسالت مآب سے ہے اور ”منکم“ میں ”من“ تبعیضہ نہیں بلکہ بیانیہ ہے۔ بظاہر خدا نے اپنا وعدہ عہد رسول پاک میں پورا کیا جیسا کہ تفسیر خازن صفحہ ۳۳۷ اور معالم التریل جلد نمبر ۳ صفحہ ۸۵ میں ہے کہ نزول وحی کے بعد حضورؐ صحابہ کیساتھ مکہ میں دس برس رہے اور بمطابق حکم آپؐ اپنے ساتھیوں سمیت کفار کی ایذا دہی پر صبر کیے رہے حالانکہ مسلمانوں کی حالت خوف میں ہوتی پھر ان کو ہجرت کا حکم ملا کہ مدینہ کوچ کر جائیں وہاں ان کو حکم جہاد ملا حالانکہ وہ سب حالت خوف میں تھے ایسے کہ ان میں کوئی بھی اپنے حفاظتی ہتھیار کو جدا نہ کرتا تھا چنانچہ ایک صحابی نے کہا کاش! وہ دن بھی آئیں کہ ہم امن میں رہیں۔ ہتھیار جنگ اتار دیں تو خدا نے یہ آیت استخلاف نازل فرمائی جس سے مطلب یہ تھا کہ ہم ان کو کفار کی زمین کا وارث کریں گے خواہ عرب ہوں یا عجم چنانچہ وہ وعدہ ظاہری حیات پیغمبرؐ ہی میں پورا ہو گیا کہ بادشاہ سرور بادشاہ زمین مسلمانوں کو بنا دیا۔ فتح مکہ ہوا تو بعض صحابہ دوبارہ مکہ میں ہجرت آباد ہوئے۔ حرم کعبہ جو کفار و مشرکین کے زیر تسلط تھا اب موحدین کی جائے امن و امان قرار پایا۔ کفار، مشرکین، یہود کا تسلط مکہ اور مدینہ سے ختم ہو گیا۔ اب مسلمان وہاں امن و سکون سے رہنے لگے چنانچہ وعدہ خدا مسلمانوں کیلئے زمانہ رسولؐ مقبول میں پورا ہو گیا۔ کہ وہ کل جزیرہ عرب میں سکھ کا سانس لینے لگے۔ یہ وعدہ خداوندی کے ایفا کا ایک عمومی پہلو تھا۔ اس وعدہ استخلاف میں اقتدار حکومت کا مروجہ معنی میں اطلاق ہرگز مقصود نہیں ہے کیونکہ خلیفہ خدا کیلئے یہ بات شرط نہیں ہے کہ کسی خطہ ارض کا حکمران یا بادشاہ بنے باوجود اس کے کہ خلیفہ خدا کا یہ

حق ہے کہ وہ ریاست کا سربراہ ہو لیکن سابقہ خلفاء خدا میں کی اکثریت اقتدار سے محروم رہی۔ اور یہ محرومی ان کے خلیفہ ہونے پر اثر انداز نہ ہوئی۔ تاہم اس آیت کی مکمل تعبیر اس وقت ہوگی جب سارے خطہ ارض پر دین کا پرچم لہرائے گا اور باطل نیست و نابود ہو جائے گا۔

خلیفہ خدا صراط مستقیم کی نگرانی کرتا ہے

اور امانت الہی کا امین ہوتا ہے

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ بندگی دراصل اطاعت کامل ہے۔ یہ نور السموت والارض کی عظیم امانت ہے جیسے ”دین“ کہتے ہیں۔ اور اسی کی حفاظت کرنا خدا کی منزلت نیابت پر فائز ہونا یعنی استخلاف ہے اور ایسے خلیفے کا نافرمان فاسق ہوتا ہے۔ زمین پر اللہ کا خلیفہ دراصل صراط مستقیم کی نگرانی کرتا ہے اسے فتوحات ارضی، ہوس، مکیگری یا لشکر کشی سے کوئی بنیادی دلچسپی نہیں بلکہ اس کا فریضہ دینی حکومت الہیہ کی جہاں بانی ہے چونکہ دنیوی فرمانروائی دین سے خارج نہیں بلکہ اس کا جزو لاینفک ہے لہذا شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بنفس نفیس عملاً ”دس برس حقیقی اسلامی حکومت کا نمونہ پیش فرمایا۔۔۔ بحکم خدا اپنے بعد علی“ کو اپنا ولی عہد بنانے کا اعلان فرمادیا۔ مگر لوگوں نے اس سے انحراف کیا اور سید ھدیہ سے انکے پیروں کو لگائے دراصل وہ آداب رسالت ہی سے نا آشنا تھے۔

آداب رسالت

آواز رسولؐ پر اپنی آواز بلند کرنے کی ممانعت

ارشاد خداوندی ہے کہ۔

”یعنی اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسولؐ پر تقدم کرنے یعنی سبقت لے جانے کی کوشش نہ کرو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اے مومنو! اپنی آوازوں کو نبیؐ کی آواز پر بلند نہ کرو۔ اور نہ ہی نبیؐ سے اونچی آواز و لہجہ میں گفتگو کرو جس طرح کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے بات چیت کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے تمام اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو اس کا پتہ بھی نہ چل سکے۔

بے شک وہ لوگ جو اللہ کے رسولؐ کے حضور اپنی آوازوں کو دھیمارکتے ہیں وہی تو ایسے لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کیلئے پرکھ لیا ہے ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے“

(سورۃ الحجرات ۳، ۲۱)

بالصراحت یہ خطاب و وعید اران ایمان سے ہے۔ اب جب اللہ اور رسولؐ پر تقدم کی ممانعت ہے تو اللہ کے حکم سے اللہ کے رسولؐ نے جو اعلان عام ایک لاکھ مجمع میں روز غدیر نشر کر کے علیؑ کو خلیفہ نصب فرمایا تو ہر صاحب ایمان کیلئے ضروری ہوا کہ وہ مولائے کائنات علیؑ علیہ السلام کی اطاعت برو چشم قبول فرمائے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز کے خلاف اپنی آواز کو بلند کرنے کی سزا یہ ہے کہ سارے اعمال اکارت کر دیئے جاتے ہیں اس احباط کا عامل کو پتہ بھی نہیں چلتا ہے۔ پس اپنے اعمال کی حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ

اعلان روز غدیر والی آواز رسولؐ کو ارفع رکھا جائے۔ اور اس سے انحراف کر کے کیے کرائے پر پانی پھر جانے سے بچاؤ اختیار کیا جائے۔

حضرت ابوبکرؓ کی نظر میں علیؓ کی منزلت صاحب ریاض النفرہ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت علیؓ حضورؐ کی رحلت کے چھ دن بعد حضرتؓ کی قبر مطہرہ پر زیارت کے لئے آئے۔ علیؓ نے ابوبکرؓ سے فرمایا کہ وہ آگے بڑھیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا میں ایسے شخص پر ہرگز تقدم نہیں کر سکتا جس کی شان میں رسولؐ خدا کو فرماتے سنا ہے کہ علیؓ کی منزلت مجھ سے ایسی ہے جیسے میری خدا سے۔ (ریاض النفرہ فی الفتاویٰ العشرہ محب البری)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قول صادق سے ثابت ہوا کہ جس طرح رسول اکرمؐ بعد از خدا بزرگ ہیں اسی طرح بعد از نبیؐ جناب علیؓ بزرگ ہیں اور ان پر سبقت کرنا روا نہیں۔

معرفت رسولؐ سے محرومی

اللہ نے قرآن مجید میں اپنے محبوب رسولؐ کی حیثیت کو اجاگر کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور آپؐ کی اطاعت کلی اور اتباع کاملہ کی پر زور تاکید و تلقین کے جملہ تقاضوں کو پورا کیا ہے۔ لیکن انسان اپنی کم علمی، غفلت، بے شعوری اور نفس امارہ کی آواز کو آواز رسولؐ سے بلند کر کے اپنے اعمال کو باطل کرتا رہتا ہے خاص طور سے عربوں کی اکثریت نے نبوت و خلافت یا نبی و امام کے مفہوم و شخصیت کو کماحقہ کبھی نہیں سمجھا قرآن مجید جو ان کی اپنی زبان میں نازل ہوا وہ اس کی تاویل سے بھی محروم رہے۔ شروع ہی سے یہ لوگ پیغمبرؐ کو اپنے جیسا عاصی بشر سمجھتے رہے۔ ان کے ذہنوں میں یہ فاسد خیال سمایا رہا کہ نبی عام لوگوں کی مانند حرص و لالچ، حب جاہ و مال اور ہوس اقتدار و سلطنت کی دل آویزیوں میں گرفتار ہیں۔ اور تخت حکومت کو اپنے خاندان میں برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ لہذا اپنے داماد کو ولی عہد بنا کر اپنی اس خواہش کی تکمیل چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک عصمت شرط نبوت نہیں ہے۔ جماعت مخالفین نے اپنے سیاسی مقصد کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے اس خیال سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اسے ایک عقیدہ بنا کر لوگوں میں اس کی تشہیر کی جو آج تک جاری ہے کہ ”نوری بشری“ اور ”خاک“ کے مباحثے ہوتے رہتے ہیں۔ امر واقع یہ ہے کہ اس عقیدے کے اختراع و اجراء کیے بغیر ان کی کامیابی کا امکان نہیں تھا۔ ویسے تو اہل عرب کی حب مال و منصب، فطری کینہ پروری، قبیلانہ رقابت، خاندانی حسد اور عصبیت جیسے خصائل بھی ناقابل نظر انداز ہیں مگر معرفت رسولؐ اور حیثیت نبویؐ میں رخنہ اندازی نے جو کردار ادا کیا ہے وہ سب سے کارگر ثابت ہوا ہے۔ ہم ان تفصیلات و تجزیات سے آنکھ چراتے ہوئے آگے بڑھ جانا چاہتے ہیں اور صرف یہ عرض کرنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ یہ بھی ایک فطری عمل عظیم تھا اور اسی کشمکش کی وجہ تھی جو روزِ اول سے آدمؑ و ابلیس میں جاری ہے۔

انسان پر شیطان کو مسلط کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جب انسان اپنی عجیب و غریب خلقت پر غور کرتا ہے تو جہاں اسے اپنے اندر خالق کی عظیم امانت کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے وہاں اسے نفس امارہ کی کارستانیوں بھی واضح نظر آتی ہیں۔ یہ نفس امارہ یا شیطان اسے ہر لحظہ نور روح خداوندی کے خلاف بغاوت پر اکساتا رہتا ہے۔ ایک انگریز ادیب مسٹر آر۔ ایل۔ اسٹیفن نے اپنی کتاب ”ڈاکٹر جیکال اینڈ مسٹر ہائیڈ“

Dr. Jackle And Mr Hide

میں انسانوں کے یہ دونوں روپ بڑے دلکش انداز میں پیش کئے ہیں۔ ایک شخصیت ڈاکٹر جیکال کے کردار میں انتہائی مخلص اور ہمدرد ہے جبکہ مسٹر ہائیڈ کی صورت میں ایک درندہ صفت وحشی نظر آتا ہے۔ قرآن شریف میں ہے کہ۔

”اور بے شک ہم نے انسان کو خلق کیا اور ہم خوب جانتے ہیں کہ اس کا نفس (امارہ) اس کے دل میں کیسے کیسے وسوسے ڈالتا ہے اور ہم تو اس سے اس کی شر رگ سے بھی قریب ہیں۔ جبکہ دو لینے والے دائیں اور بائیں بیٹھے ہوئے لیتے جاتے ہیں۔ ایک بات بھی تو منہ سے نہیں نکالتا مگر یہ کہ اس کے قریب ہی ایک نگران (ریکارڈ کرنے کیلئے) تیار ہوتا ہے“

(سورہ ق آیت ۱۶-۱۷)

پھر اسی سورہ کی آیت نمبر ۲۱ میں ہے کہ۔

”اور ہر نفس آئے گا (اس حالت میں کہ) اس کے ساتھ (اس کا) ہانکنے والا (نفس امارہ) اور اس پر چشم دید گواہ (نور رحمت للعالمین) ہوگا۔

اب قابل غور بات یہ ہے کہ انسان کے اندر اس شیطان (نفس امارہ) کے رکھ دینے میں اللہ کی حکمت کیا ہے؟ چنانچہ خود خلاق کائنات کا ارشاد ہے کہ۔

”اور بے شک ہم نے تمہیں خلق کیا، پھر تمہاری صورتیں بنائیں، پھر ہم

نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو پس انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے جو سجدہ کرنے والوں میں نہ ہوا۔

اس (اللہ) نے کہا ”تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے باز رکھا۔ جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا۔ اس (شیطان) نے کہا میں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے (آدم کو) تو نے مٹی سے بنایا ہے۔ اس (اللہ) نے کہا۔ اتر جا یہاں سے تمہارے لیے مناسب نہ تھا کہ اس میں (ہمارے حضور) تکبر کرتا۔ پس دفع ہو جا۔ بے شک تو پستوں میں سے ہے۔ اس (شیطان) نے کہا۔ مجھے اس دن تک کیلئے مہلت دے دے جب یہ اٹھائے جائیں گے۔ اس (اللہ) نے کہا بے شک تو مہلت یافتوں میں سے ہے۔

اس (شیطان) نے کہا اس کی وجہ سے تو نے میری غواہیت کی ہے۔ میں ان کیلئے تیری صراط مستقیم پر بیٹھ جاؤں گا۔

پھر میں ان پر ان کے آگے سے ان کے پیچھے سے ان کے دائیں سے ان کے بائیں سے حملے کروں گا۔ تو ان کی اکثریت کو شکر گزار نہیں پائے گا۔

اس (اللہ) نے کہا۔ یہاں سے ذلیل و خوار ہو کر نکل جا۔ ان میں جو بھی تیری پیروی کریں گے تو میں ضرور تم سب سے جہنم بھروں گا۔

(سورۃ اعراف آیت ۱۸ تا ۱۹)

اسی طرح کا بیان سورۃ حجر کی آیت ۲۱ تا ۳۳ میں نازل کیا گیا ہے۔ اور سورۃ ص میں انسانی تخلیق کے نورانی اور تاریک یعنی ناری و دونوں پہلو پیش نظر رکھ کر وضاحت فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

”کہہ دے (اے رسول) میں تو بس منذر (تنبیہ کرنے والا۔ آگاہی دینے والا۔ خبردار رکھنے والا) ہوں اور خداوند قہار کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ جو آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان میں موجود ہے اس کا پروردگار

ہے۔ صاحب عزت اور بخشنے والا ہے۔ (اے رسول!) کہہ دو وہی تو خبر عظیم ہے جس سے تم اعراض (روگردانی) کرنے والے ہو۔ اور مجھے (ذاتی طور پر) عالم بالا میں جھکڑنے والوں کے بارے میں علم نہ تھا۔ مجھ پر تو بس یہ وحی کی گئی ہے کہ میں ایک واضح تنبیہ کرنے والا ہوں۔

اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا بے شک میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں پس جب میں اسے سنوار دوں اور اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے سامنے سجدے میں پڑ جانا۔ چنانچہ سب فرشتوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے جس نے تکبر کیا اور کافروں (انکار کرنے والوں) میں کا ہو گیا۔ کہا اے ابلیس! تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔ کیا تو نے تکبر کیا یا تو عالین (عالی مرتبت) میں سے ہے؟ اس نے کہا میں اس (آدم) سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے خلق کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔ اس (اللہ) نے فرمایا۔ نکل جا یہاں سے بے شک تو رجم ہے اور بے شک یوم الدین تک تجھ پر لعنت ہے۔ اس (شیطان) نے عرض کیا اے میرے رب مجھے اس دن تک کیلئے مہلت عطا کر دے جس دن یہ اٹھائے جائیں گے۔ اس (اللہ) نے کہا بے شک تو مہلت یافتوں میں سے ہے۔ وقت معلوم کے دن تک۔ اس (شیطان) نے کہا تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کروں گا سوائے تیرے چند مخلص بندوں کے۔ (اللہ) نے فرمایا۔ یہ بالکل حق ہے اور میں حق کہے دیتا ہوں کہ میں تجھ سے اور ان سب سے جو بھی تیری پیروی کریں گے جہنم کو بھر دوں گا۔

(اے رسول!) کہہ دو کہ میں (رسالت) کیلئے تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا اور نہ میں تمہیں کسی تکلیف میں مبتلا کرنے والا ہوں۔ یہ تو بس تمام جہانوں کیلئے ذکر و نصیحت ہے۔ اور جلد ہی تم اس (حقیقت) سے واقف ہو جاؤ گے“ (سورہ ص - آیات ۶۵ تا ۶۸)

منقولہ بالا آیات کسی تشریح مزید کی احتیاج نہیں رکھتیں۔ عبادت رب (بندگی و اطاعت) اور نیابت رب (خلافت الہیہ) کے دونوں مقاصد خلقت انسان موجود ہیں۔ یعنی جہاں انسان کو روح خاص یعنی نور محمدؐ کی امانت سے نوازا گیا وہاں اس کے اندر ناری شیطان (نفس امارہ) رکھ دیا گیا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جسم انسانی کو اسی ناری (نفس امارہ) کے تسلط میں دے دیا گیا۔ اس حقیقت کو سورہ بلد میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ۔

”بے شک ہم نے انسان کو بڑی مشقت کیلئے خلق کیا۔ کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس پر کسی کا قابو نہیں؟ کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اسے کوئی نہیں دیکھ رہا؟ کیا ہم نے اسے دو آنکھیں، ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیے اور ہم نے دونوں نچلے (راستے) (خیر و شر) نہیں دکھا دیے؟ مگر وہ دشوار گزار گھاٹی کو پاٹ نہ سکا۔“

(سورہ بلد آیات ۴ تا ۱۰)

اس کے بعد چند آیات میں اس دشوار گزار گھاٹی کی شرح کی جاتی ہے کہ۔

”کسی کی گلو خلاصی کرنا، کسی بھوکے قریبی یتیم، افلاس زدہ مسکین کو کھانا کھلانا، مومن، صابر، رحمدل، شفیق ہو جانا۔ یعنی اتباع نبویؐ کرنا“ چنانچہ ان صفات سے متصف لوگوں کو اصحابِ یمن یعنی خوش بخت (دائیں ہاتھ والے) قرار دیا گیا ہے۔ تاہم ان اوصاف کے حامل ہونے کو ابتدائی آیت میں بڑی مشقت بتایا گیا۔ وہ اس لئے کہ انسان کے اندر جو شیطان (نفس امارہ) رکھ دیا گیا ہے وہ بڑی شدید مزاحمت کرنے والا ہے۔ وہ پوری کوشش سے ان پر عمل کرنے سے روکتا ہے اور انسان کو بندہ ہوئی، خود غرض، درندہ صفت اور غافل بنا دیتا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس

شیطان کی قوت، طاقت، توانائی، تسلط، حیلہ، مکر، فریب اور غواہیت کی تصویر کشی
سید الساجدین، امام زین العابدین علیہ السلام نے ایک دعائیں بڑے عارفانہ انداز
میں کی ہے کہ۔

امام زین العابدینؑ کی حکمت آموز دعا

”یا اللہ! مجھے اور میری اولاد کو شیطان مردود سے پناہ دے۔ تو نے ہمیں
خلق کیا اور ہم کو (نیکی کا) حکم دیا اور (برائی سے) منع کیا۔ اور جس کا تو نے ہمیں
حکم دیا اس کے ثواب میں ہمیں رغبت دلائی اور (جس سے روکا) اس کے انجام
سے تو نے ہمیں ڈرایا۔ اور تو نے ہمارا ایک دشمن بنا دیا۔ جو ہمیں اپنی چالوں میں
الجھائے رکھتا ہے۔ تو نے اس دشمن کو ہم پر ان امور میں مسلط کر دیا جن میں
ہمیں اس پر مسلط نہیں کیا۔ ہمارے سینوں میں تو نے اس کا مسکن قرار دیا۔ اور
اسے ہمارے خون میں دوڑا دیا۔ ہم غافل ہو جائیں تو ہو جائیں وہ کبھی غافل نہیں
ہوتا۔ ہم بھولیں تو بھول جائیں مگر وہ کبھی نہیں بھولتا۔ وہ ہمیں تیرے عذاب سے
بے خوف بناتا رہتا ہے۔ اور تیرے غیر کا خوف دلاتا رہتا ہے۔ اگر ہم خواہش کا
ارادہ کریں تو اس پر ہمیں جرات دلاتا ہے۔ اور اگر ہم کسی عمل صالح کی نیت
کریں تو اس سے ہمیں روکتا ہے۔ نفسانی خواہشات کو دلکش بنا کر پیش کرتا رہتا
ہے اور شکوک و شبہات کو ہمارے دل میں پیوست کرتا رہتا ہے۔ وہ جب ہم سے
وعدہ کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔ اور جب ہمیں امید دلاتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا
ہے۔ پس اگر تو اس کی چالوں کو ہم سے پھیر نہ دے گا تو وہ ضرور ہمیں گمراہ کر
دے گا اور اگر تو اس کے دیوانہ کر دینے والے الجھاؤ سے نہیں بچائیگا تو وہ ہمیں
ضرور لڑکھڑا دے گا۔ پس اے معبود! ہم پر اس کی حکومت کو نچا دکھا۔ اپنی
حکومت قائم کر کے تا آنکہ تیرے حضور ہماری کثرت دعا کے سبب تو ہماری جانب

اس کا راستہ بند کر دے۔ اور ہم اس کی چالوں سے محفوظ تیرے بندے ہو جائیں“

(صحیفہ کاملہ)

یوں محسوس ہوتا ہے کہ شیطان تو اپنے فرائض منصبی میں مصروف ہے اور اس کی مستعدی کا یہ عالم ہے کہ وہ کسی لمحہ بھی غافل نہیں ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں شیطان مردود دشمن انسان ضرور ہے مگر وہ شیطانی بھی دائرہ انسانی میں کرتا ہے۔ مکار ہے مگر چھپ کر وار نہیں کرتا۔ بلکہ چوکس رہتے ہوئے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ چنانچہ سورہ حشر میں ہے کہ۔

”منافقوں کی مثال شیطان جیسی ہے۔ جب وہ انسان سے کتا ہے انکار کر دے۔ پس جب انسان انکار کر دیتا ہے۔ تو وہ کتا ہے میں تجھ سے بری الذمہ ہوں۔ میں تو رب العالمین سے ڈرتا ہوں“

(الحشر ۱۶)

سورہ ابراہیم میں ہے کہ۔

”جب معاملے کا فیصلہ ہو چکا (یعنی شیطان نے جو کچھ کروانا تھا کروا چکا) تو شیطان نے کہا۔ بے شک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا۔ اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا۔ اور میں نے وعدہ خلافی کی۔ مگر میرا تم پر کوئی زور تو نہ تھا۔ میں نے تمہیں بس دعوت دی اور تم نے میری دعوت کو فوراً قبول کر لیا۔ بس اب مجھے الزام نہ دو۔ خود اپنے آپ کو الزام دو۔ اب میں تمہارا فریاد رس نہیں ہوں۔ نہ ہی تم میرے فریاد رس ہو۔ میں تو پہلے ہی سے اس کا انکاری ہوں۔ جس میں تم نے مجھے اس کا شریک بنالیا تھا۔ بے شک ظالموں کیلئے دردناک عذاب ہے۔“

(سورہ ابراہیم آیت نمبر ۲۲)

سورہ انفال میں ہے کہ۔

”اور جب شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظر میں زینت دی اور کہا آج لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا ہے۔ اور بے شک میں تمہارا یار ہوں۔ پس جب دونوں گروہ ایک دوسرے کے بمقابل ہوئے تو وہ لٹے پیروں یہ کہتے ہوئے بھاگا کہ میں تم سے بری الذمہ ہوں۔ بالتحقیق میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے۔ بے شک میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ تو بہت سخت سزا دینے والا ہے

(سورۃ انفال-۴۸)

سورۃ حشر اور انفال کی آیات میں شیطان کہہ رہا ہے کہ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں۔ یعنی تم جب میری اطاعت کرتے ہو تو اللہ سے بے خوف ہو جاتے ہو۔ اور یوں انسان کو خبردار کر کے اپنی اطاعت سے باز رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ اور سورہ ابراہیم کی آیت میں اپنی وعدہ خلافیوں اور اللہ کے سچے وعدوں کی یاد دلا کر انسان کو آگاہ کرتا ہے کہ میں تمہارا دوست یا فریادرس نہیں ہوں۔ اپنے حقیقی فریادرس کو پہچانو۔ ورنہ ظالم بن کر عذاب کے مستحق قرار پاؤ گے۔

امام زین العابدین علیہ السلام کی دعا سے ماخوذ ہوتا ہے کہ شیطان کی آزمائش سے عمدہ براء ہونا امر محال نہیں تو قریب امر محال ضرور ہے۔ خود خدائے بزرگ و برتر نے بھی سورۃ بلد میں اسے ایک دشوار گزار گھاٹی قرار دیا ہے۔ اور یہ بھی کہتا ہے کہ انسان نے اسے سرنہ کیا۔ اسے سر کرنا تو اللہ کے چند مخلص بندوں ہی کا کام ہے۔ شیطان نے بھی بڑے اعتماد سے اعلان کیا تھا کہ میں سوائے تیرے چند مخلص بندوں کے سب ہی کو گمراہ کر دوں گا۔

سوچنے کا مقام ہے کہ آخر اس ظالم، طاقتور اور سفاک دشمن کو اس قدر قوت دے کر انسان پر مسلط کیوں کر دیا گیا؟ ہم اس کا جواب یہی پاتے ہیں کہ امتحان بقدر رفعت، مرتبہ و درجہ ہی ہونا چاہیے۔ انسان کو اللہ نے اپنے محبوب

کے نور سے نواز کر اشرف المخلوقات کا اعزاز بخشا۔ اسے اپنا خلیفہ قرار دیا۔ اتنے جلیل القدر مرتبے کیلئے امتحان بھی اتنا ہی سخت ہونا چاہیے تھا۔ چنانچہ اس کیلئے شرط اول خدا نے اپنی بندگی کو قرار دیا۔ یہ شرط بظاہر معمولی لگتی ہے۔ مگر درحقیقت ایک ناقابل تسخیر گھاٹی ہے۔ جسے شیطان اپنی گوناگوں چالوں اور فریب سے دشوار ترین بنا دیتا ہے۔ شیطان کے طریق کار کی وضاحت انسان کی ہدایت کیلئے قرآن مجید میں جا بجا ملتی ہے۔ مثلاً ”میں مادی چیزوں کو دلکش انداز میں آراستہ کر کے ان کے سامنے پیش کروں گا۔“ اور ان سب کو گمراہ کروں گا۔ میں تیری صراط مستقیم پر بیٹھ جاؤں گا۔ اور ان پر ان کے آگے سے پیچھے سے ان کے دائیں اور بائیں سے حملہ کروں گا۔ اور تو ان کی اکثریت کو شکر گزار نہیں پائے گا۔ میں ان سے جھوٹے وعدے کروں گا۔ میں ان کی امیدوں کو دراز کروں گا۔ وغیرہ وغیرہ۔

فریب کاری کے متذکرہ بالا تمام حربے کسی ایسے غافل پر جو اپنی منفعت اور نقصان کے احساس و صحیح تصور سے بے نیاز ہو انتہائی موثر ثابت ہوتے ہیں۔ شیطان انسان کی غفلت پسند طبع کے مد نظر عارضی و فانی دنیا کو بنا سنوار کر اس کے سامنے پیش کرنے کے منصوبے بناتا رہتا ہے۔ اور غافل انسان چند بے حقیقت غیر مستقل مفادات کے پیش نظر انمول ابدی اور غیر فانی نعمات ایسے کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ حالانکہ خدائے رحیم نے انسانوں کو شیطان کے فریب سے بچانے اور محفوظ رکھنے کیلئے دنیائے فانی کی حقیقت کو کھول کر بیان کیا ہے۔

شیطانی جارحیت کا مرکزی نشانہ صراط مستقیم ہے

شیطان کی جارحیت کا مرکزی نشانہ ”صراط مستقیم“ ہے۔ اعلانِ غدیر کے بعد جب اللہ نے دین کی تکمیل اور نعمت کے اتمام کا مژدہ نازل کر کے اس جلیے کی

کارروائی کو منظور و مقبول فرمایا تو ارشاد پیغمبرؐ کے مطابق جنبہ بشری میں ذات وحی رسولؐ، ولی اللہؐ، امیر المومنین علی علیہ السلام ”صراط مستقیم“ قرار پائے۔ لہذا شیطان نے اس محاذ پر اپنی پوری شدت کے ساتھ تابوتوڑ حملے کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ اور انسان کو اس راہ سے دور رکھنے میں اپنی استطاعت اور قوت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ جس کے سبب دعویداران ایمان خدا کی تنبیہ کے باوجود شیطانی دام فریب میں پھنس گئے۔ جس کا خیازہ بھگتنا ایک ناگزیر امر تھا۔ اللہ نے فرمادیا تھا کہ مسلمان (مطیع کامل) بنے رہنا مگر لوگ ہک گئے۔

صراط مستقیم اہل بیتؑ کا راستہ ہے

قرآن مجید میں ہے کہ۔

”اور تم لوگ کیوں کر انکار کرتے ہو۔ جب کہ تم وہی ہو جن پر اللہ کی آیتوں کو پڑھا جاتا ہے۔ اور تمہارے اندر اس (اللہ) کا رسول موجود ہے۔ پس جس نے اللہ کی پناہ چاہی بے شک وہی صراط مستقیم کی طرف ہدایت کیا گیا۔ اللہ سے ڈرو۔ اس طرح کہ جس طرح ڈرنے کا حق ہوتا ہے۔ اور (دیکھو) اس حال میں نہ مرنا کہ تم مطیع کامل نہ بن چکے ہو“

(سورۃ آل عمران۔ آیات ۱۰۱ اور ۱۰۲)

المختصر ”صراط مستقیم“ کی معرفت و ہدایت وہ انعام خاص ہے جو اللہ کے مخلص بندوں پر ہوتا ہے۔ اور جس سے اعراض و انحراف کرنے والے نعمت الہی سے محروم ہی رہتے ہیں۔

رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر امت کا خیر اندیش، ہی خواہ، ہمدرد اور نصیر کون ہو سکتا ہے۔ اسی لیے سرکارؐ نے گاہے بگاہے امت کو ”صراط مستقیم“ کی نشاندہی ہر ممکن طریقے سے

کروانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ کبھی تلقین فرمائی۔

”انا صراط المستقیم الذی امر کم بالتباعہ ثم علی من بعدی ثم ولدی من صلبہ“

میں ہوں صراط مستقیم کہ جس کی اتباع کا تم کو حکم دیا گیا ہے۔ پھر میرے بعد علی ہیں پھر ان کی صلب سے میری اولاد (صراط مستقیم) ہے۔

(تفسیر ثعلبی تفسیر معالم التنزیل بغوی، انوار الفرقان صفحہ ۶۸)
اکثر خبردار فرماتے ہوئے ارشاد کیا۔

”اگر تم نے علیؑ کو اپنا امیر و رہبر بنایا تو تم اسے ہدایت یافتہ اور ہدایت کرنے والا پاؤ گے۔ اور وہ تمہیں ”صراط مستقیم“ پر لے جائیگا۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ایسا نہیں کرو گے“

(مشکوٰۃ باب مناقب عشرہ مبشرہ اور مسند احمد حنبلی)

متعدد فرمودات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ ”صراط مستقیم“ ہادی اعظم، سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے اہل بیت طاہرین علیہم السلام کا راستہ ہے۔ جس نے حضورؐ کے بعد آپؐ کے اہل بیتؑ کو اپنا رہبر اور مرکز ہدایت مانا وہی صراط مستقیم پر ہے۔

صراط مستقیم جو دراصل ”اتباع و اطاعت محمد و آل محمد علیہم السلام ہے۔“ ایسا راستہ ہے جس پر چلنے والے ہر راہی کو رب العالمین نے خصوصی انعامات سے نوازا ہے۔ یعنی ان خوش نصیبوں کو اللہ نے تمام صفات فائدہ سے آراستہ فرمایا ہے۔ ہادی دنیا کی نعمتیں اور اخروی انعام اس راستے پر گامزن رہنے کا صلہ یا فطری نتیجہ ہیں۔

پیغمبرؐ غیب دان نے ارشاد فرمایا کہ۔

”روز قیامت جب خدا اولین و آخرین کو جمع کرے گا اور جہنم پر ایک پل نصب

کرے گا تو اس پہل پر سے وہی گذر سکے گا۔ جس کے پاس علی بن ابیطالب کا پروانہ (نجات) ہوگا۔

(ریاض النفرہ۔ محب اللبری)

اسی طرح حضرت ابوبکر کا قول ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

”لا یجوز لحد الصراط الا من کتب له علی الجواز“۔

کوئی ایک بھی صراط سے نہ گزر سکے گا مگر وہ کہ جسے علیؑ پروانہ راہداری لکھ دیں گے۔

(صواعق محرقہ ابن جریر)

مگر افسوس! شیطان جو کبھی غافل نہیں ہوتا۔ ”صراط مستقیم“ پر ناک لگائے بیٹھ گیا اور لوگوں کو دنیا کی زمینوں سے گمراہ کرنے لگا۔ اور ہر طرف سے حملہ آور ہو رہا ہے۔ اللہ کی پناہ کے طلب گار ہیں۔

۔ لا یجوز احد“ کے الفاظ میں خود راوی حدیث بھی شامل ہیں کہ اسٹی نہیں ہے

واقعہ عید غدیر کا امت پر معکوس اثر

عید غدیر کا سعید روز جہاں اسلام کی پسندیدگی، تکمیل دین اور اتمام نعمت کا مبارک ترین دن قرار پاتا ہے۔ دوسری طرف غافل مسلمانوں کیلئے مصیبت عظمیٰ اور اذیت کبریٰ کا یوم اول ٹھہرتا ہے اس دن ملت اسلامی میں ایسا بڑا رخنہ پیدا ہو گیا جس کا اثر بد قیامت تک باقی رہے گا۔ اسلام اور اسلام والوں پر گذشتہ ڈیڑھ ہزار برس میں ہر طرح کی مصیبتیں اور آفتیں آتی رہیں۔ اسلام اپنے خون میں غوطے کھاتا رہا۔ سلطنتیں قائم ہوتی رہیں اور ملیا بیٹ ہوتی گئیں۔ فتنوں کے اس سیلاب میں روز افزوں تیزی ہو رہی ہے۔ اور رسول غیب دان نے ”کتاب الفتن“ میں امت کو قبل از وقت ان فتنوں سے آگاہ فرمادیا تھا۔ مگر ان فتنوں کا سبب اول

اعلان غدیر ہی بنتا ہے اس کا سرچشمہ میدان غدیر میں ملتا ہے۔

میدان غدیر میں چالاک شیطان کا شب خون مارنا

”تکمیل دین“ کے ساتھ ہی دین کا راستہ ”صراط مستقیم“ پانیہ تکمیل کو پہنچا۔ تو شیطان کے لئے یہ محاذ طویل و مضبوط ہو گیا۔ مگر اس نے جی چھوٹا نہ کیا۔ صورت حال کا بغور جائزہ لینے میں مشغول ہوا اور جلد ہی اسے ایک تدبیر سوچی۔ چنانچہ میدان غدیر میں اچانک شب خون مارا۔ بڑی پھرتی سے حملہ آور ہو کر اکثریت کو مغلوب و محکوم بنانے میں کامیابی حاصل کر لی۔ یہ حملہ اس قدر شدید تھا کہ خود پیغمبرؐ وادی عقبہ میں بال بال بچے۔ امت کا رخ دین صراط مستقیم اتباع رسولؐ اور اطاعت وصی رسولؐ سے پھیر کر جاہ پرستی اور مادی اقتدار کی جانب موڑ دیا گیا تفریق، اختلاف اور فرقہ بندی کی راہیں جاری ہو گئیں۔ صراط مستقیم پر چلنے والوں کی تعداد میں تخفیف ہوتی گئی لہذا اسلام جو گروہ بندی کو مٹانے کے لیے آیا تھا خود جماعت بندی کا شکار ہو گیا۔ اللہ نے جو اتمام نعمت اور تمکین کا وعدہ فرمایا تھا وہ بوجہ کفران نعمت کے مکمل طور سے نتیجہ خیز نہ ہو سکا بلکہ اس کا ایقانے کلی اس وقت تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا کہ جب تک امت کفران نعمت کی عادت کو ترک کر کے صراط مستقیم کی جانب اپنا رخ موڑ لے۔ اور خدا کی بندگی جو دراصل اطاعت رسولؐ خدا ہے کو نیک نیتی سے عملاً اختیار کر لے۔

خلاصہ بیان بزبان مسٹر جان ڈیون پورٹ

مسٹر جان ڈیون پورٹ کے منقولہ ذیل اقتباس پر ہم اپنی اس بحث کو سمیٹ کر آگے بڑھیں گے۔

”ان ہر دو فرقوں سنی اور شیعہ میں سے ایک نے رسولؐ کے سر حضرت

ابوبکر کو جانشین مانا اور دوسرے فرقے نے آپؐ کے عمراد اور داماد علیؑ سے جیسا کہ مقتضائے مزید انصاف اور حمیت ہے تو لا رکھی بائیں نظر کہ آپؐ ان سے (علیؑ سے) ہمیشہ محبت اور الفت علانیہ رکھتے تھے اور چند مرتبہ ان کو جانشین بھی مقرر کیا تھا۔ بالخصوص دو موقعوں پر (اول) جب حضورؐ نے اپنے گھر میں نبی ہاشم کی دعوت کی تھی اور علیؑ نے اظہار ایمان کیا حضرتؐ نے اپنی بائیں اس کے گلے میں ڈال کر چھاتی سے لگا کر با آواز بلند اعلان کیا۔

”دیکھو میرے بھائی، میرے وصی اور میرے خلیفہ کو۔“

- دعوت ذوالشیرہ

(دوم) جب رسولؐ نے اپنے انتقال سے چند ماہ پیشتر خطبہ پڑھا تھا بحکم خدا جس کو جبریل حضورؐ کے پاس لائے تھے اور یوں کہا تھا کہ اے پیغمبرؐ آپؐ پر صلوة و رحمت خدا کی طرف سے لایا ہوں اور اس کا حکم آپؐ کے پیروؤں کے نام جس کو آپؐ بغیر تاخیر کے سنا دیں۔ اور شیروں سے کچھ خوف نہ کیجئے۔ اس واسطے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہے اور آپؐ کو لوگوں سے بچائے گا۔ اس حکم کے مطابق حضورؐ نے حضرت انس بن مالک سے فرمایا کہ لوگوں کو جمع کرے جس میں حضورؐ کے پیروکار اور یہودی و نصرانی اور مختلف باشندے بھی حاضر ہوئے۔ یہ جمعیت مقام خم غدیر پر ہوئی جو شہر جحفہ میں مکہ و مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ اس مقام کو صاف کیا گیا۔ ۱۰ اپریل ۶۳۲ء کو حضرت ایک بلند منبر پر گئے جو وہاں ان کیلئے نصب کیا گیا تھا۔ اور جبکہ ہزاروں حاضرین نہایت توجہ سے سنتے تھے۔ ایک خطبہ حضورؐ نے بڑی شان و شوکت اور فصاحت و بلاغت سے پڑھا.....

حضورؐ نے فرمایا۔

”اے لوگو! میں صرف بندہ محکوم ہوں۔ اور مجھے حکم الہی ملا ہے۔ میں اس کی تعمیل میں سر نیاز بکمال خشوع و خضوع ادب جھکاتا ہوں۔ تین مرتبہ

جبرئیل میرے اوپر نازل ہوئے اور تینوں دفعہ انہوں نے مجھے حکم پہنچایا کہ میں اپنے پیروکاروں سے خواہ وہ گورے ہوں یا کالے یہ ظاہر کر دوں کہ علی میرا خلیفہ اور وصی اور امام ہے۔ اور وہ میرا گوشت میرا خون ہے۔ مجھ سے ایسے ہے جیسے ہارون موسیٰ سے تھے اور میرے بعد وہ تمہارا ہادی ہوگا۔ اور جب میں اس دنیا سے رحلت کر جاؤں تو میری امت کو اس کی اطاعت و فرمانبرداری ویسے ہی کرنا چاہیے جس طرح کہ میری جبکہ میں زندہ ہوں۔ جس نے علیؑ کی نافرمانی کی اس نے خدا اور رسولؐ کی نافرمانی کی۔ اے دوستو! یہ خدا کے احکام ہیں علیؑ نے مجھ سے تمام وحی سیکھی ہے جو مجھ پر وقتاً فوقتاً نازل ہوئی۔ جو اس حکم کو نہ مانے گا اللہ کی دائمی لعنت اس کے سر پر سوار رہے گی۔

خدا نے قرآن کے ہر سورے میں علیؑ کی تعریف کی ہے۔ میں بار دیگر کہتا ہوں کہ علیؑ میرا عم زاد ہے، میرا دوست ہے، میرا خون ہے، اور خدا نے اسے بہت نادر خوبیاں عطا کی ہیں۔ بعد ان کے انکے فرزند حسنؑ اور حسینؑ ان کے جانشین ہوں گے۔ اس خطبے کے تمام ہونے پر ابو بکر، عمر، عثمان، ابوسفیان اور دوسرے لوگوں نے علیؑ کے ہاتھ چومے اور ان کو جانشین پیغمبرؐ ہونے کی مبارکباد پیش کی۔ اور اقرار کیا کہ ان کے تمام احکامات کو سچے طور پر بجالائیں گے۔

(ایسے ان دی کیلافت بحوالہ تاریخ اسلام جلد نمبر ۳ باب نمبر ۲ صفحہ نمبر ۲۴)

اللہ نے صراط مستقیم کی حفاظت کا دائمی بندوبست کر دیا

محفوظ رہے کہ نعمات دنیا کم و بیش فانی زندگی میں ہر ذی حیات کو حاصل ہیں۔ کافر ہو یا مومن، فاسق و جابر ہو یا زاہد و متقی نعمات حیات سے ہر کوئی فیض یاب ہے۔ لیکن وہ خصوصی انعامات جو اس راہ مستقیم پر چلنے سے مشروط ہیں ان کے خواص و کمالات اپنی امتیازی شان رکھتے ہیں۔ یقیناً ”وہ ایسے محیر العقول نعمات ہیں جو مادی و روحانی دونوں زندگیوں میں کلی تسکین کا سبب ہوتے ہیں۔“

”عقل“ انسان کی فطری ہدایت کا ایک مرحلہ ہے۔ جس نے انسان کے سامنے غیر محدود ترقی کا ایک راستہ کھول دیا ہے۔ اسی کی بدولت وہ ارضی و سماوی کائنات کی مخلوقات کا خلاصہ قرار پایا ہے۔ عقل کی یہ فذرتی ہدایت حواس کے اور اک کی اصلاح کرتی ہے۔ اور ان کے اسباب کی تصحیح کرتی ہے۔ لیکن حواس کے مانند عقل بھی خطا کرتی ہے۔ جو ایسی ہدایت کی محتاج ہے جو اسے نفسیاتی خواہشات کی تاریکیوں سے نکال کر جذباتی غلبوں سے محفوظ رکھے۔ اور اعتدال کی راہ پر متوازن لائحہ عمل اختیار کرنے کے قابل بنائے رکھے تاکہ ظلم و فساد کا خدشہ نہ رہے۔ اور امن و سلامتی اور سکون کو کسی قدم پر ٹھیس نہ لگے۔ بس یہی کام ”دین“ کا ہے۔ دین فطرت و معرفت کی ہدایت کا انتظام خلاق کائنات رب العالمین نے اپنے ذمے لیا ہے جس طرح کہ نظام ربوبیت کا بندوبست اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ وجدان طبعی کی ہدایت کے ساتھ حواس کی ہدایت ضروری ہوتی ہے کیونکہ وجدان کی ہدایت ایک خاص مقام سے آگے نہیں بڑھ سکتی اس طرح حواس کی ہدایت بھی محدود ہوتی ہے لہذا عقل کو

بطور ہادی و دلیعت کیا گیا ہے مگر اس کو بعض شرائط کا پابند بنا کر چراغِ راہ کا مقام تو عطا کر دیا گیا مگر منزل مقصود قرار نہ دیا گیا۔ عقل کی فطری خامی کو ہدایت وحی سے دور کیا گیا۔ چنانچہ وحی و نبوت کی ہدایت نے انسان کو اس کے مقصد حیات سے درجہ بدرجہ متعارف کرایا۔ خود شناسی اور خود سازی کے تقاضوں سے آگاہ کیا۔ آغاز و انجام سے مطلع کیا۔ خالق و مخلوق کے فرق کو واضح کرتے ہوئے معرفت الہی سے روشناس کرایا چنانچہ جب انسان نے اپنے خالق حقیقی کی ربوبیت و رحمت و قدرت و حاکمیت کا اعتراف کر لیا۔ رشد و غیثی میں امتیاز کرنا سیکھ گیا تو اب نبوی ہدایت کا دروازہ بند کر دینے سے پہلے اللہ نے اپنے دین کے راستے یعنی ”صراط مستقیم“ کی حفاظت کا بندوبست کرنا ضروری سمجھا جو ہدایت کے سلسلے کا آخری مرحلہ تھا۔ چنانچہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو روز غدیر یہ اعلان کرنے کی ہدایت جاری کی گئی کہ اب چونکہ سلسلہ نبوت اختتام پذیر ہو رہا ہے لہذا میرے بعد صراط مستقیم کے نگہبان میرے اہل بیت ہیں جن کا قائد میرا بھائی، میرا وصی، میرا خلیفہ اور میرا وارث علی بن ابی طالب علیہ السلام ہے۔ جیسے ہی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے حکم خدا کی تعلیم میں اعلان غدیر نشر فرمایا۔ اللہ نے فوراً دین کی تکمیل اور نعمت کے اتمام کا اعلان کر کے دین اسلام کو پسند فرمایا۔ لہذا اب ہر مسلمان کے لئے لازم ہو گیا کہ وہ ”صراط مستقیم“ پر ثابت قدم رہنے کے لئے اطاعت رسولؐ سے کنارہ کشی اختیار نہ کرے اور راہ حق پر گامزن رہنے کی خاطر ہر طرح کے سیاسی، نسلی، لسانی، قلبی اور ذہنی تعصب کو چھوڑ کر مطیع کامل یعنی مسلم کی مانند غور و فکر اور عقل سلیم سے کام لے کر عاقبت انفسی کا ثبوت دے۔

مکتب اہل بیتؑ کی امتیازی خصوصیات

”مسلم“ مطیع کامل کو کہتے ہیں۔ لہذا اسلامی نظریات کی اساس اطاعت ہے۔ اطاعت سے روگردانی انکار ہے جو ”کفر“ کہلاتا ہے۔ اویان عالم اور مذاہب اسلامی میں مکتب اہل بیتؑ رسولؐ کی امتیازی خصوصیات ہیں کیونکہ اس مکتب کی پوری عمارت ستون اطاعت و اتباع پر قائم ہے جب تقابلی جائزہ لیا جائے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس مکتب کے جس قدر بھی امور ہیں وہ اتنے مناسب اور معقول ہیں کہ بلا لحاظ زمان و مکاں تمام حالات میں موزوں قرار پاتے ہیں ہر بات ایسی نئی تلی ہے کہ صاحب عقل سلیم کو انگشت نمائی کا موقعہ نہیں ملتا۔ اس کے تمام مسلمات خرد و ادراک کے عین مطابق اور فطرت کے ہم نوا ہیں اور یہ خاصیت اسے جملہ مذاہب و مسالک سے ممتاز کرتی ہے بے شک اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا مذہب مذہب اور لائق تقلید نہیں ہے۔ یہی اللہ کا پسندیدہ دین اسلام ہے۔ یہ دعویٰ اپنی جگہ سر آنکھوں پر۔ مگر عبادات، معاملات اور اخلاقیات کی بیشتر اقدار پر مذہبی دنیا کا اتفاق ہے۔ عقیدوں یا طریقوں کا فرق تو ضرور ہے۔ مگر انسانی معاشرت میں نیکی بلا تفریق مذہب و ملت ایک پسندیدہ شے ہے اور بدی متفقہ طور پر ایک ناپسندیدہ چیز ہے۔ آج کی اصطلاح میں لوگ اس کو انسانیت کا مذہب کہتے ہیں جسے لا دین اور بے مذہب اقوام بھی تسلیم کرتی ہیں۔ پھر آخر اسلام کو قبول کرنا کیوں ضروری ہے؟ جب کہ دنیا میں مسلمانوں کی حالت غیر مسموں سے ابتر بھی ہو؟

اسلام قبول کرنا کیوں ضروری ہے؟

ہم کہتے ہیں کہ اسلام انسان کی فطری ضرورت ہے۔ لہذا اسے قبول کرنا ضروری ہے مثلاً ”یہ کہ انسان فطرۃً حریت پسند ہے وہ چاہتا ہے کہ جو وہ چاہے ویسا ہو جائے۔ اور مادی دنیا میں ”خصوصاً“ ہر شخص یہ خواہش رکھتا ہے کہ اسے

تمام دنیوی نعمتیں حاصل ہوں اور وہ اپنی زندگی آرام و راحت اور سکون سے بسر کرے۔ اسلام چونکہ از خود فطرت بھی ہے اور فطرت شناس بھی لہذا وہ اس ضرورت کو پورا کرنے کی ضمانت دیتا ہے صرف ایک شرط کے ساتھ۔ جب کہ کوئی غیر اسلامی نظریہ انسان کی اس آرزو کو پورا کرنے کا چیلنج قبول نہیں کرتا۔ اب چونکہ اسلام کے سوا کسی اور نظریے میں اتنا بڑا چیلنج قبول کرنے کی اہلیت نہیں۔ لہذا فاطر فطرت نے صرف اسلام کو ہی پسندیدہ دین قرار دیا۔ پس یہی قابل قبول دین ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ کیا واقعی اسلام کو قبول کر کے بندہ مسلم ایسا ہو جاتا ہے کہ وہ جو چاہے وہ ہو جائے۔

کیا مسلم جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے؟

کم سے کم ایسا ظاہری آنکھوں کو تو نظر نہیں آتا کیونکہ دنیا میں مسلمان مشکل لئے مارے مارے پھر رہے ہیں البتہ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ یقیناً "بندہ مسلم اس بلند مقام پر فائز ہوتا ہے کہ جہاں ہر تقدیر سے پہلے خدا اپنے بندے کی رضا پوچھتا ہے اور اس کی دلیل ہم آئندہ پیش کر رہے ہیں۔

اکائی کا نقطہ

ہم اس امر کی جانب متوجہ کرانا ضروری سمجھتے ہیں کہ بعض فطری اقدار مشترکہ کا سطحی مطالعہ کر کے یہ نظریہ قائم کر لینا کہ اسلام کی طرح دیگر مذاہب بھی نیکی کا حکم کرتے اور بدی پر ممانعت وارد کرتے ہیں لہذا دین اسلام کی کوئی مخصوص نظریاتی اساس نہیں، غیر پختہ تحقیق کا ناقص نتیجہ ہے۔ حالانکہ اسلام کا ایک مخصوص طریقہ ہے جو اسے دیگر طریقوں کے مقابلے میں ممتاز حیثیت دیتا ہے۔ کہ تمام ادیان و مذاہب میں اسلام واحد دین ہے جو سو فی صد اجتماعی ہے سلائی تعلیمات مروجہ نصرانی تعلیمات کی طرح فقط اخروی بھلائی کی فکر مند نہیں بلکہ اسلام ڈنکے کی چوٹ پر مادی خوش بختی کا طالب و ضامن، بچے، ادا، مرہ، کا

موجودہ مذہب اپنی تربیتی و تعلیمی سرگرمیاں فقط ایک قوم تک محدود رکھتا ہے جب کہ اسلامی تعلیمات پوری انسانیت پر محیط ہیں اسی طرح آتش پرستوں، مجوسیوں اور اہل یہود کے نظریات اخلاقیات و عملیات پر مبنی کچھ موضوعات تک محدود رہتی ہے۔ جب کہ اسلامی دائرہ ساری کائنات کے گرد حلقہ باندھتا ہے اسلام میں دائمی طور پر ہمہ وقت اور ہر جگہ تمام لوگوں کی تعلیم و تربیت اور دونوں جہانوں کی زندگی میں خوش بختی کو مد نظر رکھا گیا ہے چنانچہ کائنات اور انسان کی تخلیق کے بارے میں جن خیالات کا انسانی دماغ میں پیدا ہونا ممکن ہے اسلام کی تعلیمات میں ان سب کا مطالعہ سیر حاصل طریقے سے کیا گیا ہے اور جو اخلاق نفس انسان میں جاگزیں ہو سکتے ہیں یا جو افعال حیات بشری میں وقوع پذیر ہو سکتے ہیں ان سب کو زیر غور لایا گیا ہے اسلام خیالات کا تجزیہ اپنے مخصوص حقیقت پسندانہ پہلو کی روشنی میں کرتا ہے اس میں عقل سلیم کی کارکردگی خصوصی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ چنانچہ حق جو اسلام کے اصول معارف، اخلاقیات، فقہ اور عملیات، جب تحقیقی نظر ڈالتا ہے تو اسے ایسے ناپیدا کنار سمندر کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ جس آ گہرائی اور وسعت کا اندازہ لگانے سے انسانی عقل عاجز ہے اسلام کا ہر جزو اپنے دوسرے اجزاء سے اس قدر مربوط ہے اور متناسب ہے کہ سمٹ کر اکائی کا ایک نقطہ بن جاتا ہے۔ وہی نقطہ جس کے بارے میں خدا نے اپنے جلیل القدر پیغمبر کو و فرمائی۔

سکھ کی سانس

اگر ہم دور حاضر کی دنیا کے نام نہاد ترقی یافتہ معاشروں کے طور طریقہ کو غور سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ان سماجوں نے بے مثال علمی، اور صنعتی کامیابیاں حاصل کر لی ہیں مگر عالم انسانیت کے لئے سکھ کی ایک سانس

بھی کسی تجربہ گاہ، رصد گاہ یا کارخانے میں تیار نہیں کی جاسکی ہے۔ اس کے برعکس بد بختی، عدم تحفظ، غیر یقینی کیفیت اور بے قراری کے اتنے لمبے دروازے کھل گئے ہیں کہ گزشتہ نصف صدی سے بھی کم مدت میں دو مرتبہ عالم گیر جنگوں نے لاکھوں بے گناہ انسانوں کی جانیں لے لی ہیں۔ اور اب تیسری عالمی لڑائی کا خطرہ لاحق ہے۔ جس کے نتیجے میں عین ممکن ہے کہ انسانی نسل ہی نیست و نابود ہو جائے۔ یہی وہ ہیں جنہوں نے اپنی پیدائش کے روز اول ہی سے انسان دوستی اور آزادی کا نام بلند کر کے دنیا کی بیشتر اقوام کے گلے میں غلامی کا طوق لٹکا دیا ہے۔ دنیا کی متعدد قوموں کو استعمار کی زنجیروں سے باندھ کر غیر مشروط طور پر مغرب کے ماتحت کر دیا ہے۔ اور ایک چھوٹے سے گروہ کو کدوؤں بے گناہ انسانوں کے ماحول، جان اور آبرو کا مطلق العنان حاکم بنا دیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ترقی یافتہ قومیں اپنے اپنے ماحول میں مادی نعمتوں اور دنیوی لذتوں سے بہرہ ور ہیں ان کی بیشتر سماجی انصاف تعلیمی، صنعتی ترقی جیسی انسانی آرزوئیں پوری ہوئی ہیں لیکن اس کے برعکس وہ جن مصائب اور مشکلات میں مبتلا ہیں وہ ان کی محصورہ خوشیوں سے کہیں زیادہ غم ناک اور کرہ ناک ہیں۔ بین الاقوامی تضادات اور خون انسانی کی ارزانی، ڈرگ مافیا کی تباہی اور وبائی امراض و ناگہانی آفات و حادثات دنیا کو آئندہ بدتر حالات سے خبردار کرتے رہتے ہیں۔ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ یہ تمام کڑوے اور بیٹھے پھل اسی تہذیب کے درخت سے حاصل ہوئے ہیں اور ان قوموں اور معاشروں کے طرز زندگی کا براہ راست نتیجہ ہیں۔ جو بظاہر ترقی کے راستے پر گامزن ہیں۔ مگر جن بیٹھے میووں سے لطف اندوز ہو کر ان قوموں نے معاشرے کو خوش حالی سے ہم کنار کیا ہے ان کے درختوں کی جڑیں محنت، سچائی، دیانتداری، ایثار، فرض شناسی جیسے پسندیدہ اخلاق کا ایک سلسلہ ہے۔

دین اسلام کے جزوی سبق ”پسندیدہ اخلاق“ کی بدولت غیر مسلم اقوام ثمرات وصول کر رہی ہیں۔

یہ ”پسندیدہ اخلاق“ تمام مذاہب کا یکساں سرمایہ ہیں حتیٰ کہ ملحد و زندقہ بھی انہیں پسند کرتے ہیں پس ماندہ قوموں نے بھی ان سے کبھی انکار نہیں کیا۔ لیکن ایشیا اور افریقہ کی غریب قومیں بدستور بدنصیبی کا شکار ہیں۔ ”دین فطرت“ کی تعلیمات کے اس جزوی سبق کی بدولت پروردگار عالم کی صفات ربانی اور رحیمی کے طفیل بلا لحاظ مسلم و غیر مسلم ترقی یافتہ قومیں اس کا ثمرہ وصول کر رہی ہیں۔

دوسری طرف اس درخت کے کڑے پھل جو انسان کے منہ کا مزا خراب کرتے ہیں اور اس کی بدبختی اور بدنصیبی کا موجب بنتے ہیں۔ اور خود ان ترقی یافتہ قوموں کو دوسروں کی طرح بربادی کی طرف کھینچتے ہیں ان کا سرچشمہ ’حرص‘ طمع‘ بے رحمی‘ غور‘ سرکشی‘ نافرمانی جیسے ناپسندیدہ اخلاق ہوتے ہیں۔

مقدس دین اسلام اگرچہ ہمیں پہلی قسم کی صفات اپنانے کا حکم دیتا ہے اور دوسری قسم کی صفات سے منع کرتا ہے مگر عملاً ہم دیکھتے ہیں کہ دوسری صفت کا اثر تو فوری ظاہر ہو جاتا ہے جب کہ پہلی صفت کے ثمرات سے محرومی ہمارا مقدر بنتی رہتی ہے۔ اس احساس محرومی کا بہت قلق ہے ہمیں اسی الجھن کو دور کرنا مقصود ہے۔

مکتب اہل بیتؑ احساس محرومی کا صحیح علاج تجویز کرتا ہے۔

خطہ ارض پر رائج جتنے بھی نظام ہمارے مطالعے میں آتے ہیں کسی میں یہ اہلیت نہیں کہ وہ اس پریشانی کا علاج بتا سکے۔ البتہ مکتب اہل بیتؑ وہ واحد مدرسہ ہے جہاں اس مشکل کو رفع کرنے کے اسباق دیئے گئے ہیں۔ مکتب اہل بیتؑ جو اسلام کی حقیقی درس گاہ ہے اس مسئلہ کا حل بڑے متوازن طریقوں سے تعلیم دیتا

ہے۔ وہ کیا ہے؟ ہم آئندہ گفتگو میں ہدیہ قارئین کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔۔

مکتب اہل بیتؑ کے مطابق اسلام نوع انسان کو ”صراط مستقیم“ جیسے روشن راستے کی طرف دعوت دیتا ہے۔ تاکہ اس روشنی کے ذریعے اسے منزل مقصود تک پہنچا دے۔ لازماً یہ راستہ وہی ہے جو انسان کی فطری خواہشات اور حقیقی ضروریات کو پورا کرنے کا ضامن ہے۔ اور عقل سلیم جو بھی نظریہ رکھے وہ اس سے فطرۃً ہم آہنگ اور مربوط ہو گا مگر وہ طریقہ جس کی بنیاد ہوا و ہوس اور معاشرے کے بااثر افراد کی شہوت اور غصے کی جبلت کی تسکین پر ہو اور اس طرح وہ طریقہ جو آباء اجداد کی اندھی عقیدت کے طور پر اپنایا گیا ہو یا وہ اطوار جو ایک پس ماندہ اور کمزور قوم طاقتور قوموں کی نقالی کر کے اختیار کرتی ہے اور جو کچھ وہ قومیں کر رہی ہوتی ہیں اسے بغیر سوچے سمجھے محض ان قوموں کی مشابہت کی خاطر اپنالیتی ہیں گمراہی کا نتیجہ ہیں اور یہ روش ایسی ہے جو شیطان کو مطلوب ہے۔ اور ہمیشہ صراط مستقیم سے دور رکھتی ہے لہذا اس ڈگر پر چلنے والا انسان منزل مقصود سے محروم رہتا ہے قرآن مجید اس سلسلے میں فرماتا ہے کہ۔

”کیا وہ شخص جو حوہ تھا اور ہم نے اسے زندہ کر دیا (یعنی اس کو قوم دین عطا کیا) اور اسے روشنی دی جس کے ذریعے وہ زندگی بسر کرتا ہے۔ اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو مختلف قسم کی تاریکیوں میں پھنسا ہوا ہے جن میں سے کسی طرح بھی نہیں نکل سکتا“ (سورہ انعام آیت نمبر ۱۲۲)

ہر محرومی کا واحد علاج اطاعت رسولؐ ہے

آدمی جب دنیا میں آیا ہے تو اس کا دنیا دار ہونا ایک ناگزیر امر ہے۔ مگر دنیا کی زندگی قلیل اور عارضی ہے اسلام اس مختصر زندگی کی خوشگوار کی ساتھ

ساتھ اس کی ابدی روحانی زندگی کی فلاح پر بھی متوجہ رہتا ہے اور ایک چھوٹے
 حصے کی خاطر بڑے حصے سے غفلت اختیار کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ اس
 لئے وہ انسان کو بڑے لمبی چوڑی سوچ میں گرفتار نہیں کرتا۔ اس کی فطری خواہش
 کو جائز قرار دے دیتے ہوئے صرف اتنی خواہش کرتا ہے کہ ”اے انسان! میں
 تجھ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس چھوٹی سی دنیا کی مختصر عمر میں تو جو چاہے حاصل
 کرے مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر تمہاری حرکت کا اثر تمہاری ابدی اور طولانی
 زندگی پر پڑے گا۔ جس کا تجھے بالکل شعور نہیں ہے۔ اس لئے تمہاری دائمی
 حیات کو خوشگوار بنانے کے لئے اس کی ضرورت درپیش ہے کہ اپنی تمام خواہشوں
 تمناؤں، آرزوؤں کی یقینی تکمیل کے بدلے میں تم میری صرف ایک خواہش کو پورا
 کر کے ”مسلم“ ہونے کا ثبوت دے دو۔ میری وہ واحد آرزو محض یہ ہے کہ
 میرے رسول رحمت للعالمین کی اطاعت کرو۔ جس درجہ پر تم میری اس
 خواہش کا احترام کرو گے اس درجہ پر میں تمہاری حاجت روائی کا ذمہ قبول کرتا
 ہوں۔ پس ہر طرح کے احساس محرومی کا واحد شافی علاج اطاعت رسول حکیم
 ہے۔

۱۔ اطاعت رسولؐ ہی خدا کی اطاعت ہے (قرآن)

اسلام سے کنارہ کشی کا نتیجہ

چنانچہ محترم قارئین! جو لوگ اسلام سے کنارہ کش ہوئے شیطان نے دنیا کی
 چمک سے ان کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ شیطان نے جو کہ صاحب طاقت و اختیار
 بھی ہے ان کو صراطِ مستقیم سے دور رکھا اور ہوس دنیا میں مبتلا کر دیا۔ وہ دنیا
 حاصل کرنے میں مصروف عمل ہوئے اور اپنے دنیوی مقاصد کے حصول کے لئے
 ان کی جدوجہد بظاہر بار آور ثابت ہوئی۔ لہذا غیر مسلم اقوام کی ترقی ہمارے

نزدیک شیطانی طاقت کا مظاہرہ ہے جو عموماً ”غلبہ و تسلط بھی اختیار کر جاتا ہے۔ مگر یہ غلبہ ان کے حق پر ہونے کی دلیل نہیں۔ کیونکہ ان کی ترقی حقیقت میں ان کی بے چینی، بے قراری، بے سکونی، بے اطمینانی اور بے آرامی میں دن و گئی رات چو گئی ترقی بن چکی ہے۔ حتیٰ کہ سکون و آرام کی خاطر وہ منشیات کا سارا لینے پر مجبور نظر آنے لگے ہیں یعنی خود کشی کرنے میں مصروف ہیں۔

مسلمان کی خطا

لیکن اصل بات ہے مسلمان کی۔ اس پچارے نے آخر کیا خطا کی ہے کہ غیر مسلم اقوام کے مقابلے میں اس کی جدوجہد مطلوبہ معیار کے مطابق ہونے کے باوجود ثمرات سے خالی ہے جب ہم یہ سوال لے کر مکتب اہل بیتؑ کی جانب رجوع کرتے ہیں۔ وہاں سے جواب ملتا ہے کہ اللہ کے اس ارشاد کو غور سے پڑھو۔

یعنی ”جو کوئی ایمان لانے کے بعد (مسلمان ہو کر) کفر کرے ماسوائے مجبور کے کہ اس کا دل اندر سے ایمان سے مطمئن ہو۔ (تقیہ میں ہو) لیکن جنہوں نے اپنے سینے کو کفر (انکار) کے لئے کھول دیا۔ تو پس ان پر اللہ کا غضب ہے۔ اور ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے حیات دنیا کو حیات آخرت سے محبوب بنا لیا ہے اور بے شک اللہ کافروں کو ہدایت نہیں کرتا۔ (یہ دنیا پرست جو مادی حیات ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں) ایسے لوگ ہیں جن کے قلوب، سماعت اور بصارت پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور وہی تو ہیں جو غافل ہیں اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ لوگ بالآخر نقصان میں ہوں گے۔

(السورة النحل آیات ۱۰۶ تا ۱۰۹)

معلوم ہوا کہ شیطان کی سجائی ہوئی دلفریب دنیا کی حب جس میں انسان کو مبتلا کرنا ابلیس کا ہدف ہے ایسی خطرناک بلکہ مملکت چیز ہے جو مومن مسلمان ہونے کے باوجود مسلم کے درجے سے گرا کر مسلمان رہتے ہوئے بھی کافر بنا دیتی ہے۔ حب دنیا کی خاطر ہی انسان چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم نافرمانی یعنی انکار جیسے کفر کہا گیا ہے کرتا ہے۔ یعنی اطاعت سے تعطف کر جاتا ہے۔ اسلام کی فطرت شناسی اور حکمت آموزی ملاحظہ فرمائیے۔ سبحان اللہ! مجبور کو مستثنیٰ کر کے چاک گریبان کو گرفت میں لے رہا ہے۔ اور اس اجازت تقیہ کی حکمت عملی سے جو فوائد

موصول ہوتے ہیں ان کی سیاسی اور سماجی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے ان صفحات میں گنجائش نہیں ہے۔ اور یہ مفید عنوان بھی درس ہائے مکتب اہل بیتؑ کے سوا کہیں اور نہ ملے گا۔

اطاعت رسولؐ شیطانی حملوں کو پسپا کرنے کا موثر ہتھیار ہے

پس ثابت ہوا کہ اسلام کی مادی و روحانی فلاح کے لئے ضمانت دہی اس شرط سے مشروط ہے کہ مسلمان اپنے دامن کو ”اطاعت رسولؐ“ کی روگردانی سے پاک رکھے کیونکہ اسے ”کفر“ کہا گیا ہے لہذا رسولؐ کی فرمانبرداری کا ہر لمحہ اور ہر قدم پر لحاظ رکھنا اشد ضروری ہے تاکہ مسلمان ”اسلام“ کے ثمرات سے نفع اندوز ہوتے ہوئے مادی اور روحانی فلاح حاصل کر سکے۔ شیطانی حملوں کی صورت میں دشمن کا منہ توڑ جواب دینے اور اس پر غالب آنے کے لئے ”اطاعت رسولؐ“ بہت موثر اور کارگر ہتھیار ہے۔

صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کے لئے رسول کریمؐ کا تعلیم کردہ راستہ ”صراطِ مستقیم“ پر چلنے کی راہ میں شیطان کی نصب کردہ رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے ہادی اعظم سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ضروری حکم صادر فرمایا ہے۔ جس کی اطاعت امت کے ہر فرد پر ضروری ہے تاکہ اس پر عمل کر کے خود کو ہر طرح کے شر سے محفوظ رکھ سکے۔

صدیق صحابی رسول حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ۔
”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی۔ جس نے

علیؑ کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اسکی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی“

(مستدرک - امام حاکم نیشاپوری)

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے امیر المومنین علیؑ علیہ السلام سے فرمایا۔

یا علیؑ من اتبعک نجا ومن تخلف عنک هلك و انت الطريق المستقیم

اے علیؑ! جس نے تیری پیروی کی وہ نجات پاگیا اور جس نے تجھ سے انحراف کیا وہ ہلاک ہوا۔ تم واضح طریق اور صراط مستقیم ہو۔

(نیایح المودة علامہ قدوسی)

پھر رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تلقین فرمائی۔

ان تولوا علما تجلوه باحدا مہدیا یسلک بکم الطريق المستقیم

(کنز العمال)

اے مسلمانو! اگر تم علیؑ کو اپنا حاکم مانو گے تو اسے ہادی مہدی پاؤ گے وہ تمہیں صراط مستقیم پر چلائیں گے۔

اطاعت علیؑ ہر مومن پر واجب ہے۔

یہی وجہ تھی کہ بحکم خدا روز غدیر دربار عام میں شہنشاہ کونین نے اپنے جانشین امام علیؑ کی عملاً ”عمامہ پوشی کر کے ان کو مولائے مومنین مقرر فرما دیا۔ اس رسم کی پیروی و خوبی انجام دہی کے بعد خدا نے دین کی تکمیل اور نعمت کے اتمام کا اعلان کیا اب ہر صاحب ایمان پر واجب ہے کہ وہ پیغمبرؐ کے اس عالی شان حکم کی تعمیل میں سر تسلیم خم کر کے اپنے ”مسلم“ یعنی ”مطہح کامل“ ہونے کا ثبوت دے۔

تاریخی المیہ

تاریخی المیہ یہ ہوا کہ اس حکم پیغمبرؐ کے بارے میں امت دو گروہوں میں بٹ گئی۔ ایک طبقے نے اسے بدل و جان قبول کر لیا جب کہ اکثریت نے اس کو ماننے میں پس و پیش سے کام لیا۔ یعنی اطاعت رسولؐ سے عملاً ”پہلو تہی اختیار کر کے انکار کیا ایسا انکار جسے کتاب خدا نے ”کفر بعد الایمان“ قرار دیا ہے۔ لامحالہ اس کا نتیجہ غضب خدا، عذاب خدا، عذاب عظیم، حب دنیا، غفلت، قلوب پر سماعت پر اور بصارت پر مہر ثبتی، اور انجام کار نقصان ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

امت میں تفرقہ

تاریخ بین سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ رحلت رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فوراً بعد جب امت نے اپنے خیر اندیش نبیؐ کے حکم سے آنکھیں چرائیں تو دنیا کی نگاہ نے دیکھا کہ حضورؐ کی پیش گوئیوں کے عین مطابق غضب خدا کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے اور اس کا اول اثر اتحاد ملی پر پڑا۔ کہ امت دو پارٹیوں میں بٹ گئی۔ اتفاق کی برکت اٹھالی گئی۔ فتنوں نے سراٹھانا شروع کئے۔ حدیث کی کتابوں میں پیغمبرؐ کے ہزار سے زائد فرمودات دور فتن سے متعلق ہیں ان کا مطالعہ کرنے سے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ مسلمان مغضوب ہو گئے۔ دنیا کا سب سے بڑا عذاب بے سکونی ہے۔ امت اس دن سے سکون کے لئے ترس رہی ہے اور ایک لمحہ بھی تاریخ میں ایسا پر سکون دکھائی نہیں دیتا جسے اجتماعی لحاظ سے خوف سے مبرا قرار دیا جاسکے۔ حب دنیا ایسی غالب آئی کہ بھائی نے بھائی کا گلا کاٹنے سے دریغ نہ کیا۔ حرص مال، زمین پر حربی فساد، عصیت کے انتشار، داخلی خلفشار اور خارجی یلغار کے

عفریت دندنے لگے۔ حرص مال، ہوس اقتدار، لوٹ مار اور غارت گری کے بازار گرم ہو گئے غفلت نے اسلامی سرزمین کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ذہن پر اگندہ ہو گئے۔ سوچ تخریبی ہو گئی دلوں میں شقاوت پیدا ہوئی لشکر کشی کے غوغا نے حق کی آواز کو کانوں تک نہ پہنچنے دیا۔ طبل جنگ اور ہتھیاروں کی جھنکار کے غل سے علمی مواعظ سے قوت سماعت مستفیض ہونے سے قاصر رہی۔ آنکھوں پر غفلت کی پٹی بندھ گئی۔ خونی نگاہوں کو کشتوں کے پتے بنانے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ہوس نے اندھا کر دیا۔ آنکھوں پر ایسی سرنگی کہ آج وہ تذکرے سنتے ہوئے بھی آنکھیں چرائی پڑتی ہیں۔ اور یہ سب کچھ دن بدن مختلف ماحول و کیفیت کی مناسبت سے روز افزوں ترقی پر ہے اور اپنے طبعی انجام تک پہنچ کر دم لے گا۔

اگر پیغمبرؐ کے حکم سے انحراف نہ کیا جاتا تو یقیناً ”اسلام اپنے ”مسلم“ کو حسب وعدہ دنیا و آخرت کی حسنت سے مالا مال کرتا۔ اب مسلمان تو اپنی نافرمانی کی سزا و پاداش میں گرفتار ہوئے اب وہ لاکھ جتن کریں اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے کے لئے جتنے مرضی اعمال بجالائیں، نیکیاں کریں، روزانہ نظام اسلام کا دھندورا پیٹیں۔ تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف رہیں ان کا خاطر خواہ اثر ہرگز نہ ہو گا کیونکہ اللہ کے وعدے سچے اور اس کی پکڑ مضبوط ہوتی ہے۔

اعمال میں تاثیر کیوں نہیں؟

یہ حقائق ہیں لہذا کچھ تلخ اور کچھ ترش بھی ہیں۔ آپ خود احوال امت
 بخش نفیس ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ مسلم امہ کی اکثریت جو آج تک حکم
 رسول مجربہ روز غدیر سے اعراض کیے ہوئے ہے اسلام کے حقیقی ثمرات سے
 بہرہ مند نہیں ہے حالانکہ وہ سارے کے سارے نہ سہی مگر ان کی خاصی تعداد
 شرعی احکام کی ظاہری پابند نظر آتی ہے۔ قیام صلوٰۃ، نظام زکوٰۃ، اہتمام صوم،
 جذبہ جہاد اور عزم حج بیت اللہ کے علاوہ اپنی دانست میں اسلامی تعلیم کی
 روشنی میں مکارم اخلاق اور حسن معاملات میں انفرادی اور اجتماعی طور پر
 خلوص نیت کے ساتھ مسلمان مصروف اعمال ہیں۔ قرآن کے حافظوں اور
 قاریوں کی کمی نہیں۔ مگر دیکھتے ہیں ان نمائشی اعمال صالحہ کا موصولہ نتیجہ کچھ
 برآمد نہیں ہوتا۔ البتہ فطری قانون جو دنیوی قانون بھی ہے۔ یہ ہے کہ ہر عمل
 کا ایک رد عمل ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں اعمال صالحہ کا رد عمل از خود
 ضرور برآمد ہوتا ہے۔ چنانچہ اکثر و بیشتر لوگوں کی حاجتیں بمطابق ترکیب و
 ترتیب کرنے سے پوری ہو جاتی ہیں۔ یا دعائیں منظور ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ میوہ
 لذیذ ہے لہذا اس کی لذت تو ہر ایک کو محسوس ہوگی مگر اس کے اندر جو تاثیر
 قوت شفا یا مضرت پوشیدہ ہے وہ کھانے والے کے مزاج کے مطابق ایک خود
 کار نظام قدرت کی زیر نگرانی اثر انداز ہوگی۔ جس کی کھانے والے کو خبر بھی
 نہ ہوگی۔ مثلاً ”آم پھلوں کا بادشاہ ہے۔ بہت لذیذ پھل ہے۔ اسے ہندو
 کھائے یا مسلمان۔ دونوں کو مزہ آئے گا۔ یعنی اس کے ظاہری ذائقے سے ہر
 کوئی لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ مگر اس کے اندر چھپے ہوئے جو خواص ہیں ان
 کے اثرات کھانے والے کی طبیعت پر منحصر ہوں گے۔ ایک نوجوان تو مند جب

آم کھائے گا۔ تو وہ اسے حرارت اور توانائی بخشنے گا۔ لیکن وہی آم اگر ایک فیاض کا مریض کھائے گا۔ تو وہ اس کی شکر میں اضافہ کر کے اس کی صحت پھر برا اثر ڈالے گا۔ چنانچہ اسی مثال کی روشنی میں آپ اعمال صالحہ کو دیکھیں۔ ان کو بجالانے سے ان کی ظاہری لذت کا حاصل ہونا تو عین ممکن ہے مگر نافرمانی رسولؐ کے مریض کے لئے ان سے شفا کی امید رکھنا خود فریبی ہے۔ اس لئے آج کی نسل جب مذہب کی طرف راغب ہوتی ہے اور اعمال بجالاتی ہے۔ مگر حسب پسند نتائج حاصل نہیں کرتی تو آمادہ بغاوت ہو جاتی ہے اور اصلی سبب کی طرف توجہ نہیں کرتی۔

فضائل قرآن

اللہ کا شکر ہے کہ اس کے فضل سے مسلمان کے ہاتھ اللہ کی کتاب ہے۔ اس کے حفاظ بھی خیر سے اچھی خاصی تعداد میں ہیں تلاوت بھی جاری رہتی ہے مگر ”اسلام“ اپنی کتاب کے فضائل میں دعویٰ کرتا ہے کہ اس میں خشک و تر کا علم ہے۔ اس سے مردوں کو زندہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ شفا امراض ہے اس کو پڑھ کر پہاڑوں کو چلایا جا سکتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر افسوس اندھے حافظ ساری عمر اس قرآن کو پڑھ کر مر جاتے ہیں مگر اندھے ہی رہتے ہیں۔ پینائی نہیں پاتے۔ ہم نے کسی قاری قرآن کو اپنی ظاہری آنکھوں سے مردہ زندہ کرنا تو کجا ایک چیونٹی کو بھی زندہ کرتے دیکھا ہے نہ سنا ہے۔ البتہ زندوں کے سرہانے اس کو پڑھ کر مرتے لوگوں کو اکثر دیکھا ہے۔ اس کو پڑھ کر پہاڑ چلانا تو درکنار کسی نے ایک کنکر بھی محرک نہیں کی ہے۔ اب ایسے میں یا تو ”اسلام“ کا دعویٰ محتاج ثبوت ہے یا پھر مسلمان حافظ و قاری کی تلاوت بے اثر و بے تاثیر ہے۔ جب کہ خود قرآن ہی کا دعویٰ ہے کہ وہ بہتوں کو گمراہ کرتا

ہے۔

نماز کی فضیلت

نماز کے بت سے فضائل ہیں۔ یہ مومن کی معراج ہے۔ آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ دین کا ستون ہے فاشی و منکرات سے بچاتی ہے۔ دل کو سکون بخشتی ہے مگر آپ تجربہ کر سکتے ہیں کہ آج کل جتنا زیادہ نماز پڑھنے والا مسلمان ہو گا اتنا ہی ریاکار، منافق، صفت، غائب، ظالم، شقی القلب، اور غیبت گو ہو گا۔ نماز اور امام آپس میں رشتہ دار ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جس کی نماز قبول اس کے تمام اعمال قبول۔ نماز پڑھ کر مسلمان اپنی مسلمانی کا امتحان خود کر سکتا ہے۔ نماز کا اول اثر یہ ہے کہ وہ برائیوں سے بچاتی اور فاشی سے روکتی ہے اب اگر آپ نے نماز پڑھی اور واقعی صحیح و مطلوبہ نماز ادا کی تو آپ آزاد ہیں۔ اب یہ نماز کا فطری فریضہ عملی اور اس کی قدرتی ذمہ داری ہے کہ وہ آپ کو ہر طرح کی برائیوں سے محفوظ رکھے اور تمام منکرات سے روکے اگر تو آپ کی پڑھی ہوئی نماز نے یہ کام کر دکھایا کہ آپ کی برائیوں سے حفاظت کی اور نافرمانیوں سے روکا ٹوکا تو آپ کی نماز صحیح اور قبول ہے۔ ورنہ آپ کی نماز کا درجہ مطلوبہ معیار سے گرا ہوا ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہم جیسے ہی نماز سے فراغت پاتے ہیں دنیا میں کھو کر خود کو گم کر دیتے ہیں۔ اور وہ کچھ کرتے ہیں کہ مجبوراً "شرمندہ ہو کر بطور طفل تسلی کہنا پڑتا ہے۔ کہ "نماز اپنی جگہ پر دنیا داری اپنی جگہ پر" اس روز مرہ کے تجربے کا صاف مطلب یہی ہے کہ ہماری نمازیں بے اثر ہیں۔ اگر نماز سچی نماز ہو تو یقیناً "ہمارا ضمیر اطاعت رسولؐ کی طرف رغبت پائے۔ اور ہم اس انحراف سے توبہ کر لیں جس کے نتیجے میں ہماری نماز میں تاثر نہیں پائی جاتی ہے۔ شاید اس لئے اللہ نے قرآن مجید میں "نویل للمصلین" (الماعون ۴) پس تف ہے ان نمازیوں پر فرما کر

لوگوں کو خبردار فرمایا ہے۔

روزہ کا فائدہ روزہ کا یہ کام ہے کہ وہ روزہ دار میں تقویٰ پیدا کرتا ہے مگر آپ روزہ دار تو لاکھوں دیکھ سکتے ہیں مگر متقی کوئی ہی ہو گا۔ کیونکہ متقی وہی ہو سکتا ہے جس کا امام علیؑ ابن ابی طالب ہو۔ جسے آل رسول اللہ نے ”امام المتقین“ سے لقب فرمایا ہے۔

شدت سے عمل کرنے والے جہنم میں داخل ہوں گے اسی طرح آپ تمام عبادات و اعمال کا جائزہ لیجئے ان کے بجا لانے پر اسلام کے موعودہ ثمرات کو پیش نظر رکھ کر دیکھتے جائیے آپ کو اعتراف کرنا پڑے گا کہ یہ سب کچھ یا تو محض عقیدت ہے یا پھر دعویٰ بلا دلیل ہیں چنانچہ قرآن حکیم میں ہے۔ کہ ”عاشیہ ناصبہ ○ تصلیٰ نلوا حلیہ“ شدت سے عمل کرنے والے جہنم میں داخل ہوں گے۔ (الغاشیہ ۳، ۴)

حالاتِ حاضرہ

چالیس برس سے زیادہ ہو گئے یہودیوں نے فلسطین پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے ایک چھوٹی سی مملکت ہوتے ہوئے بھی اس نے پورے عالم اسلام کو لوہے کے پنے چبوا رکھے ہیں ہر سال حج کے موقع پر مسلمان لاکھوں کی تعداد میں عین حرم کعبہ میں ہاتھ اٹھا اٹھا کر پورے خشوع و خضوع کے ساتھ رو رو کر، چیخ چیخ کر آزادی فلسطین اور اسرائیل کی نابودی کیلئے دعا مانگتے ہیں مگر اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ دن بدن یہودی سلطنت کو تقویت حاصل ہو رہی ہے اور فلسطینی مسلمان دربداری کے عالم میں بھی آپس میں دست و گریباں ہیں کیا ان کو ڈبا مسلمانوں میں سے کسی ایک بھی مسلمان کی دعا میں اثر نہیں؟

ہم اپنے ملک پاکستان کی حالت بے بسی کا ذکر کیوں نہ کریں کہ ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ میں جب سقوط ڈھاکا ہوا اور پاکستان اپنے ایک بازو سے محروم ہو گیا اس وقت تقریباً "ایک لاکھ کی فوج نے دشمن کے سامنے ہتھیار ڈالے۔ اور یہ مسلمانوں کی ایک تاریخی شکست قرار پائی جب کہ پاکستان کے کروڑوں عوام نے خصوصی دعائیں مانگیں مگر اللہ نے ایک مسلمان کی دعا بھی قبول نہ کی۔ بلکہ دنیا میں نام مسلم کی رسوائی کا دلغ برداشت کر لیا۔

آج ورلڈ گلوب پر ایک بھی مسلمان ملک ایسا نہیں ہے جس کی نزاع کسی دوسرے مسلمان ملک سے نہ ہو۔ یہ لڑائی چاہے حربی ہو یا نظریاتی۔ علانیہ ہو یا خفیہ بہر طور مسلمان ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ضرور ہیں۔ اور حال اقتدار حکومت و ریاست ہونے، کثیر آبادی اور وافر نفری رکھنے، بہترین قدرتی وسائل سے مالا مال ہونے، فنی ماہرین اور علمی دانش مند رکھنے کے باوجود دنیا میں اسلام کا غلبہ و اظہار قائم نہیں ہوا ہے اور ویسا جنت نظیر معاشرہ جس کی نوید اسلام نے سنائی ہے کہ ارضی پر عملاً کسی جگہ نظر نہیں آسکا۔ حالانکہ نیک شعاری اور بد

خصال کا اس بدبختی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اچھا کام اسی وقت نیکی ہے جب خدا اسے قبول کرے

نیکی کاری اس وقت نیکی قرار پائے گی جب خدائے کریم اس نیکی کو قبول کرے اور اس کا اجر ثواب کی صورت میں عطا کرے جیسا کہ اس کا وعدہ ہے اس بات کا اللہ ہرگز پابند نہیں ہے کہ وہ کسی فاعل کے کسی فعل کو جو اس کی یا دیکھنے والے کسی دوسرے شخص کی نگاہ میں نیکی ہے، واقعی اسے نیکی شمار کرے۔ بلکہ اس پر مختار ہے کہ وہ کسی کے عمل کو قبول کرے یا ٹھکرا دے لیکن وہ ذات عادل ہے ظلم نہیں کرتی۔

آپ کسی بھی عمل کو لیجئے وہ اگر نیک عمل ہے کسی صورت میں یا حالت میں امکان ہے کہ وہی نیکی بڑی قرار پائے مثلاً ”نماز ایک نیکی ہے مگر ریا کاری سے پڑھی جانے والی نماز برائی ہے حالانکہ عمل میں یکسانیت ہے اسی طرح ہر برائی کسی مخصوص ماحول میں نیکی بھی ہے جیسے کسی کو قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے مگر جہاد میں یہی عمل عبادت کبیر اور موجب ثواب ہے لہذا بظاہر نظارہ کر کے بغیر تحقیق کے اس کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا ہے کہ عمل یا فعل اپنے محرک جذبے کی روشنی میں نیکی یا بدی کے کس زمرے میں شمار ہوتا ہے۔

”اطاعت رسول“ یعنی نیکی ہے۔ اور اس سے انحراف دیگر تمام نیکیوں پر پانی پھیرتا ہے

مگر نافرمانی رسول، حکم عدولی پیغمبر اور اطاعت نبوی سے انحراف ایسا بدترین اور ملک فعل ہے جو آنا، فنا، انسان کے لئے کرائے پر پانی پھیر دیتا ہے اور بد قسمتی سے امت کا کثیر حصہ اس مرض کا مریض ہے۔ لوگ اعمال پر توجہ دیتے ہوئے اسلام اسلام کرتے ہوئے اصلاحی سرگرمیوں میں تن من دھن سے ضرور مصروف ہیں

مگر ان کو بقول خدا اس کی خبر تک نہیں وہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں وہ سب کچھ اکارت ہوتا جا رہا ہے اسی لئے اس کا پورا ثواب مادی دنیا میں حسب وعدہ موصول نہیں ہو رہا ہے اللہ نے اس بات کو کھل کر بیان کرتے ہوئے اعلان فرمایا ہے۔

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تَبْطُلُوا أَعْمَالَكُمْ“

(سورہ محمد نمبر ۳۳)

اے ایمان کے دعویدارو! اللہ کی اطاعت کرو اور الرسولؐ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔ اس سے قبل اللہ نے فرمایا۔
”بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا (پیغمبر کی نافرمانی کر کے) لوگوں کو سبیل خدا سے روکا اور ”الرسول“ کی مخالفت کی (ایسا کیا جو حضورؐ پر شاق گذرا) بعد اس کے کہ ہدایت ان پر واضح ہو چکی تھی۔ (حکم رسولؐ کا اعلان عام کیا جا چکا تھا) وہ ہرگز اللہ کو ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ (پیغمبرؐ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے) عنقریب ان کے تمام اعمال اکارت کر دیئے جائیں گے“
(سورہ محمد آیت ۳۲)

اور دوسرے مقام پر خبردار کیا ہے کہ:

”اے ایمان والو! اپنے بول کو نبیؐ کے بول سے بلامت کرو اور اس سے اونچی آواز سے خطاب نہ کرو۔ جیسے کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے تمام اعمال غارت ہو جائیں گے اور تمہیں اس کا شعور تک نہ ہو“

سورہ حجرات آیت ۲۰

آپؐ نے ملاحظہ فرمایا کہ اللہ کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو ایمان کے دعویدار ہیں خدا ان کو تاکید بلکہ تنبیہ فرما رہا ہے اللہ اور الرسولؐ یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت کلی کرو۔ اور اس سے انحراف کر کے اپنے اعمال کو ضائع مت کرو۔ دوسری آیت میں خصوصی طور سے وہ مسلمان مخاطب ہیں جو نزول وحی کے عہد میں موجود تھے اور ان کو خبردار کیا جا رہا ہے کہ ”الرسول“ کے حکم کی مخالفت کر کے اپنے ماضی میں کئے گئے اچھے کاموں کے اکارت ہو جانے کا خطرہ محسوس کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ”تخلت اطاعت الرسول“ کی پاداش میں تمہاری گزشتہ نیکیاں برباد ہو جائیں اور گناہ لازم آئے۔ پھر سورہ حجرات میں صاف طور پر آگاہ کر دیا کہ اس امر کو ہرگز فراموش نہ کرو کہ رسولؐ کی آواز سے اپنی آواز کو بلند کرنا اعمال کی بربادی کا سبب ہے اور یہ بربادی تمہارے شعور کی رسائی سے بالا ہے۔ تم اپنے طور پر جتنے مرضی اعمال بجالاتے رہو مگر تمہیں کیا خبر کہ وہ ساری محنت اور تکلیف جو تم نے اٹھائی ہے اس کا نتیجہ صفر ہے۔

تو گرامی قدر قارئین! ہم بد نصیبوں کی ساری عبادتیں، ریاضتیں، دعائیں، وظائف، عملیات، درود اور ذکر و انکار، وعظ و مواعظ الغرض جو بھی ہم برائے خوشنودی خدا بجالانے میں مصروف ہیں وہ سب کے سب اجباط ہوتے جا رہے ہیں اور ان کا صلہ مادی ثواب کی صورت میں تو کماحقہ یقیناً ”موصول“ نہیں ہو رہا ہے اخروی ثواب کی بھی توقع نہیں ہونی چاہئے۔ کیونکہ وہ ایک خود کار نظام قدرت کے تحت اکارت کی نذر ہوئے جا رہے ہیں اور اس تمام بربادی کی ذمہ داری کلیتہً ہم پر عائد ہوتی ہے کہ ہم نے شرط اطاعت رسولؐ کے تقاضوں کو ہرگز پورا نہیں کیا ہے۔

حمد روز غدیر سے تخلف کا انجام بزبان

بشیر و نذیرؒ بکلام جناب امیرؒ

خود مولائے کائنات امیر المومنین امام علی علیہ السلام روایت فرماتے ہیں کہ

www.KitaboSunnat.com

رسول بشیر و نذیر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

”اگر کوئی خدا کا بندہ اللہ کی اتنی عبادت کرے جس قدر حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم میں قیام فرما کر کی ہے اور احد پہاڑ کے برابر سونا خدا کی راہ میں خرچ کر دے۔ پھر اس کی عمر اتنی لمبی ہو کہ ایک ہزار حج پیدل کرے اور پھر صفا و مروہ کے درمیان مظلوم قتل کر دیا جائے مگر وہ تجھے اے علی ”مولانا“ تسلیم نہ کرتا ہو تو وہ جنت کی بو نہیں سونگھ سکے گا۔ اور نہ اس میں داخل ہو سکے گا۔

(الرجح الطالب بحوالہ فردوس الاخبار دہلی)

نتیجہ جو مادہ پرست کے جارحانہ شکوہ کا جواب ہے

منقولہ بالا معروضات کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچ جانا بالکل دشوار نہیں ہے کہ عامۃ المسلمین کی دنیا میں بے وقوفی، پس ماندگی، محرومی اور مادی ترقی کی رکاوٹ کا سبب اول، رسول آخر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پیغام آخر سے انحراف ہے۔ اگر مسلم امہ خلوص دل سے حکم پیغمبر کو قبول کر کے اطاعت شعاری اور فرمانبرداری کا ثبوت دیتی تو آج ام و ملل زمانہ کی امامت کا اپنا حق بالضرور حاصل کر لیتی اور بے باک نسل کے مادہ پرست کے اس جارحانہ شکوہ کا کہ ”مذہبی تعلیمات جو فطرت کی ہم نوا ہونے کا دعویٰ بھی رکھتی ہیں جو روحانی طریقے مشکلات کو دفع کرنے کے لئے مہیا کرتی ہیں عموماً“ بے اثر ٹھہرتے ہیں“ کا شافی جواب یہی ہے ان تعلیمات کو مکتب الہی بیت سے سیکھنے کی زحمت نہیں اٹھائی جاتی ہے لہذا ان میں تاثر نہیں ہوتی۔

فضائل اہل بیتؑ شکوہ کا رخ معکوس

اب ہم اس بحث کے دوسرے گوشے پر کچھ گفتگو کرتے ہیں کہ جن لوگوں نے ”اطاعت رسولؐ“ سے اعراض نہ کیا۔ ان کو کیا سرخاب کے پر لگ گئے جب کہ حال امت تو یہ ہے کہ

”ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے“

لہذا آئیے اب اپنے چاک گریبان اور بند قبا کا نظارہ فرمائیے۔

ہم اپنی حالت بیان کرنے سے پہلے اپنے پیشواؤں کے سوانح پر کچھ عرض کرنا مناسب خیال کرتے ہیں۔ مکتب اہل بیتؑ کے مطابق امام کے لئے ضروری ہے کہ شجاعت، پاکدامنی، سخاوت اور عدالت جیسی اخلاقی خوبیوں کا مالک ہو۔ کیونکہ جو شخص گناہوں سے پاک ہو وہ تمام دینی قوانین پر عمل پیرا ہو گا اور ”اچھے اخلاق“ دین کے لوازمات سے ہیں۔ علاوہ ازیں امام کے لئے یہ بھی لازمی ہے کہ اخلاقی خوبیوں میں امت کے باقی تمام لوگوں سے بلند ترین مقام پر فائز ہو۔ کیونکہ کسی شخص کا اپنے سے بہتر اور برتر فرد کا پیشوا بن جانا عدل کے منافی ہے۔

ہمارے نظریے میں امام دین کا سرپرست ہوتا ہے۔ اور چونکہ دین کی ریاست کی حدیں ساری کائنات تک پھیلی ہوئی ہیں اس لئے وقت کے تمام اہل علم سے امام کا علمی مرتبہ فوق ہوتا ہے لہذا وہ ان تمام مسائل کا مکمل علم رکھتا ہے جن سے لوگوں کو دنیا اور آخرت سے واسطہ پڑتا ہے یعنی جن سے حیات مادی اور روحانی کی نیک بختی وابستہ ہے۔ کیونکہ کسی جاہل کا عقل مندوں کا پیشوا بننا جائز نہیں ہے اور خدائی سلسلہ ہدایت یعنی سنت الہیہ کے منافی ہے۔

محمد الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کے جانشین اور امت کے دین و دنیا کے رہبر و پیشوا بارہ بزرگ ہیں جنہیں ائمہ اثنا عشر یعنی بارہ امام کہا جاتا ہے اور نوع انسانی کی ہدایت کے لئے ہمارے اعتقاد میں رسول اکرمؐ کی جلیل القدر دختر معصومہ سیدہ طاہرہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا انتخاب کیا گیا ہے اور ان

سب کو ہم ”چودہ معصومین“ کہتے ہیں۔ یہ سب افراد اہل بیتؑ رسولؐ مقبول کی تعلیم و تربیت کا کامل نمونہ ہیں۔ ان سب کی سیرت حضورؐ کی سیرت جیسی ہے اور اہل بیتؑ کی یہی فعلیت جملہ فضائل کو احاطہ کر لیتی ہے۔

تکمیل دین کے بعد ان رہنماؤں کی سیرت پر گفتگو کرنے سے پہلے ہم دین کے سابقہ پیشواؤں کا تذکرہ ”ثوابا“ پیش خدمت کرنا اعتراف حقیقت سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ ہم ابتدا میں عرض کر چکے ہیں کہ دین تو ابتدا سے ہے مگر اس کی تکمیل و تدوین بتدریج ہوتی رہی ہے۔ تخلیق آدمؑ سے قبل فطرۃ اللہ تھی اور اسی سے دین کو فطر کیا گیا ہے۔ آدم خلق کئے گئے تو دین کی راہ مستقیم کے دشمن ابلیس نے بغاوت کی اور سرکشوں کی فوج سے اس شاہراہ فلاح و بہبود پر حملے کرنے کا جرات مندانہ چیلنج دے کر خدا سے طاقت و تسلط اور مدت و مہلت حاصل کر لی۔ اب یہ ستیزہ کاری کا سلسلہ جاری ہوا۔ بندہ شیطان اور عبد رحمان کی جنگ جاری ہے اللہ شیطان کے مقابلے میں اپنی جانب سے اپنے خلیفے دفاع و جہاد کے لئے بھیجتا ہے۔ مکار دشمن لوگوں کو دنیا کی خوش فہمی اور عیش پسندی کا لالچ دے کر جہنم کا امیدوار تیار کرنے میں چابک دستی سے مصروف عمل رہا ہے۔ اس کے برعکس صراط مستقیم کے محافظوں نے دنیا کو محض عارضی قیام گاہ قرار دیا اور اپنا جھکاؤ اخروی دنیا کی بہتری کی جانب رکھا۔ سچا مسلم ہر زمانے میں دنیا پرست پر غالب رہا۔ بظاہر دنیوی نگاہوں میں وہ برباد نظر آتا تھا مگر اسلام کی سچی قوت سے اس قدر مالا مال ہوتا تھا کہ دنیا والے اس کی طاقت کا مظاہرہ دیکھ کر دنگ رہ جاتے تھے۔ اس مسلم کامل کو اطاعت کاملہ کی بدولت مادی و روحانی دونوں حیاتوں پر حسب ضرورت تصرف حاصل ہوتا ہے لہذا وہ ہرگز دنیا کے کسی لالچ یا دبدبے سے مرعوب نہ ہوتا تھا اگر وہ نورؑ کی شکل میں ہوتا تو طوفان نورؑ طلب کر کے سرکشوں کی ساری کرتوتوں پر ایسا پانی پھیر دیتا کہ ان کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹا دیتا۔ اگر وہ ابراہیمؑ کے روپ

میں مقابلہ پر آتا تو مغرور نمود کی آگ کو گل گزار کر کے اپنے تصرف کا بھرے
 دربار میں تماشا دکھا دیتا۔ اگر وہ موسیٰ بن کر فرعون جیسے متکبر کے دربار میں آتا تو
 اپنے لکڑی کے عصا کو اڑدھاننا کر جادو گروں کے جادو کو توڑ کر اپنے اور اپنے
 بھائی کے رب کا کلمہ پڑھوا لیتا۔ اپنی چھڑی سے پانی کو ٹکڑے کر کے اس میں راستہ
 بنا کر اپنے شیعوں سمیت دریا عبور کر جاتا اور فرعون مارے شرم کے پانی پانی ہو
 جاتا اور اسے مرنے کے لئے دریا میں چلو بھر پانی بھی لینے کی سہلت نہ ملتی کہ اس
 میں ڈوب مرے۔ اگر وہ عیسیٰ جیسا مسیحا ظاہر ہوتا تو اپنے مقدس پیر کی ٹھوک سے
 مروے کو دنیا کی حیات بخش دیتا اور جب اپنے ہی ایک صحابی کی سازش سے گرفتار
 ہو کر مصلوب ہونے کے لئے لایا جاتا تو خود چرخ چارم پر قیام کر لیتا اور اپنی جگہ
 غدار یہودہ عسکریوتی کو لٹکا دیتا۔ سلیمان بننا تو جنوں اور حیوانوں کو زیر نکلیں رکھتا۔
 داؤد ہوتا تو لوہے کو ہاتھ میں لے کر موم بنا دیتا۔ آصف بر خیا کی صورت میں ہوتا
 تو چشم زدن میں تخت بلقیس کو ملکہ سمیت دربار سلیمان میں حاضر کر دیتا۔ اور جب
 محمدؐ کے بشری چہرے میں ظلوع کرتا تو سورج کو پلٹا لیتا۔ اور جب شیاطین زمانہ دنیا
 کی حکومت، عورت، عزت، اقتدار اور شہرت کا چمکے دینے آتے تو بے نیاز ہو کر
 کہتا کہ اگر تم میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند بھی رکھ دو تو میں
 صراطِ مستقیم سے ایک شہہ بھی نہیں ہوں گا۔

ہم جب ان خالص خدا کی ظاہری زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو بے شک ان
 کے ظاہری حالات سے کسمپرسی کی جھلکیاں دیکھتے ہیں مگر ہم چشمِ بیہا نہیں رکھتے کہ
 ان کی باطنی حالت اور طاقت کا اور اک کر سکیں۔ دین اپنے ہر دعویٰ کی دلیل ہر
 طریقے سے پیش کرتا ہے اور یہی اس کی حقانیت کی بھی ایک دلیل ہے وہ بندہ مسلم
 سے جب وعدہ کرتا ہے تو ضرور پورا کرتا ہے۔ لہذا آپ دیکھیں کہ مسلم
 بندے جو آپ کو فقیر نظر آتے ہیں وہ ایسے بے نظیر ہیں کہ شاہ ان کی چو کھٹ پر

مجھ پر دکھائی دیتے ہیں۔ دراصل ان کو دنیا میں کوئی جاذبیت یا کشش یا رغبت ہی نظر نہیں آتی ہے۔ کیونکہ وہ آخرت شناس ہوتے ہیں اخروی حیات کے لوازمات دنیا کے عشرت کدوں سے اس قدر گراں قدر ہوتے ہیں کہ نگاہ مسلم میں چھتے ہی نہیں ہیں کیونکہ جس نے لندن جیسا پر رونق شہر دیکھا ہو اس کے سامنے شیخوپورہ جیسا شہر کوئی حیثیت نہ رکھے گا۔ لہذا چونکہ ان کو اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے اور اخروی نعمات کے مزوں سے آشنائی حاصل ہوتی ہے اس لئے وہ ان چند روزہ تعمیشت میں کوئی رغبت پاتے ہیں نہ خواہش البتہ بوقت ضروری اظہار حق کی خاطر اتمام حجت کے لئے اور لوگوں میں رغبت و تبلیغ کے رجحان کو فروغ دینے کے

بسا اوقات وہ اپنی حقیقی طاقت کا نمائشی مظاہرہ کرتے ہیں جسے ہم لوگ محیر العقول ہونے کے باعث معجزہ یا کرامت سمجھتے ہیں۔ دراصل ایسے مظاہروں کے انعقاد کا مقصد دین کی طاقت کا لوہا منوانا اور وعدہ خدا کی سچائی کا ثبوت عملی طور سے پیش کرنا ہوتا ہے مگر جن کے دلوں، کانوں، آنکھوں پر مہر میں مغایب الہی ثبت ہو چکی ہوتی ہیں وہ ان باتوں کو سمجھ سکتے نہ سن سکتے ہیں اور یہی دیکھ سکتے ہیں بلکہ الٹا جادو قرار دینے لگتے ہیں چنانچہ اس احساس محرومی کے مرض میں مبتلا ہو کر جاہلانہ انداز فکر اختیار کر کے یہ کہنا کہ مذہبی پارسا بزرگوں کی مادی حیات عسرت سے بھر پور ہے عدم معرفت کا نتیجہ ہے جب کہ حقیقی صورت حال یہ ہے کہ ان لوگوں کی طرز زندگی اسی معیار کی مقتضی رہی جس حال میں انہوں نے گزاری چنانچہ الامسین امیر المومنین علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔

معاشرے میں حاکم کو (ظاہری) زندگی، اس طرح بسر کرنی چاہیے کہ محتاج اور پریشا حال لوگوں کے لئے ٹہلی کا موجب بنے۔ نہ کہ اس طرح کہ ان کی حسرت اور امید کی سبب بنے۔

(نہج البلاغت)

عام ”مسلم“ پر انعام الہی

اگر یہ کہا جائے کہ یہ تذکرے تو معصوم ہستیوں کے ہیں عام دنیا دار کو ایسی سعادت اور طاقت کیسے حاصل ہو سکتی ہے تو ہمارا جواب یہ ہے کہ جب دین ہانگ و ہل اعلان کر رہا ہے کہ وہ ”مسلم“ کو دارین کے حسنت سے بہرہ مند کرے گا تو عام مسلم بھی اپنی استطاعت، حیثیت، ظرف اور ضرورت کے مطابق اس انعام میں شریک ہے۔ انسانی ہدایت کا پورا بندوبست خدا نے اپنے ذمے لیا ہے چنانچہ وہ حسب منشاء جسے چاہے ہدایت دینے والا مقرر کرے اور جسے چاہے ہدایت لینے والا قرار دے۔ چنانچہ سورہ دہر میں اہل بیتؑ نبویؐ کی قصیدہ گوئی کرتے ہوئے پروردگار کی رحمت جوش میں آتی ہے اور فرماتا ہے کہ

ان هذه تذكرة فمن شاء اتغلبالى به سبيلا ○ وما تشاءون الا يشاء الله ان
الله كان عليهما حكيمًا ○ ينفخ من يشاء في رحمة والظلمين اعد لهم عذابا
(الذھر آیت ۲۹ تا ۳۱) ○ الیہما

یعنی بے شک یہ (تذکرہ) نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے خدا کی سبیل کی طرف آجائے۔ اور تم تو کچھ چاہتے ہی نہیں سوائے اس کے کہ جو اللہ چاہے بے شک اللہ جاننے والا اور صاحب حکمت ہے (وہ) جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے۔ اور ظالموں کے لئے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

سورہ دہر میں آل محمد علیہم السلام کی مدح سرائی کے بعد خدا ایک ہدایت نامہ جاری فرما رہا ہے اور دعوت عام دے رہا ہے جو بھی چاہے اس سبیل خدا صراط مستقیم کی جانب آجائے۔ اور اس دعوت پر لبیک کہنے والوں کو سمیت صیغہ حاضر جمع میں کلام فرماتے ہوئے ارشاد کرتا ہے۔ اے وہ لوگو جو اس راہ مستقیم پر آگئے ہو اب تمہاری شان یہ ہے کہ قدرتی طور پر تم کوئی خواہش ہی نہ کرو گے مگر وہ جو

اللہ چاہے گا۔ بالکل اس طرح جس طرح فردوس میں انسان کوئی ایسی خواہش کرے گا ہی نہیں جو اس کے شبلیاں شان نہ ہو اور بے شک اللہ تو عظیم ہے حکیم ہے مگر وہ اپنے علم و رحمت کی روشنی میں جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور یہ رحمت مجسم رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات والی صفات ہے۔ جن کے سلیہ رحمت کا ہر مسلمان متمنی ہے مگر ظالم لوگ ایسے بد نصیب ہیں کہ ان کے لئے اس سلیہ رحمت کی بجائے درد ناک عذاب تیار کیا گیا ہے۔

اب ظاہر ہے جو صراطِ مستقیم کی جانب آئے گا اس میں یہ صفت قدرتا پیدا ہو جائے گی کہ وہ کچھ چاہے گا ہی نہیں مگر وہ جو خدا چاہے۔ اور میرے معزز قارئین! خدا جو چاہتا ہے وہ فوراً ہو جاتا ہے

یہی انسان کا فطری تقاضا ہے کہ وہ جو چاہے ویسا ہو جائے۔ اور اسلام اس تقاضے کو بھی پورا کرنے کا دعویدار ہے آخری زندگی میں بھی اور اس بلوی حیات کے محدود عرصے میں بھی۔ مگر بندہ ”مسلم“ ہو مطیع کامل ہو۔ ”اطاعت رسول“ کی شرط کو پورا کرنے میں اس کی عملی سرگرمیوں کا معیار ناقص نہ ہو۔ اب ہم تکمیل دین کے بعد بعض ان مبارک غیر معصوم ”مسلم“ بندگانِ خدا کا متبرک تذکرہ کرتے ہیں جنہوں نے یہ کمال حاصل کیا۔ اور اسلام کے حق ہونے کی زندہ دلیل قرار پائے۔

خوش قسمتی سے یہ سعادت مند مثالی مسلم مکتب اہل بیت رسولؐ سے وابستگی رکھتے تھے۔

مثالی مسلم حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابوذر غفاریؓ ایسی عظیم مسلم شخصیت ہیں جنہوں نے اسلامی نظریات کی ہر قدم پر جان جوکھوں میں ڈال کر نصرت اور حفاظت فرمائی۔ آپ دین حق کے بذر سپاہی، بے باک مبلغ، عزم و استقلال کے پیکر، مظلوم صحابی رسولؐ تھے۔ رسول صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس صدیق صحابی کے صدق کی ضمانت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ۔

”سایہ آسمان تلے اور زمین کے فرش کے اوپر ابوذرؓ سے زیادہ سچ بولنے والا کوئی نہیں“

(ازالہ الحفا - جلد نمبر ۱ ص ۲۸۲ شاہ ولی اللہ دہلوی)

جناب ابوذرؓ نے کبھی لذت غم و شدائد کو عارضی خوشیوں کے ہاتھوں فروخت نہ فرمایا۔ آپؓ کے حوصلہ افزا اور جرات مندانہ جذبات ایمانی بڑی بڑی آزمائش میں غالب نظر آتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس حق گو صدیق امت کو اشاعت حق کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی۔ مگر ایک لمحے کے لئے بھی یہ سرفروش اسلام باطل کے سامنے سرنگوں نہ ہوا۔ ابوذرؓ اسلامی اقتصادیات کے مایہ ناز ماہر تھے۔ وہ مدینہ کی گلیوں میں اور دمشق کے پرہجوم بازاروں میں قرآن مجید کی ان آیات کی تلاوت کرتے تھے جن کا مطلب یہ ہے کہ سونا چاندی جمع کرنے والوں کو بشارت دے دو کہ جو دولت کو راہ خدا میں تقسیم نہیں کرتے ان کے لئے عذاب الیم تیار ہے۔ چنانچہ وہ حکومت وقت کی معاشی پالیسیوں پر کڑی تنقید فرمایا کرتے تھے جس کی پاداش میں وہ سرکاری عتاب کا نشانہ بنے رہے۔ تاریخی اعتبار سے ان کی ظاہری زندگی پریشان حالی میں گزری۔ لیکن درحقیقت وہ درویش۔ اتنا بڑا صاحب اقتدار مسلم تھا کہ جنگل کے درندوں پر بھی اس کی حکومت چلتی تھی۔ چنانچہ مروی ہے کہ

حیوانات پر حضرت ابوذرؓ کی حکومت

حضرت ابوذرؓ خالص خدا اور مقربین اصحاب رسولؐ سے تھے۔ ایک دن بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس ساٹھ گوسفند ہیں۔ جن کی مجھے حفاظت کرنا پڑتی ہے۔ مگر میرا دل یہ گوارہ نہیں کرتا کہ میرے یہ لحات صحبت رسولؐ سے خالی رہیں۔ حضورؐ نے فرمایا ابوذرؓ تم واپس اپنے مقام پر جا کر ان گوسفندوں کا بندوبست کرو۔ حکم رسولؐ ملتے ہی واپس آئے۔ ایک دن مشغول نماز تھے کہ ایک بھیڑیا آگیا۔ دل میں خیال آیا کہ نماز کو پورا کر لوں یا اپنے جانوروں کی حفاظت کروں۔ پس جی ہی میں فیصلہ کیا کہ گوسفند جاتے ہیں تو جائیں نماز تو پوری کر لو۔ مگر ساتھ ہی شیطان نے دوسرے ڈالا کہ اگر بھیڑیے نے سارے جانور ہلاک کر دیئے تو پھر کیا بنے گا۔ مگر فوراً ہی جذبہ ایمان بولا کہ خدا کی توحید، محمدؐ کی رسالت اور علیؓ کی ولایت جیسی دولت جس کے پاس ہو اسے اور کیا چاہئے؟ گوسفند جاتے ہیں تو جاتے رہیں۔ نماز کیوں جائے۔ لہذا صمیم قلبی سے نماز میں مشغول رہے۔ بھیڑیا لپکا اس نے پہلا حملہ کیا کہ ایک بچہ لے کر چلا۔ ابھی وہ چند قدم ہی گیا ہو گا کہ ایک شیر نمودار ہوا۔ اس نے بھیڑیے کو ہلاک کر دیا اور گوسفند کے بچے کو اس سے چھین کر گلہ میں پہنچا دیا۔ پھر امر ربی سے گویا ہوا۔

”اے ابوذر! تم اپنی نماز میں مشغول رہو، حق تعالیٰ نے مجھے تمہارے گوسفندوں پر موکل کیا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ جب تک تم نماز سے فارغ نہ ہو جاؤ۔ میں تمہارے گوسفندوں کی حفاظت کرتا رہوں۔“

پس جناب ابوذرؓ نے کمال آداب و شرائط سے نماز قائم کی۔ جب نماز سے فراغت پائی تو شیر حضرت ابوذرؓ کے قریب آیا۔ اور اس نے پیغام دیا کہ اے ابوذرؓ بارگاہ رسالتؐ ماب میں حاضر ہو کر اطلاع کرو کہ اللہ نے ایک صحابی کے لئے اس کے

گوسفندوں کی حفاظت پر شیر کو مقرر کر دیا ہے۔ جناب ابوذرؓ خدمت رسولؐ میں آئے اور یہ واقعہ سنایا۔ حضورؐ نے سن کر ارشاد فرمایا کہ اے ابوذرؓ تم بالکل سچ کہتے ہو۔ میں (محمدؐ) علیؑ فاطمہؑ حسنؑ اور حسینؑ تمہاری تصدیق کرتے ہیں اس کے بعد ابوذرؓ واپس ہوئے۔

محمد و آل محمدؑ کا وسیلہ درندوں کو مطیع مسلم بنادیتا ہے

اس واقعہ پر کچھ کج عقیدہ اور ناقص الامکان مسلمانوں کو اعتبار نہ آیا۔ آپس میں چہ بے گوئیوں شروع کر دیں۔ بعض نے امتحان کی ٹھان لی ایک دن چپکے سے اس جگہ آپہنچے جہاں ابوذرؓ اپنے جانوروں کو چرا رہے تھے چنانچہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ نماز کے وقت شیر ان گوسفندوں کی حفاظت کرتا تھا اور اگر کوئی جانور گلہ سے جدا ہوتا تو وہ شیر اسے اندر داخل کر لیتا۔ جب حضرت ابوذرؓ نماز ختم کر چکے تو شیر نے مخاطب ہو کر کہا کہ ابوذرؓ اپنے جانور پورے کر لو۔ میں نے ان کی حفاظت میں کوتاہی نہیں کی ہے۔ اس کے بعد وہ شیر ان چھپے ہوئے منافقوں سے متوجہ ہو کر بولا۔

اے گروہ منافقین! کیا تم اس امر سے انکار کرتے ہو کہ خدا نے مجھے اس شخص کے گوسفندوں کی حفاظت کے لئے موکل فرمایا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ان کی آلؑ پاک کا دوست اور تقرب خداوندی کے لئے ان ہی بزرگوں کا وسیلہ و موصوٰفہ ہے میں اس اللہ کی قسم کھاتا ہوں جس نے محمدؐ اور آل محمدؑ کو گرامی کیا ہے کہ خداوند قدیر نے مجھے ابوذرؓ کا تابع فرمایا اور مطیع قرار دیا ہے خبردار رہو! اگر ابوذرؓ اس وقت مجھے حکم دیں کہ میں تم سب کو ہلاک کر دوں تو میں بالتحقیق تم لوگوں کو بلا تاخیر پھاڑ کھاؤں۔

یہ منظر دیکھ کر ان لوگوں کی جان حلق میں اٹک گئی مگر شیر غائب ہو گیا اور یہ

اپنا سامنہ لیکر واپس ہوئے۔ جب پھر ابو زہرہؓ بارگاہِ رسولؐ میں حاضر ہوئے تو سرکارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

اے ابو زہرہ! تم نے اپنے خالق کی اطاعت کے سبب یہ شرف حاصل کر لیا ہے کہ جنگل کے جانور تک تمہارے مطیع کر دئے گئے ہیں بے شک تم ان بندوں میں بڑا مقام رکھتے ہو جن کی تعریف قرآن مجید میں نماز کے قائم رکھنے کے متعلق کی گئی ہے۔

(حیات القلوب - تفسیر امام حسن عسکریؑ)

مرد مسلم، مطیع کامل، سلمانؓ محمدی

اب دوسرے مرد مسلم، لقمان امت، سلمان محمدی الفارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسلامی طاقت کا ماہر اپنے۔

آل رسول امت کے لئے وسیلہ اور ذریعہ شفاعت ہیں

علامہ مجلسیؒ نے حیات القلوب میں تفسیر امام حسن عسکریؒ سے ذکر کیا ہے کہ حضرت سلمانؓ کا گزر ایک دن یہودیوں کی ایک جماعت کی طرف ہوا۔ ان لوگوں نے آپؐ سے خواہش کی کہ ان کے پاس تشریف رکھیں اور جو کچھ پیغمبرؐ اسلام سے سنا ہے ان سے بیان کریں جناب سلمانؓ ان کے پاس بیٹھ گئے اور ان کے اسلام قبول کر لینے کے انتہائی لالچ میں کہا کہ میں نے رسول خداؐ سے سنا ہے کہ اللہ فرماتا ہے اے میرے بندو! کیا ایسا نہیں ہے کہ ایک گروہ کو تم سے بڑی حاجتیں ہوئی ہیں اور تم ان کی حاجتیں پوری نہیں کرتے ہو مگر اس وقت جب کہ وہ اس سے سفارش کراتے ہیں جو خلق میں تم کو زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ جب وہ ان کو ان کی شان و منزلت کے سبب تمہارے نزدیک اپنا شفیع قرار دیتے ہیں تو تم ان کی حاجتیں بر لاتے ہو۔ بس اس طرح سمجھ لو کہ میرے نزدیک میری مخلوق میں سب سے زیادہ ذی قدر و ذی مرتبہ اور ان میں سب سے افضل و برتر محمدؐ اور ان کے بھائی علیؑ اور آئمہؑ جو ان کے بعد ہونے والے ہیں جو خلق کے وسیلہ اور ذریعہ میری بارگاہ میں ہیں۔ لہذا جس شخص کو حاجت درپیش ہو وہ ان کو جو مخلوق میں سب سے زیادہ نیک و پاک اور گناہوں سے معصوم ہیں شفیع اور وسیلہ قرار دے تاکہ میں اس کی حاجتیں بر لاؤں۔ اس شخص سے بہتر طریقہ سے جس کو کوئی اس کے محبوب ترین شخص کے شفیع قرار دینے سے بر لاتا ہے یہ سن کر ان یہودیوں نے بطور مذاق کہا کہ پھر آپ کیوں خدا سے ان کو وسیلہ قرار دے کر سوال نہیں کرتے تاکہ خدا

ان کے طفیل میں آپ کو اللہ مدینہ میں سب سے زیادہ بے نیاز کر دے۔ سلمانؓ نے فرمایا کہ میں نے ان کو وسیلہ اور ذریعہ اور شفیع قرار دے کر اللہ سے اس چیز کا سوال کیا جو دنیا کے تمام ملک سے زیادہ عظیم اور نافع تر ہے کہ خدا مجھے ان کی عظمت و بزرگی اور مدح و ثناء بیان کرنے کے لئے زبان عطا فرمائے۔ اور ایسا دل کرامت فرمائے جو اس کی نعمتوں پر شکر کرنے والا ہو اور عظیم مصیبتوں پر صبر کرنے والا ہو۔ تو خدا نے میری دعا قبول فرمائی۔ اور جو کچھ میں نے طلب کیا تھا مجھے عطا فرمایا اور وہ تمام دنیا کی بادشاہی اور جو کچھ دنیا میں نعمتیں ہیں ان سے لاکھوں درجے بہتر و برتر ہے۔

مسلم ایک قوت باطنہ کا مالک ہوتا ہے

تو یہودیوں نے آپؐ کا مذاق اڑایا اور کہا اے سلمانؓ تم نے بلند و عظیم مرتبے کا دعویٰ کیا ہے۔ اب ہم مجبور ہیں کہ تمہارا امتحان کریں کہ تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو یا نہیں۔ لہذا پہلا امتحان تو یہ ہے کہ ہم اپنے تازیانوں سے تم کو مارتے ہیں تم اپنے خدا سے دعا کرو کہ ہمارے ہاتھ تم سے روک دے۔

سلمانؓ نے دعا کی پروردگار مجھ کو ہر بلا پر صبر کرنے والا قرار دے۔ وہ بار بار یہ دعا کرتے تھے اور وہ ملعون یہودی آپؐ کو تازیانے لگاتے تھے۔ یہاں تک کہ تھک گئے اور رنجیدہ ہوئے اور سلمانؓ اس دعا کے علاوہ اور کچھ نہ کہتے تھے جب وہ تھک کر رکے تو کہنے لگے ہم کو گمان نہ تھا کہ کسی کے بدن میں روح باقی رہتی اس شدید عذاب کے سبب جو ہم نے تم پر وارد کیا ہے۔ تم نے خدا سے یہ دعائیں نہ کی ہم کو تمہاری ایذا رسانی سے روک دینا۔ سلمانؓ نے فرمایا یہ دعا صبر کے خلاف تھی بلکہ میں نے قبول و منظور کیا اور اس صحت پر راضی ہوں۔ جو خدا نے تم کو دے رکھی ہے اور میں نے دعا کی خدا سے کہ مجھے اس بلا پر صبر عطا فرمائے۔ چنانچہ ان

یہودیوں نے تھوڑی دیر کے لئے آرام کیا پھر اٹھے اور کہا اس مرتبہ تم کو اتنا ماریں گے کہ تمہاری جان نکل جائے یا محمدؐ کی رسالت سے انکار کرو۔ جب سلمانؓ نے فرمایا کہ میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا بے شک اللہ نے اپنے رسولؐ پر نازل فرمایا کہ ”وہ لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں“ اور یہ یقیناً تمہاری اذیت رسالتی پر میرا صبر کرنا اس لئے ہے کہ میں اس جماعت میں داخل ہو جاؤں جن کی خلاق عالم نے اس آیہ میں مدح فرمائی ہے اور یہ صبر میرے لئے سہل اور آسان ہے پھر ان ظالموں نے سلمانؓ کو مارنا شروع کیا۔ اور مارتے مارتے تھک گئے تو چھوڑ کر بیٹھے اور بولے کہ اے سلمانؓ! اگر خدا کے نزدیک تمہاری کوئی قدر ہوتی اس ایمان کے سبب جو تم محمدؐ پر لائے ہو تو وہ یقیناً تمہاری دعا منظور کرتا اور ہم کو تم سے باز رکھتا۔

سلمانؓ نے فرمایا۔ تم لوگ کیسے جاہل ہو خدا میری دعا کیسے قبول کرتا۔ کیا میرے لئے اس کے خلاف کرتا جو کچھ میں نے اس سے طلب کیا ہے میں نے اس سے صبر مانگا ہے اس نے میری دعا قبول فرمائی ہے اور مجھے صبر کرامت فرمایا۔ اگر اس سے طلب کرتا کہ تم کو مجھ سے باز رکھے اور تم کو باز نہ رکھتا تو میری دعا کے خلاف ہوتا جیسا کہ تم گمان کرتے ہو

پھر تیسری بار وہ ملائین اٹھے اور تازیانے کھینچ کر جناب سلمانؓ کو مارنے لگے۔ آپؓ اس سے زیادہ نہیں فرماتے تھے کہ خداوند مجھے ان بلاؤں پر صبر عطا فرما جو مجھ پر تیرے برگزیدہ اور محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محبت میں نازل ہو رہی ہیں۔

مسلم کے صبر کی انتہا

تو ان کافروں نے کہا۔ اے سلمانؓ تم پر وائے ہو۔ کیا محمدؐ نے تمہیں تقیہ کے

لئے اجازت نہیں دی ہے کہ اپنے دشمنوں سے کفر کی باتیں کہہ دو ہم تم کو مجبور کر رہے ہیں مسلمانؑ نے فرمایا (بے شک) خدا نے مجھے اس امر میں تقیہ کی اجازت دی لیکن واجب قرار نہیں دیا ہے بلکہ جائز کیا ہے کہ میں وہ بات کہہ دوں جس پر تم مجھے مجبور کرتے ہو۔ اور تمہاری ایذا رسانی اور تکلیف دینے پر صبر کروں تو یہ اس سے بہتر ہے میں اس کے سوا کچھ پسند نہیں کرتا غرض اشتیاء پھر اٹھے اور ان کو بے شمار تازیانے مارے کہ حضرتؑ کے جسم مبارک سے خون جاری ہو گیا اور خدایک کے طور پر کہتے تھے کہ خدا سے نہیں کہتے ہو کہ ہم کو تمہاری آزار دہی سے باز رکھے اور وہ بھی نہیں کہتے جو ہم تم سے چاہتے ہیں لہذا ہم پر نفرین کرو کہ خدا ہم کو ہلاک کر دے اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو کہ خداوند عالم تمہاری دعا کو رد نہیں کرتا اگر محمدؐ آل محمدؐ کے توسل سے کرو۔

مسلمانؑ نے فرمایا میں کراہت رکھتا ہوں اس سے کہ خدا سے تمہاری ہلاکت کی دعا کرو۔ یہ سن کر ان کافروں نے کہا کہ اگر اس سے ڈرتے ہو تو پھر یوں دعا کرو کہ بار الہی ہلاک کر اس کو جس کے بارے میں تو جانتا ہے کہ وہ بغاوت اور سرکشی پر باقی رہے گا اگر اس طرح دعا کرو گے تو اس بات کا خوف نہ رہے گا جس کا تم کو خیال ہے۔

”مسلم“ کے لئے رسولؐ کی بددعا

اسی اثنا میں اس مکان کی دیوار شق ہوئی جس میں وہ لوگ تھے اور جناب مسلمانؑ نے حضرت رسالتؐ ماب کو دیکھا آپؐ فرما رہے تھے۔

اے مسلمانؑ! ان ظالموں کی ہلاکت کی بددعا کرو کیونکہ ان میں کوئی ایسا نہیں ہے جو ایمان لائے اور نیکی و ہدایت حاصل کرے۔ جس طرح حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کے لئے بددعا کی تھی جب کہ سمجھ لیا تھا کہ ان کی قوم ایمان نہ لائے گی

سوائے ان کے جو ایمان لاچکے ہیں یہ حکم پا کر سلمان نے پوچھا اے یہودیو! تم کس طرح ہلاک ہونا چاہتے ہو؟ بتاؤ کہ اسی امر کے لئے خدا سے التجا کروں وہ بد نصیب بولے کہ یہ دعا مانگو کہ خدا ہم میں سے ہر شخص کے تازیانے کو ایک سانپ کی شکل میں بدل دے جو اپنا سراٹھائے اور اپنے اپنے مالک کی ہڈیاں چبا ڈالے۔ چنانچہ حضرت سلمانؓ نے اسی طرح بد دعا کی تو ہر ایک کا تازیانہ سانپ بن گیا جن میں ہر ایک کے دو دو سر تھے۔ ایک سے اپنے مالک کا سرا اور دوسرے سے اس کا داہنا ہاتھ پکڑا جس سے وہ تازیانہ لئے ہوئے تھا اور تمام ہڈیاں چور چور کر ڈالیں اور چبا کر کھالیا۔

(دوسری طرف) عین اس وقت غایت کائنات، سرور دو جہاں، شفیع المذنبین، رحمت للعالمین حضرت محمد مصطفیٰؐ نے اپنی مجلس میں جہاں کہ تشریف فرما تھے اصحاب سے فرمایا کہ اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھی (ہمارے) سلمانؓ کی اس وقت میں یہودیوں اور منافقوں کے مقابلے میں مدد کی ہے اور ان کے تازیانوں کو سانپ بنا دیا ہے جنہوں نے ان کو چور چور کر کے کھالیا ہے۔ لہذا چلو ان سانپوں کو چل کر دیکھیں جن کو خدا نے سلمانؓ کی مدد کے لئے تعینات فرمایا ہے غرض جناب رسولؐ خدا اور اصحاب اٹھے اور اس مکان کی طرف چلے اس وقت تک آس پڑوس میں مقیم منافق و یہودی ان کافروں کی چیخ و پکار کی آواز سن کر وہاں جمع ہو گئے تھے جب کہ سانپ ان کو کٹ رہے تھے۔ جب ان لوگوں نے یہ حال دیکھا تو خوف زدہ ہو کر دور ہٹ گئے تھے جب حضورؐ وہاں تشریف آور ہوئے تو سب سانپ اس گھر سے نکل کر دریے کی ایک گلی میں آ گئے جو بہت تنگ تھی۔ اللہ نے اس گلی کو دس گنا کشادہ فرمایا۔ سید الانبیاء کو دیکھ کر سانپوں نے ندا دی۔

محمد و آل محمدؐ کی خدمت میں سانپوں کا ہدیہ سلام پیش کرنا

السلام علیک یا سید الاولین و الاخرین پھر سید الاولیاء پر سلام بھیجا اور

کہا السلام علیک یا علیؑ یا سید الوصینؑ پھر حضورؐ کی ذریت طاہرہؑ پر سلام کیا اور کہا السلام علیٰ فرتک الطہین الطاہرین جعلوا علی الخلائق قوامین یعنی اے رسولؐ سلام ہو آپؐ کی اولاد پر جو پاک و معصوم ہیں جن کو خدا نے امور خلق کے ساتھ قیام کرنے والا قرار دیا ہے۔

سلمان شیل نوحؑ ہیں

پھر عرض کیا یا رسولؐ اللہ ہم ان منافقوں کے تازیانے ہیں۔ خدا نے ہم کو اس مومن (مسلم حقیقی) سلمانؑ کی دعا سے سانپ بنا دیا ہے۔ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ الحمد للہ کے جس نے میری امت میں سے اس (سلمانؑ) کو قرار دیا جو صبر کرنے والا اور بدعائدہ دینے والا اور نہ نفیرن کرنے والا مثل حضرت نوحؑ کے ہے پھر ان سانپوں نے آواز دی یا رسولؐ اللہ! ان کافروں پر ہمارا غضب و غصہ شدید ہو چکا ہے۔ آپ کا اور آپ کے وصی کا حکم خدا کے ملکوں میں جارحی ہے۔ ہماری گزارش ہے کہ آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ ہم کو جہنم کے ان سانپوں میں قرار دے دے جن کو ان طاعین پر مسلط فرمائے گا تاکہ ہم ان پر جہنم میں بھی عذاب کرنے والے ہوں جس طرح دنیا میں ہم نے ان کو نیست و نابود کر دیا ہے حضورؐ نے فرمایا جو کچھ تمہاری تمنا تھی اللہ نے منظور فرما لی۔ لہذا جہنم کے سب سے نیچے طبقوں میں چلے جاؤ اور ان کافروں کی ہڈیاں جو تمہارے پیٹ میں ہیں اگل دو تاکہ ان کی ذلت و خواری کا تذکرہ زمانے میں زیادہ ہو اس سبب سے کہ لوگ ان کو دفن کر دیں تاکہ مومنین جو ان کی قبروں کی طرف سے گزریں تو عبرت حاصل کریں۔ اور کہیں کہ یہ ملعونوں کی اولاد میں سے ہیں جو محمدؐ کے دوست اور مومنوں میں سے برگزیدہ سلمانؑ محمدیؑ کی بددعا سے غضب الہی میں گرفتار ہوئے۔ یہ سن کر ان سانپوں نے جو کچھ ان کے پیٹ میں ان کی ہڈیاں

تھیں اگل دیں۔ اور ان کافروں کے اعضاء و اقربا نے آکر ان کو دفن کیا اور بہت سے کافروں اور منافقوں نے یہ معجزہ دیکھ کر اسلام قبول کر لیا مگر بہت سے کفار و منافق ایسے تھے جن پر شقاوت غالب ہوئی اور کہنے لگے کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جناب سلمان سے فرمایا کہ۔

www.sirat-e-mustaqeem.net

مدح سلمانؓ بزبان رسولؐ عالی شان

اے ابو عبد اللہ! تم میرے مومن بھائیوں میں خاص ہو اور مقرب فرشتوں کے دلوں کے محبوب ہو بے شک تم آسمانوں، خدا کے جبابوں، عرش و کرسی اور جو کچھ عرش کے درمیان، تحت السمائی تک ہے ان کے نزدیک فضیلت و کرامت میں مشہور و معروف ہو تم ایک آفتاب ہو جو طالع ہوئے ہو۔ اور ایک دن ہو جس پر گرد و غبار اور ہوا کی تیرگی نہیں اور اس آیہ کریمہ میں تمہاری مدح کی گئی ہے۔

النبي يوسن بالغيب

(حیات القلوب۔ تفسیر امام حسن عسکریؑ۔ چار یار)

آپ نے دو غیر معصوم مسالوں کے مثالی تذکرے مطالعہ فرما کر ”مسلم“ کی جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں ہو سکتا ہے شقاوت قلبی اور برکات ایلہی کے اثر سے کوئی ان کو عقیدت کا سنا پٹا، مذہبی جنون کی اختراع، قلم کا کرشمہ، افسانہ سازی یا خلاف عقل غامہ فرسائی قرار دے یا اس وقت کے حاضرین کی مانند ان واقعات کو سحر و جادو، شعبہ بازی یا مسمریزم و ہپنازم وغیرہ سے تعبیر کرے ہم کہتے ہیں کہ یہ کچھ نہیں ہے اگر یہ کرشمہ سازی ہے تو صرف ”اطاعت“ کی جادو ہے تو بدنگی کا حصہ ہے جو سرچڑھ کر بولتا ہے۔

امام منصوص کائنات میں بدرجہ روح و قلب ہے

کتب اہل بیتؑ کی تعلیمات کے مطابق امام منصوص یعنی خدائی خلیفہ کا ہر وقت اور زمانے میں وجود ضروری ہے کیونکہ حجت خدا عالم امکان میں روح و قلب کا درجہ رکھتی ہے اس لئے وہ عالم میں متصرف ہوتا ہے اور سارا بندوبست اس کی زیر نگرانی ایک منظم طریقے اور قاعدے کے ساتھ جاری رہتا ہے اس بات کو ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔

قوت انسانی روح کی قوت پر منحصر ہے

مشاہدے کے مطابق حرکت دو قسم کی ہوتی ہے (۱) حرکت طبعی (ذاتی) (۲) حرکت قسری (غیر ذاتی) مثلاً "کسی انجن کو جو چیز حرکت دیتی ہے وہ اس انجن کی ذات میں داخل نہیں ہے بلکہ خارج از ذات ہے۔ اور وہ غیر ذاتی و خارجی حرکت اس انجن کی محرک ہے۔ یہ انجن اگر ریل گاڑی کے سارے ڈیول کا محرک ہے اور اگر جہاز کا ہے تو جہاز اپنے انجن کی حرکت کی بدولت محرک ہے اب جس قدر یہ انجن طاقتور ہو گا اسی قوت سے ریل یا جہاز حرکت کریں گے یعنی محرک کی طاقت کے بل بوتے پر محرک اشیاء حرکت میں آئے گی۔

اب انسانی بدن کی مثال لیجئے اس کی حرکت بھی ذاتی نہیں ہے بلکہ اس کا مدبر خارجی ہے جسے ہم روح کہتے ہیں اور وہ روح اس جسد پر تصرف رکھتی ہے۔ جیسے ہی روح نے بدن کا ساتھ چھوڑا۔ جسم بے جان ہو گیا۔ یعنی انسان کی انسانیت اسی روح پر موقوف ہے۔ روح پرواز کر جائے تو جسم انسانی تو رہتا ہے مگر انسان مر جاتا ہے اب ایک شخص کسی دوسرے بے گناہ کو قتل کر کے خود بھی مارا جائے یا مرجائے اس مقتول کے قصاص میں اس مردہ قاتل کی گردن زنی نہیں کی جائے گی اس لئے وہ مردہ حالت میں انسان نہیں ہے بلکہ اصلی انسان اس کی روح تھی جو نفس غصری سے آزاد ہو گئی ہے چنانچہ یہ روح پورے انسانی جسم پر ایسا تصرف رکھتی ہے کہ کہیں بھی ہو اپنے زیر تسلط پورے بدن کے ایک عضو سے باخبر رہتی ہے۔ جیسے خواب میں یہ لاکھوں کوس دور کی سیر کر رہی ہوتی ہے جب کہ اس کی مملکت بدن بستر پر ہوتی ہے مگر ذرا سا چمچر کاٹ لے تو اسے اتنی فاصلے پر فوراً "خبر ہو جاتی ہے اور اس کا دھیہ کرتی ہے کیونکہ اس پر حاکم و متصرف ہے لہذا دوری نزدیکی اس کے سامنے برابر ہے۔

اسی طرح یہ سارا عالم هست و بود جسم بندہ کی مانند ہے چنانچہ قرآن مجید میں خلاق عالمین نے جملہ موجودات ارضی و سماوی کو ایک ”عبد“ ہی قرار دیا ہے ایسے ہی تمام عالم امکان ایک کتاب وجودی ہے۔ جس میں حجت خدا روح و قلب کی حیثیت سے متصرف ہوتی ہے اب ”روح و قلب“ کے لئے ضروری نہیں آنکھوں کے سامنے ظاہر ہو کر حکم چلائے وہ جہاں کہیں بھی ہے جس حال میں بھی ہے اپنے زیر تسلط مملکت سے باخبر و با تعلق ہے۔

جب روح بے چین ہو اور دل بے قرار ہو تو سارا بدن نڈھال ہوتا ہے کہ ایک موقع پر حضورؐ نے اپنے فرزند امام حسین علیہ السلام سے فرمایا کہ۔
 ”اے فرزند تجھ کو دشمن زبردستی عراق کی طرف گھیر کر لے جائیں گے اور تیرے ساتھ ایک جماعت ہوگی جو لوہے کے (تھیاروں کے) زخموں کو محسوس تک نہ کرے گی۔ یعنی تیرے صدمے میں ایسے مصروف ہوں گے کہ ان کو تلواریں لگتی ہوں گی۔ تیر لگتے ہوں گے۔ نیزے چبھتے ہوں گے مگر وہ متاثر نہ ہوں گے چنانچہ واقعات شاہد ہیں کہ اصحاب حسین علیہ السلام کا حال یہی تھا کہ جب وہ امام مظلوم کو اذیت میں دیکھتے تھے تو اپنے وجود سے غافل ہو جاتے تھے کیونکہ امام قلب کائنات ہے۔ جب دل بے قرار ہو تو دوسرے اعضاء کو سکون کیسے مل سکتا ہے چنانچہ روایت میں ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پیش گوئی کے بعد آیہ مبارک ”یا نار کونی ہودا و سلاما“ کی تلاوت فرمائی گویا سرور کونینؐ نے اصحاب حسینؑ کو درجہ ابراہیمؑ میں داخل فرمایا۔ اور دنیا خوب جانتی ہے کہ اس خدائی جماعت کے چھوٹے بڑے مرد و زن نے روز عاشور کیسے کیسے کار ہائے نمایاں انجام دیئے اور ان اصحاب نے جن کے متعلق امام حسینؑ نے کھلے میدان میں اعلان فرمایا کہ۔

”جیسے اصحاب مجھے ملے ہیں ویسے اصحاب نہ میرے نانا کو نہ میرے بابا کو اور نہ میرے بھائی کو ملے ہیں“

شہدائے کربلا نے معرکہ کربلا میں اپنے ایسے ذاتی جوہر دکھائے ہیں جن کی نظیر نہیں مل سکتی مورخین لکھتے ہیں کہ عباس ابن ابی شیبہ شاکری رحمت اللہ علیہ جس وقت میدان میں گئے تو لشکر اشقیاء میں تہلکہ مچ گیا۔ عباس بار بار الرجل الرجل پکارتے تھے مگر کوئی دشمن مقابلے کے لئے باہر نہیں آتا تھا۔ کیونکہ عباس کی شجاعت سے لوگ واقف تھے۔ لکھا ہے کہ ربیع ابن تمیم نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا اس کو جانتے ہو یہ کون ہے؟ میں نے اس کو جنگ آذربائیجان میں دیکھا ہے کہ اس شخص نے تنہا حملہ کر کے ساٹھ آدمیوں کو قتل کیا۔ یہ سکر تمام لوگ ایک دوسرے کے پیچھے چھپنے لگے عمر ابن سعد نے جب یہ صورت دیکھی تو سنگ اندازوں کو حکم دیا کہ سنگ باری شروع کر دیں۔ یہ سن کر عباس نے خود کو سر سے اتار دیا اور کمر تک اپنے بدن کو برہنہ کر لیا اور فرمانے لگے مجھے پتھروں کی دھمکی دیتے ہو۔ جھپٹے اور ادھر سے چار ہزار سنگ اندازوں نے اندھا دھند سنگ باری شروع کر دی۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ ان چار ہزار سنگ اندازوں کے پتھروں سے انکا کیا حال ہو گا۔ مگر وہ بکمال قوت قلب لڑتے رہے اور آخر کار جام شہادت نوش فرما کر زندہ جاوید ہوئے۔

(مواظف حسنہ علامہ عبدالعلی ہروی)

اہل بیتؑ کی سیرت نبویؐ سیرت کا مکمل نمونہ ہے

حیات پر اسلامی آئیڈیالوجی کا اہل بیت رسولؐ کی تعلیمات کے مطابق یہ بڑا صریح اثر ہے کہ اگر ان میں کوئی فرد حجت خدا کی صورت میں قائم نہ ہو تو زندگی بے جان ہو جاتی ہے۔ اس مکتب کے روحانی نصاب تعلیم اور درجات ترقی کا اندازہ لگانے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ تصوف کے سارے سلسلے اس مکتب کی چوکھٹ پر اختتام پزیر ہوتے ہیں۔ لہذا معرفت و عرفان اور سیروسلوک جیسے عمیق سمندروں کی سیر کرنے کیلئے مطلوبہ معیار اہلیت مخصوص سعادت مندوں کے نصیب میں ہے ہمارے جیسے عاجز و قاصر صرف اظہارِ عجز کے ساتھ ان مقدس ہستیوں کی عظمت کو ہدئیہ سلام پیش کر سکتے ہیں۔ البتہ تیر کا "اتنا کہنے کی جرات ضرور کر سکتے ہیں کہ اہل بیتؑ اسلامی تعلیم و تربیت کا کامل نمونہ ہیں انکی سیرت بالکل ویسی ہی ہے جیسی سیرت النبیؐ ہے۔

آل محمدؐ اطاعت اور اتباع رسولؐ کی معراج پر

حیات کے مادی پہلو کو پیش نظر رکھتے ہوئے تاریخی اعتبار سے بلاشبہ سنہ ۱۱ھ یعنی رحلت رسولؐ سے لیکر سنہ ۶۶۰ھ یعنی حضرت قائم آل محمدؐ کے غیبت تک کے ڈھائی سو سالہ زمانے میں ائمہ ہدیٰ نے زندگی کے مختلف طور طریقے دیکھے اور ہر طرح کے حالات سے ان کا سابقہ پڑا۔ انہوں نے اپنی بشری زندگیاں مختلف شکلوں اور انوکھے انقلابوں میں بسر فرمائیں۔ مگر اس سارے سلسلے کا مشترکہ ہدف صرف یہ رہا کہ روش رسولؐ مقبول کے اتباع میں سوت برابر بھی کمی بیشی نہ ہونے پائے۔ صراطِ مستقیم کی حفاظت میں ایک لمحہ بھی غفلت نہ برتی جائے۔ اسلامی شریعت کو تغیر و تبدل اور تحریف سے ہر قیمت پر بچایا جائے۔ اور لوگوں کو اطاعت رسولؐ کی تعلیم سے بہرہ ور رکھنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی جائے۔ چنانچہ حتی المقدور اور تا

حد امکان انہوں نے اس نیک روش کو کبھی ترک نہیں کیا ہے۔

بعثت کے بعد پیغمبر اسلام نے اپنی زندگی کے تیس (۲۳) برس تین مرحلوں میں گزارے۔ پہلے تین سالوں میں حضورؐ نے لوگوں کو خفیہ طور پر دعوت اسلام دی۔ اس کے بعد دس سال آپؐ نے علانیہ دعوت دی۔ اس عشرے کے دوران آپؐ کو معاشرے کے ہاتھوں سخت ترین تکالیف اٹھانی پڑیں۔ آپؐ کو سماج نے ایسی آزادی سے محروم رکھا جو اصلاح معاشرہ کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ لہذا بعد کے دس برس آپؐ کو ہجرت کر کے ایسے ماحول میں گزارنا نصیب ہوئے جس کا تقاضا سچائی اور حقیقت کہ زندہ کرنا تھا۔ چنانچہ اس بارگت عشرے میں اسلام خوب پھلا پھولا۔ اور دن بدن عوام الناس کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ ہر لحظہ ہر آن دنیا کے سامنے علم و دانش اور کمال کے جدید ابواب کھلتے گئے۔ ان تینوں ادوار کے اپنے مختلف حالات اور تقاضے تھے لہذا موقع و محل کی مناسبت اور ضرورت کے لحاظ سے سیرۃ النبیؐ مختلف شکلوں میں جلوہ گر ہوئی جبکہ مقصد و ہدف صرف ایک رہا۔ کہ حق کو زندگی اور تابندگی عطا کرنا ہے۔ جو بندگی کے بغیر شرمندگی ہے۔

مشکلات

ائمہ اہل بیتؑ کو جیسے حالات سے سابقہ پڑا وہ بالعموم رسول اکرم کے اول مرحلے کے دور سے ملتے جلتے تھے۔ جبکہ حق کا اظہار ممکن نہ تھا۔ چنانچہ امام ابراہیمؑ منصبی فریضہ بڑے محتاط انداز میں ادا فرماتے رہے۔ مثلاً "چوتھے امام علی بن حسین زین العابدینؑ اور چھٹے امام جعفر صادقؑ کے آخری زمانے کے معاشرتی ماحول کا تقاضا یہی تھا۔ بعض اوقات صورت حال ہجرت سے پہلے دس سالہ دور سے مشابہ ہوئی تھی۔ جب ائمہؑ لوگوں کو علانیہ دعوت دیتے تھے لیکن مکرر کی سختیوں کی وجہ سے آپ اور آپ کے پیروکاران آزادی سے کچھ نہ کر سکتے تھے۔ ایک طرف امام

علوم دین کی اشاعت و ترویج کی بھرپور کوشش کرتے تھے تو دوسری طرف وقت کے طاغوت اپنے اثرورسوخ کو بروئے کار لا کر ان کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرتے اور نئی مشکلات حائل کر دیتے تھے۔ البتہ مدنی زندگی کے دس سالوں جیسا دور جزوی حد تک ائمہ کو حاصل ہوا۔ مثلاً ”حکومت علویہ“ کا پانچ سالہ عہد سیدہ طاہرہ امام حسن اور امام حسینؑ کی زندگی کے ماحول کا تھوڑا سا حصہ کہ جس میں حق و حقیقت کا جلوہ بے حجاب دکھائی دیتا تھا اور ان ایام میں شیعہ کی طرح صاف عہد رسالتؐ تب کی جھلک نظر آتی ہے۔ مختصر یہ کہ تھوڑے دنوں کے سوا باقی مدت میں ائمہ طاہرین کو ایسی فضا دستیاب نہ تھی جو صاف ہوتی۔ وہ غائب حکمرانوں سے فکر لینے یا علانیہ مخالفت کرنے میں مادی لحاظ سے مجبور تھے۔ چنانچہ زیادہ انہوں نے تقیہ کی وصال کا سارا لیا تاکہ استبدادی حکومتوں کو بہانہ نہ مل سکے۔ مگر اس احتیاط کے باوجود دشمن شب و روز ان کے نور کو بجھا دینے کی مزموم کوشش میں مصروف عمل رہا۔ جیسا کہ قرآن آگاہ فرما چکا تھا کہ ”لوگوں کی کوشش ہے کہ نور خدا کو پھونکوں سے بجھا دیں مگر اللہ اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا۔ (۸/۶۱)

گو اہل بیتؑ عظامؑ پر مسلسل سختیاں کی جاتی تھیں لیکن وہ بھی خدا کی طرف سے تفویض کردہ فرض کی ادائیگی میں لگے رہتے تھے۔ اور سچے دین اسلام کی دعوت اور صالح افراد کی تربیت میں کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہیں کرتے تھے۔ سنگین ترین اور انتہائی ناسامد حالات میں بھی انہوں نے علوم اسلامیہ کا انمول خزانہ امت کے حوالے فرمایا۔ زمانہ حاضر کی جملہ مادی و روحانی ضروریات کیلئے ائمہ طاہرین کا عطا کردہ علمی و فنی سرمایہ جو عام دسترس میں ہے کافی ہے۔ چنانچہ ہم اس سلسلے میں بارہ علوم جدیدہ کے مطالعہ کی روشنی میں چیدہ چیدہ نثر پارے اپنی تالیف ”صرف ایک راستہ“ میں بطور نمونہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ اگر ان آثار پر تحقیق و جستجو اور محنت و لگن کو بروئے کار لایا جائے تو مسلمان قوم

یقیناً اپنا اعزاز قیادتِ ملل سر بلندی و افتخار کے ساتھ یقیناً حاصل کر سکتی ہے۔ کیونکہ فلاح و بہبود کا راز صرف اور صرف ”علوم و فنون“ میں مضمر ہے۔ علم حق ہے۔

حق کا دوسرا نام علیؑ ابن ابیطالب ہے

حق ہمیشہ سر بلند ہوتا ہے۔ کبھی سرگوں نہیں ہوتا۔ مگر حق علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ حق کے ساتھ ہیں۔ حق مڑ جاتا ہے اور ہر جگہ علیؑ مڑ جاتے ہیں۔ یہی دعائے رسولؐ برحق ہے۔ اور روز غدیر اسی لیے پیغمبرؐ نے بحکمِ خدا امت کو علیؑ سے وابستہ رہنے کی تاکید فرمائی۔ روز غدیر اپنے خطبہٴ قدیر میں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ”لوگو! بلاشبہ علیؑ اور میری اولاد طاہرہ ثقلِ اصغر ہیں اور قرآن ثقلِ اکبر ہے۔ پس ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کی خبر دینے والا ہے۔ اور موافقت رکھنے والا ہے۔ یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس جوشِ کوثر پر وارد ہوں۔ یہی اللہ کے امین ہیں۔ اس کی خلقت میں۔ آگاہ رہو کہ میں نے ادا کر دیا۔۔۔ جان لو کہ میں نے پہنچا دیا۔ خردوار رہو کہ میں نے سنا دیا۔ سمجھ لو کہ میں نے واضح کر دیا۔ آگاہ رہو کہ خدائے بزرگ و برتر نے حکم دیا اور میں نے اللہ عزوجل کی طرف سے بیان کر دیا۔ جان جاؤ کہ بے شک کوئی اور امیر المومنین نہیں ہے سوائے میرے اس بھائی (علیؑ) کے اور حلال نہیں ہے امارت مومنین سوائے ان کے کسی دوسرے کو۔ (پھر اپنے ہاتھ سے ان کا شانہ پکڑا کر اٹھایا اور جب ابتدا میں رسولؐ اللہ منبر پر گئے تھے تو بھی اس قدر بلند کیا تھا کہ علیؑ کے پاؤں رسولؐ کے گھٹنے تک پہنچ گئے تھے) (پھر فرمایا)

اے گروہِ مردم! یہ علیؑ میرا بھائی اور میرا وصی اور میرا مرکزِ علم ہے۔ اور میرا خلیفہ ہے، میری امت پر۔ اور علیؑ کتبِ خدا کی تفسیر اور اسکی طرفِ دعوت دینے

والے ہیں۔ اور ہر ایسا عمل کرنے والا جو اللہ کو پسند ہے اور جنگ کرنے والے ہیں اس کے دشمن سے اور محبت رکھنے والے ہیں اس کی اطاعت سے۔ روکنے والے ہیں اس کی معصیت سے رسول خدا کے خلیفہ اور امیر المومنین۔ ہدایت کرنے والے امام اور بیعت توڑنے والوں وعدے سے پھرنے والوں کو اللہ کے حکم سے قتل کرنے والے ہیں۔ میں جو کچھ بھی کہتا ہوں اللہ کے حکم سے بغیر کسی تبدیلی کے کہتا ہوں۔ لہذا اب میں یہ کہتا ہوں خداوند دوست رکھ اس کو جو دوست رکھے ان کو اور دشمن رکھ اسے جو دشمن رکھے ان کو اور لعنت کر اس پر جو منکر ہو اور غضب نازل کر اس پر جو ان کے حق سے انکار کرے۔ خداوند! تحقیق کہ تو نے نازل کیا ہے مجھ پر کہ تحقیق امامت تیرے ولی علیؑ کیلئے ہے جبکہ میں نے اسے بیان کر دیا اور جبکہ ان کی ولایت کا اعلان کر دیا تو نے اپنے بندوں کے دین کو کامل کر دیا۔ اور تمام کردی اپنی نعمت۔ اور راضی ہوا ان کے دین اسلام سے جیسا کہ تو نے کہہ دیا ہے۔ ”کہ جو اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو پسند کریگا وہ قبول نہ کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں گھائلے میں رہے گا۔“ خداوند! بلاشبہ میں تجھے گواہ کرتا ہوں کہ بے شک میں نے تبلیغ کر دی۔ اے گروہ انسان! تحقیق کہ اللہ نے دین کو ان (علیؑ) کی امامت سے کامل کیا ہے۔ پس جو امام نہ مانے گا اس کو اور میری ان اولادوں کو جو ان کے سلب سے ان کے جانشین ہوں گے قیامت تک۔ جو بارگاہ خدا میں پیشی کا دن ہے پس وہی لوگ وہ ہیں جن کے اعمال سلب کر لئے جائیں گے اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے نہ خدا ان کے عذاب میں کمی کرے گا اور نہ ان پر نظر (رحم) کی جائے گی۔

اے انسانو! یہ علیؑ سب سے زیادہ میرا مددگار ہے اور سب سے زیادہ میرا حق دار ہے اور سب سے زیادہ مجھ سے قریب ہے اور سب سے زیادہ مجھے عزیز ہے اللہ عزوجل اور میں ان سے راضی ہیں اور جو بھی آیت رضا نازل ہوتی ہے وہ ان

کی شان میں اور جہاں بھی لفظ ”امنوا“ سے خطاب کیا گیا ہے اس میں مقصد ایمان یہی ہے اور نہیں نازل ہوئی کوئی آیت مدح قرآن میں لیکن انہی کی شان میں۔ اور نہیں بشارت دی اللہ نے جنت کی سورہ حل اتی میں مگر ان ہی کے لئے اور نہیں نازل کیا ہے اسکو ان کے کسی اور کے لئے اور نہیں مدح کی اس میں سوائے ان کے کسی دوسرے کی۔

اے لوگو! وہ ناصر دین خدا ہے اور سولہ کی طرف سے جنگ کرنے والا ہے۔ اور وہ صاحب تقویٰ پاک و پاکیزہ ہدایت یافتہ ہادی ہے۔ تمہارا نبی ہر نبی سے بہتر ہے اور تمہارا وصی ہر وصی سے بہتر اور اس کی اولاد سب اوصیاء سے بہتر اے معاشرہ الناس! ہر نبی کی اولاد اس کے صلب سے ہوئی ہے اور میری ذریت علیؑ کی صلب سے ہوگی (خطبہ الغدير)

الغرض اہل بیتؑ اور طلاب مکتب اہل بیتؑ کے علمی کارنامے، نادر شاہکار، ناقابل فراموش اور ترقی بخش ہیں۔ اگر خلوص نیت سے ان سے استفادہ کیا جائے تو کوئی وجہ ممکن نہیں کہ مسلم امہ احساس محرومی، پس ماندگی اور مفلسی سے نجات حاصل نہ کر سکے۔ چنانچہ صراطِ مستقیم جو کامیابی اور کامرانی کا راستہ ہے وہ اتباعِ اہل بیتؑ رسول ہی ہے۔ اس سے حقیقی سکون مل جاتا ہے تمام خوف رفع ہو جاتے ہیں مکمل تمکین نصیب ہوتی ہے دل کو قرار، روح کو فرحت ملتی ہے اور انسانیت اپنی منزل مقصود تک رسائی پا جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے ”یعنی اہل البیت مفاتیح الرحمتہ و موضع الرسالتہ و معدن العلم“

ہم اہل بیت رحمت کی کنجیاں، رسالت کا مقام اور حلم کی کلن ہیں۔

(فردوس الاخبار۔ دہلی)

باب مدینۃ العلم، امیر المومنین علیہ السلام بارگاہ رب العزت میں ہدیہ تشکر بجا لاتے ہوئے عموماً فرمایا کرتے تھے کہ

”الحمد لله الذي جعل لنا الحكمت اهل البيت“ (مسند احمد بن حنبل)

یعنی اللہ کا شکر ہے جس نے ہم اہل بیتؑ کو حکمت سے نوازا ہے۔
مکتب اہل بیتؑ کے نصابی درسوں کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اس مکتب نے تمام علوم کے بارے میں صدیوں قبل وہ اہم انکشافات کئے جنہیں آج کے مدیرین اتمائی ترقی کے مدارج پر پہنچ جانے کے باوجود بھی معلوم نہیں کر سکے۔ چنانچہ یہ مرتبہ علمی اہل بیتؑ کی عظمت و حقانیت کو پوری طرح ثابت کرتا ہے۔ ایسے لوگ جو مذہب کی مذمت اور بے دینی کی مدحت کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں اگر انہیں توفیق مل سکے تو اس ”بحر علوم“ کے کنارے پر کھڑے ہو کر بھی ایک نظر دیکھ لیں۔ ہمیں یقین ہے کہ صرف نظارہ آب ہی ان پر طاری مغربیت اور دہریت کا رعب زائل کر دے گا۔ اور آنکھیں پھر سے کھل جائیں گے۔

دانشگاہ اہل بیتؑ میں جو بھی آیا کچھ لے کر گیا

نظریہ ضرورت اور تقاضائے حالات و ماحول کے تناظر میں آئمہ اہل بیتؑ اور ان کے ہونہار شاگردوں نے ہر میدان علمی میں ہر دور میں اپنی علمی جلالت اور فنی شان منزلت کا لوہا منوایا ہے یہ مضبوط تاریخی ریکارڈ ہیں اور ان حقائق کا اعتراف کیا جاتا ہے لہذا اپنے منہ میاں مٹھو بننے کی کیا ضرورت ہے۔ جابر ابن حیان، صدر الدین شیرازی، فارابی، اور طوسی جیسی نابغہ روزگار شخصیات سے کون واقف نہیں ہے یہ اسی دسترخوان کے خوشہ چیں تھے ہمیں علامہ شبلی نعمانی کی سیرۃ النعمان میں تحریر کردہ یہ بات بڑی معقول لگی ہے کہ کہ ابو حنیفہ لاکھ مجتہد سنی مگر علم و عرفان

میں امام جعفر صادقؑ سے ان کی کیا نسبت علوم تو سارے اہل بیتؑ کے گھر سے نکلتے ہیں۔

الفرض آئمہ اہل بیتؑ اور ان کے پیروکاروں نے بقدر ضرورت اپنے اپنے عہد میں عوام الناس کی علمی پیاس کو بجھانے کے لئے کافی مقدار میں آب حیات مہیا کیا۔ اور تشنگی اس سے خوب سیر ہوئے۔ تھیوری اور پریکٹیکل دونوں طرح تدریس و تربیت کا اہتمام کیا گیا۔ اپنے اپنے ظرف کے مطابق دانش جو دانش مند ہوتے گئے۔ لوی میدان ہو یا روحانی فضا دونوں کو ہاتھوں میں رکھا اور کوئی غیر سبقت نہ لے جاسکا۔ جو بھی اس دانشگاہ میں آیا کچھ لے کر گیا۔ اسی مکتب میں ایسے مسلم تیار ہوئے جو بوقت ضرورت ”دین“ کی حقانیت کا ثبوت ثابت ہوئے۔

علماء امت مسلمہ بدرجہ انبیاء بنی اسرائیل ہیں

عباسی دور حکومت میں ایک یہودی علما کی جماعت نے مسلمانوں کو عجیب مشکل میں مبتلا کیا انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فرمان کہ ”میری امت کے علماء کا درجہ بنی اسرائیل کے نبیوں کے برابر ہے“ کا مذاق اڑایا۔ اور حاکم وقت پر دباؤ ڈالا کہ اگر یہ دعویٰ سچا ہے تو پھر عالم اسلام میں سے کوئی ایسا عالم پیش کیا جائے جو مصداق بن کر اس حدیث کو عملاً ”صحیح ثابت کر سکے۔ مسلمان سخت پریشان تھے کہ ایسا عالم کہاں سے لائیں۔ عبدالکریم نامی ایک جنگل نشین تک اس کا چرچا پہنچا۔ بندہ مسلم، مطیع کامل، متمک بالثقلین تھا۔ او اسی جرم کی سزا میں در بدری کے ایام گزار رہا تھا۔ جب اسلام پر آج کو محسوس نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ جذبات ایمانیہ سے معمور بے خوف شر آگیا اور یہودیوں کے چہ کو قبول کرنے پر آمادگی کا اعلان کیا مسلمانوں کی جان میں جان آئی۔ شر میں خود کی ابرودہی۔ مگر اندر سے دل دھک دھک کر رہے تھے ایمان کمزور تھا لہذا یتیم

نہ کیا تیور بھانپ کر ان بزرگ ”مسلم“ نے فرمایا۔ خوف مت کھائیے اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اگر میں اپنے رسولؐ کے بول کو بلا کر کے سرفراز نہ ہوا تو یہ سرخیدہ کر کے کٹوا دوں گا اب کچھ کچھ مسلمانوں کی سانس میں سانس آنا شروع ہوئی اور سوچا کہ جو شخص جان ہتھیلی پر رکھ کر یہ جوئے شیر لانے کا عزم ہے اس کے پیچھے کچھ نہ کچھ تو ضرور ہے۔ چنانچہ پروگرام مرتب ہوا۔ منادی کرا دی گئی، لوگوں کے ٹھٹھے کے ٹھٹھے میدان میں جمع ہو گئے۔ دین کے ناموس، اسلام کی صداقت، اور مسلم کی عزت کا امتحان ہونے کا وقت آگیا۔ اہل یہود نے عبدالکریم رحمت اللہ علیہ کے سامنے منقولہ بالا حدیث رسولؐ دہرائی اور مطالبہ کیا اس کی علی تفسیر پیش کریں۔ حضرت نے یہودیوں سے دریافت فرمایا

”کہ بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے آپ کے نزدیک افضل ترین نبی کون

ہیں؟

یہودی نے جواب دیا کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام

آپ نے فرمایا۔

”ٹھیک ہے جناب کلیم اللہ کو خدا نے دو خصوصی معجزے عطا فرمائے ان کے عصاء کو اڑوڑھا دیا اور ان کے ہاتھ کو پید بیضاء

احقر العباد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اونی کلمہ گو ہے عالم تو نہیں مکتب اہل بیتؑ رسولؐ کا ایک طالب علم ہے۔ بے شک میرے رسول صادقؐ کا فرمان سچ ہے اور اپنا عصا زمین پر پھینکا تو فی الفور اڑوڑھا کی شکل اختیار کر گیا۔ اور اپنی ہتھیلی کھول کر دکھائی جو منور تھی اور خود سجدہ ریز ہو گئے۔ مسلمانوں نے اللہ اکبر اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے بلند کئے اور اسلام کی فتح کا جشن منانے میں مصروف ہوئے۔ حضرت صاحب اسی بھیڑ میں روپوش ہو گئے۔

(خلاصہ از حیات الحيوان علامہ دمیری)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ دنیا سے لا تعلق اس مومسلم میں کیا قوت تھی؟ وہی بات ہے کہ سچا مسلم مادی دنیا کی آرائش و زیبائش اور دلکشی و رعنائی کی کوئی وقعت نہیں سمجھتا کیونکہ اس کو روحانی دنیا سے آشنائی ہوتی ہے لہذا یہ کہیں حیات مادی اس کی نگاہ میں نیچ و بے وقعت ہو جاتی ہے اسے اس سے کوئی خصوصی دلچسپی ہی نہیں ہوتی۔ لیکن بوقت آزمائش دنیا کے سامنے اپنے مقام اور قوت روحانی کا مظاہرہ کرنے پر قادر ہوتا ہے تاکہ اسلامی دعویٰ کی حقانیت کو ثابت کر سکے۔ چنانچہ ترک دنیا کی ممانعت کی نصیحت کرنے کے باوجود امیر المومنین اس دنیا کے بے ثباتی اور بے وقفی کے پیش نظر اس کی تحقیر فرمایا کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے۔

دنیا کی قدر و مدح

”تمہاری دنیا علیؑ کی نگاہ میں ویسی ہے جیسے سور کی ہڈی جو کسی کو ہڑی کے ہاتھ میں ہو“

(نہج البلاغت)

امام علیؑ کا یہ فرمان ترک دنیا کی حمایت نہیں ہے۔ اسی لئے امامؑ نے ”تمہاری دنیا“ فرمایا ہے۔ ”میری دنیا“ نہیں کہہ۔ اس مذمت دنیا کا مطلب حرص دنیا ہے یعنی ایسی دنیا جس میں شیطانی راج ہو چنانچہ مہدی علیؑ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علانیہ تعلیم فرمائی ہے کہ

”تم میں سے وہ شخص قابل تعریف نہیں جو دنیا کو آخرت کے لئے چھوڑ بیٹھے اور وہ جو آخرت کو دنیا کیلئے ترک کر دے۔ بلکہ اچھا وہ شخص ہے جو دنیا و آخرت دونوں میں حصہ لے“

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ
 ”اور جو کچھ تجھے اللہ نے دیا ہے اس میں آخرت کی جستجو کر۔ دنیا میں سے اپنے
 حصے کو بھی نہ بھول“
 (القصاص)

حضرت امیر علیہ السلام ترک دنیا کی ممانعت فرماتے ہوئے ایک شخص کو
 نصیحت کرتے ہیں جب اسے دنیا کی مذمت کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ فرمایا۔

دنیا کی تعریف امیر المومنینؑ کی زبانی

”دنیا سچائی کا گھر ہے۔ اس شخص کے لئے جو اس کے ساتھ سچائی سے
 معاملہ کرے دنیا امن و عافیت کا مقام ہے اس کے لئے جو اسے سمجھ گیا ہو۔ اس
 شخص کے لئے جو اس سے نصیحت حاصل کرے۔

دنیا دوستان خدا کی مسجد ہے۔ ملائکہ کا مصلیٰ اور وحی کی منزل ہے۔ دنیا اولیاء اللہ
 کی تجارت گاہ ہے جس میں وہ رحمت کھاتے ہیں اور جنت کا نفع اٹھاتے ہیں۔“
 (شیخ ابیلاضہ)

جنت و شہنشاہ اہل بیتؑ پر حرام ہے

پس فرمودہ امامؑ کے مطابق جب دنیا ایک تجارت گاہ ہے تو منڈی کے
 زریں اصول ایمانداری، دیانتداری اور وعدہ وفا کی ہوتے ہیں۔ لہذا ”رحمت“
 کمانے کے لئے اور جنت کا ”نفع“ حاصل کرنے کی خاطر ضروری ہوا کہ ”رحمت
 للعالمین“ سے کئے گئے روز غدیر کے وعدے پر کاربند رہا جائے اور عہد کا
 دیانتداری سے پاس کیا جائے۔ تاکہ رحمت کمالی جاسکے۔ اور جنت کا نفع حاصل کیا
 جائے۔ حضورؐ نے اعلان فرمایا۔

”ان الله حرم الجنة على من ظلم اهل بيتي او قاتلهم او افارهم او سبهم“
 بالتحقیق اللہ نے جنت کو حرام کر دیا اس شخص پر جو کہ میرے اہل بیتؑ پر ظلم

کرے ان سے مقاتلہ کرے ان کو لوٹے یا ان کو برا بھلا کہے۔

(مسند امام علی الرضا)

دشمن اہل بیتؑ کے لئے ”مال و عیال کی کثرت“

کی بددعائے رسولؐ

مال اور عیال دنیا کے دو بڑے فتنے ہیں۔ انسان زیادہ تر ان کا حریص ہوتا ہے چنانچہ دشمن اہل بیتؑ کے لئے شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان ہی فتنوں کی بددعا فرمائی ہے امیر المومنین علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہ خدا میں دعا فرمائی۔

”یا اللہ! جو مجھ سے اور میرے اہل بیتؑ سے بغض رکھے ان کو مال اور عیال کثرت سے دے کر ان دونوں کو ان کی (غیاء) گمراہی کے لئے کافی گردان تاکہ ان کی دولت بہت ہو لہذا ان کا حساب بھی لمبا ہو اور ان کا عیال بہت سا ہو پس ان کے شیاطین اور بڑھیں۔“

(اربع لمطالب بحوالہ دہلی)

چنانچہ دشمن اہل بیتؑ کا مال و عیال میں کثیر ہونا بددعائے پیغمبرؐ کا نتیجہ ہے۔ جس کا سبب خود حضورؐ نے واضح فرما دیا ہے۔

مسلم اکابرین کا سائنسی شعور

مکتب اہل بیت رسولؐ سے فارغ التحصیل علماء نے اپنے اپنے معاشرے میں ممتاز مقامات حاصل کئے اکابرین اسلام کے سائنسی شعور کا انحصار تجربات پر نہیں ہے بلکہ اس کی اساس خالصتہً ”علم وہی پر ہے۔ اسی لیے وہ جس شعبہ علم و فن میں داخل ہوئے وہاں انہیں جید استاد کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا۔ تجربات و مشاہدات سے ماخوذ سائنس علوم کے کلیات و مقدمات آئے دن تبدیل ہوتے رہے۔ لیکن جو سائنسی ”مسلمات“ تعلیمات اہل بیتؑ سے حاصل ہوتے ہیں وہ اہل ہیں اور صدیوں پہلے بغیر کسی مشین و آلے کے انکی نشاندہی کی جا چکی ہے۔ اگر ان موتیوں کو اکٹھا کیا جائے اور ان پر غور و فکر کرنے کی سعی میں کوتاہی نہ برتی جائے تو ان کی آب و تاب سے یہ دنیا جگمگ جگمگ کرنے لگے سروسرہ کائناتی رازوں کی نقاب کشائی۔ فضائی بھیدوں کا افشاء۔ آئندہ ہونے والے واقعات کا علم اور مستقبل کی سائنس کے بارے میں واضح پیشگی اشارے الغرض کوئی بات ایسی نہیں جو مکتب اہل بیتؑ کے کورس میں موجود نہ ہو۔ اسی لیے دعویٰ فرمایا

”ہم اس کتاب (قرآن) کے وارث ہیں جس میں ہر چیز کا بیان موجود ہے۔“

بعض لوگوں کا یہ وہم ہے کہ سائنس و فلسفے نے مذہب کی بنیاد کو کھوکھلا کر دیا ہے اور جس قدر سائنس کی روشنی دنیا میں پھیلتی جا رہی ہے انسانی طبیعت میں مذہب سے لمحہ بعد لمحہ رہا ہے دراصل یہ فاسد رجحان خود سائنس کی حقیقت کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے سائنس ہو یا فلسفہ دونوں کی کرشمہ سازی کا دائرہ فطری و عملی محسوسات تک محدود ہے جہاں محسوسات ختم ہو جائیں وہاں سائنس اور فلسفہ دونوں ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ یعنی سائنس کی حد طبعیات تک ہے اور ما بعد الطبیعیات تک اسکی رسائی ممکن نہیں۔ جو کہ بہت ہی زیادہ وسیع ہے سائنس

مزیات سے سروکار رکھتی ہے۔ اسے غیر مرنے دینا سے کوئی تعلق نہیں اسباب سائنس کائناتی قوتوں کے باہمی تعلقات اور اسکے اثرات تو ہمیں سمجھا سکتے ہیں۔ لیکن اسکے آغاز و انجام کی خود انہیں کوئی خبر نہیں بلکہ وجہ ہے کہ سائنسی نظریے حتیٰ نہیں ہوتے مگر دین کی بنیاد علم وہی پر ہے جسکی حدیں سائنس کے تصور میں بھی نہیں سہاسکتی لہذا دین فطرت جو بلعینات اور مابعد الطبیعیات دونوں پر حاوی ہے سائنس سے بہت آگے ہے جبکہ اہل بیت تمام علوم کے وارث ہیں۔

سائنس کا راج

ام و مل کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خطہ ارضی پر آبادی میں کسی کیف کا خصوصی رواج و اثر ہوتا رہا اور عوام کا رجحان اس شعبے کو عروج تک لے جانے میں مشغول رہا ہے۔ مثلاً "حضرت موسیٰ" کے دور میں جادو کا بڑا رواج تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کے عہد میں مسیحائی پر خوب ناز کیا جاتا تھا۔ خاتم النبیینؑ کے دور میں فصاحت و بلاغت پر عربوں کو بہت فخر تھا۔ چنانچہ اللہ نے جناب موسیٰؑ کو اپنی حجت قرار دیکر اس قوم کا جادو توڑا۔ جناب عیسیٰؑ کو مسیح بنا کر بھیجا اور ان کی قوم کو زیر کیا۔ اسی طرح قرآن کو معجزہ بنا کر اتارا اور عربوں نے مجبوراً تسلیم کیا کہ یہ بشر کا کلام نہیں ہے۔ اسی طرح موجودہ دور فنون و سائنس کی ارقاء کا زمانہ ہے۔ نت نئی نئی ایجادیں سامنے آرہی ہیں اور جدید مصنوعات متعارف ہو رہی ہیں۔ یعنی اس وقت سائنس کا راج ہے۔ لمحہ بہ لمحہ اس رفتار ترقی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس سائنسی ترقی نے انسان کو متکبر بنا دیا ہے۔ اور وہ خدا کا انکار کرنے لگا ہے۔ اگر ہم اسلامی سرمایہ علمی کا مطالعہ کریں اور آخری زمانے یعنی قرب قیامت کی علامات کے ابواب کو بغور دیکھیں تو ہمیں صدیوں پہلے کی گئی پیش گوئیاں آج حرف بحرف پوری ہوتی نظر آنے لگتی ہیں۔ یعنی جو کچھ

ہو رہا ہے۔ دین پہلے سے اس کے بارے میں متکفل دے چکا ہے۔ اور اس سارے کھیل کے بگڑ جانے کا اعلان بھی کر چکا ہے پھر اظہارِ دین اور غلبہ اسلام کی واقعی اور کلی تعبیر کہ ارض پر ظاہر ہونا ہنوز باقی ہے۔

ہمارے عقیدے یا نظریے کی مطابقت اس زمانے کی حجتہ قائم آل محمد صاحب العصر والزمان عجل اللہ فرجہ نے بشكل حق اس طرح ظاہر ہونا ہے کہ۔ حق آیا۔ باطل بھاگا۔ بلاشبہ باطل تو تمہاری بھاگنے کے لئے

ابھی تک چشم فلک نے زمین پر وہ لمحہ نمودار نہیں دیکھا کہ جو حق سے بھر پور اور باطل سے خالی ہو۔ بلکہ ہمیشہ باطل کے مقابلے میں حق بظاہر قلت میں رہا ہے۔ اب جوں جوں وقت گزر رہا۔ دنیا تیزی کے ساتھ باطل سے پر ہو رہی ہے اور یہ عروجِ عنقریب ایک وقت مخصوص پر زوال پذیر ہونے والا ہے۔ اور اس کے مقابلے میں حق کو برسرِ اقتدار آنا ہے۔ اور عروجِ دین کا وہ دن طلوع ہونا ہے جو غروب نہ ہو سکے گا۔

یوں کہیں کہ شیطانی سائنس کو مغلوب کرنے کے لئے رحمانی سائنس کا دور آنے والا ہے۔ بطور نمونہ ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ موجودہ سائنس نے مواصلاتی نظام کو جدید آلات کے ذریعے با سہولت بنا کر انسان کے لئے گرانقدر خدمت کی ہے۔ تواضعِ طبع کے لئے تفریح کی خاطر مسافتوں کی طوالت کو بہت ہی قریب کر دیا ہے۔ جیسے ریڈیو۔ ٹی وی۔ ٹیلیفون وغیرہ۔ آپ ریڈیو پر ہزاروں میل دور بیٹھ کر پیغام سن سکتے ہیں۔ اس کا ایک باقاعدہ سسٹم اور نظام ہے جس کو سیٹ کر کے آپ اس سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ ٹیلی ویژن کے ذریعے آپ بات کرنے والے کی گفتگو کے ساتھ اس کی تصویر بھی ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ اس کا بھی ایک طریقہ کار ہے جس کے مطابق عمل کر کے آپ اس آلے سے خدمت لے سکتے ہیں۔ پھر ٹیلی فون ہے جس کے ذریعے اپنے رفقاء سے بات چیت کر سکتے ہیں

- اس شعبے کو بتدریج مزید بہتر - باسہولت اور جدید بنانے کی کوشش۔ بدستور جاری ہیں۔ کیونکہ اطلاعات و نشر و اشاعت کا یہ شعبہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔ پروپیگنڈے - پیغام رسائی اور بین الاقوامی روابط کے لئے اس شعبے کا موءثر کردار بہت نمایاں ہے مادی سائنس کے اس شعبے کی یہ فخریہ اور شاہکار ایجادات و تنصیبات واقعی معجزات العقول ہیں۔

اسلامی سائنس

مگر اسلامی سائنس کا کرشمہ اس سے کہیں زیادہ معجزات العقول ظاہر ہوگا۔ تاکہ باطل پر حجت قائم ہو سکے اور اس کو بھگایا جاسکے۔ وہ اس طرح کہ علامات ظہور مہدیؑ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت حجتؑ کا ظہور ہوگا تو آپؑ خانہ کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگا کر استغاثہ بلند فرمائیں گے۔ جسے ہر شخص نے گا اور اسی زبان میں سنے گا جو اس کی مادری بولی ہوگی۔ پھر یہ کہ جواب دے گا جو امامؑ موصول فرمائیں گے۔ اور خوش قسمت ناظرین اپنے مقام پر جیسے ہی قصد نصرت کریں گے بحضور امامؑ فی الفور حاضر ہو جائیں گے۔ نیز یہ کہ جن خوش نصیبوں نے اس دنیا میں نصرت امامؑ کی خواہش کی ہوگی اور اس وقت وہ اس دنیا میں بظاہر زندہ نہ ہوں گے۔ وہ بھی اس جماد میں شرکت کی سعادت حاصل کریں گے۔ روحانیت کا یہ کرشمہ سائنس کو ورطہ حیرت میں ڈال دے گا اور سائنس دان ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوں گے۔ شیطان کی ساری طاقت خاک میں مل جائے گی اور بندہ رحمان کی قوت کا اظہار ثابت ہو جائے گا۔ دنیا سے باطل یکسر مٹ جائے گا۔ حق کا حقیقی غلبہ ہوگا۔ اور اسلام کا ڈنکا چارواک عالم بجے گا۔ آج جیسا کہ تصویریں متحرک نظر آتی ہیں آئندہ کل کو یہ تصویریں ذی حیات معمولات زندگی سمیٹ ظاہر ہوں گی۔ ایسے کرشمے جزوی طور پر دیکھے جا چکے ہیں لہذا اہل ایمان

کے لئے کوئی محیر العقول بات نہ ہوگی کیونکہ روحانی طاقت ہر حال و ہر لحاظ مادی قوت سے طاقت ور ہے۔ متوکل عباسی کے دربار میں ہندی شعبہ باز کا قصہ جو علامہ جامی نے اپنی کتاب شواہد النبوة میں نقل کیا ہے۔ جس میں امام علی نقیؑ نے قالین پر بنی ہوئی شیر کی تصویر کو شیر حقیقی میں تبدیل فرمایا شہرہ آفاق حقیقت ہے۔ المختصر اس وقت جو ہوگا سو ہوگا۔ آج کل یہ ہو رہا ہے کہ وہ لوگ جو پیغمبرؐ کی اطاعت کرنے اور ان کے حکم کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں ان کی حالت بھی خجالت زدہ ہے بلکہ منحرفین سے ابتر ہے پھر انکاری اور اقراری میں فرق کیا ہوا؟

اتباع کے بغیر اطاعت کامل نہیں ہوتی

ہم کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے اعلان غدیر کو دل سے مانا اور متمسک بالقلین ہو گئے انہوں نے یقیناً ”فلاح دارین“ حاصل کر لی انفرادی مثالیں ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ ہر دور میں مطیع کامل مسلمین کا وجود مسلمہ ہے کیونکہ حضورؐ نے فرمایا ہے۔ ”میری ساری امت کبھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی البتہ زبانی اقرار اور قلبی ایمان کے باوجود بھی لوگوں پر غفلت طاری رہی۔ اور کثیر تعداد نام کی مسلم تو ضرور ہے مگر کام کی مسلم نہیں ورنہ اگر تین سو تیرہ مسلم بندگان خدا بھی مطلوبہ معیار اسلام پر پورے اتر آئیں تو حضرت حجتؑ جلوہ افروز ہو جائیں۔ اطاعت۔ فرماں برداری کرنے اور تابعداری کرنے کو کہتے ہیں جو اتباع کے بغیر کامل نہیں ہوتی اور اطاعت کے تحت اتباع کرنا ہی دراصل فلاح پانے کا صحیح ذریعہ ہے۔ ورنہ معاملہ ادھورا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید اس بارے میں ہدایت کرتا ہے کہ۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجْلُونَهُ مَكْتُوبًا عَلَيْهِمُ الْفُتُورُ وَلَا يَجْعَلُ لَهَا مَرْمِمْ بِالْمَعْرُوفِ وَمِنْهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيَجْعَلُ لَهُمُ

الطیبات و یحرم علیہم الغیبات و یضع عنہم اصرہم و الاغلال الّتی
 کانت علیہم فالنّین امنوا بہ و عزّروہ و نصرّوہ و اتبعوا النور الّذی انزل
 معہ اولک ہم المفلحون

(سورت الاعراف ۱۵۶)

وہ لوگ جو الرسولؐ نبی امی کا اتباع کرتے ہیں۔ جسے وہ اپنے پاس لکھا ہوا
 پاتے ہیں تو رات انجیل میں (بھی) جو ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور بدی سے روکتا
 ہے اور ان پر پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے اور خبیث چیزیں حرام کرتا ہے۔ اور ان پر
 سے ان کے بوجھ اور وہ طوق جو ان پر پڑے ہیں اتارتا ہے۔ پس وہ جو اس پر
 ایمان لائے ہیں۔ اس کی تعظیم کرتے اور اس کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع
 کرتے ہیں جو اس کے ساتھ اتارا گیا ہے۔ وہی توفیق پانے والے ہیں۔

مکتبہ
 حیدرآباد الشیخ آباد پونٹ نمبر ۱۰۱

مسلمانو! اس نور کا اتباع کرو جو رسولؐ کے ساتھ نازل ہوا

یہ آیت وافی ہدایت تمام انسانوں کے لئے نور ہدایت ہے۔ اس میں اللہ نے الرسولؐ کے بعض اوصاف کو بیان فرمایا ہے یعنی یہ کہ ہر انسان اسے اپنے پاس مکتوب پاتا ہے کتب سلوی میں بھی وہ بھلائی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے۔ طیب اور خبیث میں تمیز سکھاتا ہے۔ الجھنوں کے بوجھ اور پریشانیوں کے طوق اتارتا ہے پھر ایسے عالی مرتبہ رسولؐ پر ایمان لانے، اس کی تعظیم و تکریم کرنے اور نصرت بجالانے اور اس کے ساتھ نازل ہونے والے نور کا اتباع کرنے کا صلہ یہ بتایا گیا ہے کہ فلاح نصیب ہوتی ہے۔ ”وَاتَّبِعُوا النَّوْرَ الَّذِي أَنْزَلَ مَعَهُ“ کے الفاظ خصوصی توجہ کے طلب گار ہیں۔ کہ ”اور اتباع کرتے ہیں اس نور کا جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے“ یہاں یہ نہیں فرمایا گیا ہے کہ ”نور اس پر نازل ہوا ہے“ علامہ یوسف علی صاحب نے اپنے انگریزی ترجمے میں اس آیت کی شرح میں تفسیری نوٹ نمبر ۱۳۹ اس طرح لکھا ہے جو لطیف مطالب سے پھر پور ہے۔

"Light which is sent down with him. The words are "WITH HIM" Emphasising the fact that the light which he brought illumines every one who has the privilege of joining his great and universal fellowship"

واضح کہ کہ ”اتباع“ کسی کے پیچھے پیچھے جانے یا پیروی کرنے یا نقش قدم پر چلنے کو کہا جاتا ہے لہذا روایتی تراجم میں ”نور سے مرا“ ”قرآن“ لیکر معنی میں ابہام پیدا کیا گیا ہے۔ کیونکہ قرآن حضورؐ پر نازل ہوا ہے۔ نہ کہ ان کے ساتھ۔ چنانچہ وہ نور جو الرسولؐ کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ وہ ہے جو ان نفوس کو منور کرتا

ہے جنہیں آپ کے عظیم مقصد اور ہمہ گیر واسطے سے الخلق کا شرف حاصل ہوتا ہے۔

اطاعت رسولؐ ہیں ”صراط مستقیم“ کی ہدایت بخشی ہے اور ”اتباع رسولؐ“ اس راستے پر چلنے کی توفیق عطا کرتی ہے اور وہ نور منزل جس کی روشنی کے اتباع کا ذکر کیا گیا ہے ہم کو منزل مقصود تک صحیح و سالم پہنچا دیتا ہے۔ مگر گردش دوراں اور شومئی قسمت یہ ہے کہ حق شناسوں نے بھی من حیث القوم ”اتباع رسولؐ“ سے چشم پوشی کر رکھی ہے پیروی کرنے کے سلسلے میں انتہائی ست روی کا مظاہرہ کیا ہے۔ شیطان کی سبائی ہوئی دنیا کی رنگینی نے ان کی آنکھوں پر غفلت کی پٹی باندھ دی ہے۔ تاکہ وہ نور حق کی نورانیت سے محروم رہیں۔ لوگ حب دنیا میں اس حد تک گرفتار ہو چکے ہیں کہ ”صراط مستقیم“ کے سرے پر کھڑے ہونے کے باوجود تقدیم کرنے کی توفیق نہیں پاتے۔ اور پیروی رسولؐ کر کے اطاعت کا تقاضا پورا نہیں کرتے اور یہ غافلانہ طرز عمل فسق عظیم ہے جو راہ ہدایت میں رکاوٹ بن گیا ہے۔ اس کیفیت کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے۔ یہ خطاب و وعید اراں ایمان سے ہے کہ:

”(اے رسولؐ ان مسلمانوں سے) کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے آباء اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے رشتہ دار اور وہ دولت جو تم نے کمائی ہے اور تجارتیں جن میں نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور وہ جائیدادیں جو تمہیں پسند ہیں۔ اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جملہ کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر انتظار کرو کہ اللہ اپنا حکم (مزا) صلہ کرے اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

(سورہ توبہ۔ ۲۴)

”حب دنیا“ جو غافل کر کے ”مسلم“ کو ”فاسق“ بناتی ہے

تو معلوم ہوا کہ جب دنیا سبیل الہی کے لئے جدوجہد کرنے سے غافل کر دے تو انسان مسلمان ہوتے ہوئے بھی فاسق قرار پاتا ہے۔ اور مستوجب سزا ہے۔ لیکن انسان اندھا دھند دنیا کے پیچھے بھاگے جا رہا ہے اور یہ دوڑ مسلمان کو خصوصاً اس کی سیدھی راہ سے دور کرتی ہے۔ تو رات میں دنیا کی مذمت بایں الفاظ مرقوم ہے۔

توریت میں دنیا کی مذمت

”اے لوگو! بے شک دنیا اس کا گھر ہے جس کا آخرت میں کوئی گھر نہیں۔ اور یہ دنیا اس کا مال ہے جس کا آخرت میں کوئی مال نہیں۔ دنیا تو وہ جمع کرتا ہے جو عقل سے عاری ہے۔ دنیا کئے حصول پر وہ خوش ہوتا ہے جس کو آخرت پر یقین نہیں۔ اس پر طمع وہ کرتا ہے جس کا خدا پر توکل نہیں۔ جو دنیا کی شہوات کا طالب ہے۔ اس کو معرفت ہی نہیں۔ پس جس نے زائل ہو جانے والی نعمتوں کو حاصل کیا اور قطع ہو جانے والی زندگی کو چاہا اور فنا ہو جانے والی شہوات کا طلبگار ہوا۔ اس نے اپنی ہی جان پر ظلم کیا اور اپنے رب کی نافرمانی کی اور آخرت کو بھول گیا پس اس کی زندگی نے اسے فریب دیا۔“

حب دنیا اور قرآن

قرآن مجید میں اس ہوس دنیا جیسی خبیث چیز کو بڑے جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ”اور اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ (تمام) انسان ایک ہی امت (گروہ) ہو جائیں گے (یعنی ایک ہی روش پر گامزن ہو جائیں گے) تو ان لوگوں کے لئے

جنہوں نے رحمن سے کفر کیا ضرور ان کے گھروں کی چمتوں کو ان بیڑھیوں کو جن پر وہ چڑھتے ہیں چاندی کا بنا دیتے اور ان کے گھروں کے دروازے اور ان کے تخت بھی جن پر کہ وہ نکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں سونے اور چاندی کے بنا دیتے مگر یہ سب کچھ (سیم وزر) کمینہ زندگی کی پونجی ہی ہوتا۔ آخرت تو تیرے پروردگار کے پاس متقی لوگوں کے لئے ہے اور جو کوئی بھی (مل کی محبت میں) رحمن کے ذکر سے آنکھیں بند کرے گا ہم اس کے لئے ایک شیطان مقرر کر دیں گے۔ پس وہ اس کا ساتھی بن جائے گا اور یقیناً ”وہ (شیاطین) ان کو اللہ کی راہ سے روکتے رہیں گے اور وہ گمن کرتے رہیں گے کہ وہی ہدایت یافتہ ہیں۔ یہاں تک کہ وہ (ایسا شخص) جب ہمارے پاس آئے گا تو (اپنے ساتھی شیطان سے) کہے گا کہ کاش! میرے اور تیرے درمیان بعد مشرقین ہوتا اور تو کیسا برا ساتھی ہے۔“

(الزخرف)

مولا علیؑ کی نگاہ میں دنیا کا مقام

اب ذرا مولائے کائنات علیہ السلام کی زبانی دنیا کا تعارف ملاحظہ فرمائیے۔
 ”۱۔ ہمارے انسان! میں تم سے اس گھر کی کیا تعریف کروں جس کا آغاز رنج اور انجام
 نیستی ہے جس کے حلال میں حساب کا کھٹکا اور جس کے حرام میں عذاب کا دھڑکا
 ہے۔ جو اس دنیا میں غنی اور ملدار ہے وہ بٹلائے قتلہ ہے۔ اور جو اس دنیا میں
 مفلس و محتاج ہے وہ غم دیدہ و اندوہ گین ہے۔ جو اسے پانے کی کوشش کرتا ہے
 اسے یہ ملتی نہیں۔ جو اس سے دور بھاگتا ہے اس کے پیچھے دوڑتی ہے۔ جو کوئی
 اسے نگاہ عبرت سے دیکھتا ہے اسے بیٹا وانا بنا دیتی ہے۔“

دنیا ایک گدلا چشمہ ہے جس کی گھٹ دلدل ہے۔ اس کا نظارہ دل خوش
 کن اور اس کی آزمائش تباہ کن ہے یہ مٹ جانے والا دھوکا۔ ڈھل جانے والا
 سایہ۔ ڈوب جانے والی روشنی اور ٹوٹ جانے والا ستون ہے۔“

(نجم البلاغہ)

جس کو بھی عقیقی کی طلب گاری ہے

فلانی دنیا سے اسے بے زاری ہے

ایک ہی چشم میں کیونکر یہ سائیں دونوں

غافل اک خواب ہے اک بیداری ہے

علیؑ حذا میں عاجز منکر اس کے سوا کیا عرض کر سکتا ہوں کہ وائے برحلی ما!

ہم نے قرآن حکیم، حدیث رسولؐ اور فرمان امامؑ سے کچھ نصیحت حاصل نہیں کی۔
 اور اپنے اذلی دشمن کا فریب کھاتے رہے۔

کس اہتمام سے ظالم فریب دیتا ہے بڑے خلوص سے ہم یہ فریب کھاتے
 ہیں پس اگر ہم شیطان کے وعدوں پر اعتبار نہ کریں۔ فلانی دنیا کے دلفریبی کے جیل

میں نہ پھنسیں تو ہم ہرگز صراطِ مستقیم سے بھٹک نہیں سکتے۔ اور ایسی کامیابی ہمارے قدم چومے گی جس کے لئے ہم میں کا ہر کوئی آرزو مند ہے۔ رب العالمین پوری نوع انسانی پر یہ بات واشگاف عبارت میں واضح فرماتا ہے کہ۔

”اے انسانو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے برہان (دلیل محکم) آچکی ہے۔ اور ہم نے تم پر نور مبین کو نازل کر دیا ہے۔ پس وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے اور اس کی پناہ کے طلب گار ہوئے خدا ان کو اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا۔ اور ان کو صراطِ مستقیم کی ہدایت فرما دے گا“

(سورہ نساء ۱۷۵ تا ۱۷۶)

اہل کتاب کو صراطِ مستقیم کی دعوت الیہ

منقولہ بالا آیت میں اللہ نے پوری نوع انسانی کو صراطِ مستقیم کی جانب ہدایت کرنے کا ذکر فرمایا ہے جب کہ مندرجہ ذیل آیت میں اہل کتاب کو اسی راستہ کی جانب متوجہ کیا ہے فرمایا۔ ”بے شک تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور اور کتاب مبین آچکی۔ جس کے ذریعے اللہ سلامتی کے راستے کی جانب ان لوگوں کی ہدایت کرتا ہے جو اس کی ضیاء پر پیچھے پیچھے چلنے والے ہیں اور ان کو اپنے حکم سے تاریکیوں میں سے نکل کر نور کی طرف لاتا ہے اور صراطِ مستقیم کی ہدایت عطا فرماتا ہے“

(سورۃ المائدہ ۱۵-۱۶)

اہل اسلام کو ہدایت

خدائے تعالیٰ پھر اہل اسلام کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے کہ

”اور جسے اللہ ہدایت دینے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے سینے کو اسلام (اطاعت کامل) کے لئے کشادہ فرمادیتا ہے اور جسے گمراہ (ضل) کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس

کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے گویا اسے آسمانی کھلی درپیش ہو۔ اس طرح ایسے لوگ پر جو ایمان نہیں لاتے جس (نجاست ظاہری و باطنی) ڈال دیتا ہے اور یہی (اطاعت کامل یعنی اسلام) ہی تو ہے تمہارے رب کی طرف سے جو صراطِ مستقیم ہے۔ بے شک ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے آیتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

(سورہ انعام ۱۲۵-۱۲۶)

”صراطِ مستقیم“ شناسوں کے لئے خدائی ہدایت نامہ

پھر صراطِ مستقیم کو شناخت کر لینے والوں کے لئے ایک ہدایت نامہ جاری ہوتا ہے۔ کہ

”اے نبی! کہہ دو۔ آؤ میں تمہیں پڑھ کر سناؤں۔ جن (ہدایات) کو تمہارے رب نے تم پر وجب احترام کیا ہے۔ (۱) تم کسی بھی شے کو اس کا شریک نہ ٹھراؤ۔ (۲) اور والدین کے ساتھ احسان کرو (۳) اور تنگ دستی کے خوف سے اپنی اولادوں کو قتل نہ کرو (۴) ظاہری یا پوشیدہ فحاشی کے قریب بھی مت جاؤ۔ (۵) کسی جان کو قتل نہ کرو جسے قتل کرنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے مگر حق کے ساتھ (یہ پانچ احکام ہیں) جن کی وہ (اللہ) تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔

۔ فرمان امیر المومنینؑ ہے کہ ”ان اکبر معبود عینى الدنيا العوى“ یقیناً سب سے بڑا معبود جس کی اس دنیا میں بندگی یا عبادت کی جاتی ہے وہ صوفی یعنی خواہش نفس ہے۔ لہذا اطاعت صوفی شرک اکبر ہے۔

(۶) اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے ماسوا اس (یتیم) کی بہتری کی خاطر (۷) اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا رکھو۔ ہم کسی بھی نفس کو اس کی طاعت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے۔ (۸) پس جب تم کچھ

کو تو عدل کے ساتھ کرو۔ چاہے وہ معاملہ تمہارے قریبی (عزیز) ہی کا ہو (۹) اور اللہ کے عہد سے وفا کرو ان باتوں کا وہ (اللہ) تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم فیض حاصل کرو۔

اور بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے (صراطِ مستقیم) پس اسی کا اتباع کرو اور کسی بھی دوسرے راستے کی پیروی نہ کرو۔ کیونکہ وہ تمہیں اس راہ (حق) سے متفق کر دیں گے۔ ان باتوں کا وہ تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو“
(السورة الانعام ۱۵۱ تا ۱۵۳)

ایک سبق آموز قرآنی مثل

باری تعالیٰ ایک بڑی سبق آموز اور معنی خیز مثل بیان فرماتا ہے۔
”اور اللہ دو آدمیوں کی مثل بیان فرماتا ہے جن میں سے ایک گونگا ہے جو کسی شے پر قدر نہ نہیں رکھتا اور اپنے آقا پر بوجھ ہے جس کیس بھی وہ اسے بھیجتا ہے وہ کوئی کام ٹھیک کر کے نہیں آتا۔ کیا وہ اس کے برابر ہو سکتا ہے جو عدل کا حکم دیتا ہے اور صراطِ مستقیم پر ہے۔“

(سورة النحل ۷۶)

حضرت ابراہیمؑ اور صراطِ مستقیم

بالتحقیق ابراہیمؑ خلوص دل سے اللہ کی فرمانبرداری کرنے والا (بنفہ) ایک امت تھا اور وہ مشرکین میں سے نہیں ہے وہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والا تھا۔ اللہ نے اسے منتخب کر لیا اور اسے صراطِ مستقیم کی ہدایت فرمائی ہے۔

(سورة النحل ۱۲۰ - ۱۲۱)

۔ از روئے حدیث رسولؐ حضرت علیؑ بنفہ امت واحد ہیں۔

صراطِ مستقیم سے کون لوگ ہٹے ہوئے ہیں؟

نزولِ قرآن کے عہد میں موجود مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ بڑی معنی خیز گفتگو میں شائستہ طریقے سے انہیں فرماتا ہے:

”یا کیا ان لوگوں نے اپنے رسول کی معرفت حاصل نہیں کی کہ منکر (رسالت) ہو گئے۔ یا وہ کہتے ہیں کہ وہ (رسول) دیوانہ ہو گیا ہے۔ (ہرگز وہ مجنوں نہیں) حالانکہ وہ ان کے پاس حق لے کر آیا ہے۔ اور وہ ان میں سے کہ اکثر حق سے کراہت کرتے ہیں اور اگر الحق ان کا اتباع کرنے لگے تو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اس میں فساد برپا ہو جائے۔ بلکہ ہم تو ان کے پاس انہی کا ذکر لاتے ہیں۔ مگر وہ اپنے ہی ذکر سے اعراض کرنے والے ہیں۔ (اے رسول) کیا تم ان سے کوئی معاوضہ مانگتے ہو؟ بس تیرے رب کا معاوضہ بہتر ہے۔ اور وہ رزق دینے والوں میں سے بہترین رزق دینے والا ہے اور یقیناً (اے رسول) تو ان کو صراطِ مستقیم کی جانب (دعوت) دیتا ہے اور وہ آخرت پر یقین (ایمان) نہیں رکھتے لہذا اس صراط (مستقیم) سے ہٹے ہوئے ہیں۔“

(سورۃ المؤمنون ۶۹ تا ۷۴)

۱۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ جمل کی لڑائی کے بعد جب ان کی اونٹنی کے پیر کاٹ دیئے گئے اور وہ بصرے کے گھر میں آئیں تو ان کے بھائی حضرت محمد بن ابوبکر نے ان کو خدا کی قسم دے کر دریافت کیا کہ آپ مجھے اس دن کا ذکر بتائیں کہ جب آپ نے مجھے کہا تھا کہ رسول خدا نے فرمایا ہے کہ ہمیشہ حق علیٰ کے ساتھ رہے گا اور دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے تو نبی بی صاحب نے فرمایا۔ ہاں یہ بالکل صحیح ہے۔ (ابن مردیہ)

المختصر منقولہ آیات کسی اضافی شرح کی محتاج نہیں ہے اتنی واضح ہدایات کے باوجود ملتِ مسلمہ کی زبوں حالی اظہر من الشمس ہے جس پر ہر درد مند دل غم زدہ اور ہر پرسوز آنکھ غم ناک ہے۔ ملت کے جن طبقوں میں ملوی دولت کی فروانی ہے وہی دل سوز سے خالی ہیں اس وقت ہم دعویٰ دار ایمان ہونے کے باوجود اور صراط

مستقیم کی شناخت رکھتے ہوئے بھی حب دنیا، پستی اخلاقی اور بے حسی کے نقطہ عروج تک پہنچ چکے ہیں۔ ہمارا ایمان ہماری اطاعت صرف لفظی ہے اتباع کی جانب ہمارے قدم یا تو لڑکھڑائے ہوئے ہیں نہیں تو پتھر لائے ہوئے ہیں۔ اگر ہم خود اقبالی کریں تو ضرور جان جائیں کہ ہمارا دعویٰ ایمان فریب نفس ہی ہے ورنہ ایمان تو یقین کامل کا نام ہے اس میں شک کی ہرگز گنجائش نہیں۔

مومن کی علامت

چنانچہ ارشاد رب العزت ہے کہ:

”بلاشبہ مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر اس طرح ایمان لائے کہ پھر امکان شک باقی نہ رہا اور انہوں نے اپنے مالوں اور نفسوں سے سبیل خدا میں جہاد کیا ایسے لوگ ہی تو سچے (مومن) ہیں“

(الحجرات ۱۵)

یعنی معلوم ہوا کہ صاحبان ایمان اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال سے جہاد کرنے میں دریغ نہیں کرتا یعنی ایمان کے مقابلے میں اپنی جان اور مال کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔ یہی صاحب ایمان ہونے کی صحیح علامت ہے۔

ایمان عشق الہی ہے

پھر ایمان کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ:

”اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ کے علاوہ اس کے ہم سر بنا رکھے ہیں۔ وہ ان سے اس طرح محبت کرتے ہیں جیسے اللہ سے محبت کرنی چاہئے۔ اور وہ لوگ جو (حقیقی) مومن ہیں اللہ کی محبت میں بڑے شدید ہوتے ہیں“

(البقرہ- ۱۷۵)

گویا ایمان حب شدید یعنی عشق الہی کو کہتے ہیں۔ چنانچہ ہر مدعی پر لازم ہے کہ وہ

پہلے اپنے ایمان کا جائزہ لے اور دیکھئے کہ وہ اپنے اس دعویٰ میں کہاں تک سچا ہے۔ ہر صاحب شعور محسوس کرے گا اس کا دعویٰ ایمان واقعی ایک فریب ہے۔ اب ہم انحصار کے ساتھ اس بات کا تجزیہ کرنا مفید سمجھیں گے کہ آخر ہمارا ایمان معیار کے اعتبار سے اس درجہ پر کیوں نہیں ہے۔ جیسا کہ خالق کائنات کو مطلوب ہے۔ اور پھر یہ کہ ایسے ایمان کے حصول کے لئے کیا تدبیر اختیار کی جائے۔

ہمارے ایمان معیاری کیوں نہیں؟

گرامی قدر قارئین! اس جائزہ کے دوران میں سب سے پہلے تو یہ بات زیر غور آتی ہے کہ ذات خداوندی انسانی وہم و گمان اور تصور و ادراک سے بہت بالا ہے۔ تو پھر ہم عاجز اس ذات سے محبت کس طرح کر سکتے ہیں؟ اس کا حل وہ کنہ ذات خود بتاتی ہے اور اپنے رسولؐ کو حکم فرماتی ہے کہ:

”کہہ دے (اے رسولؐ!) اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ تو بڑا غفور و رحیم ہے“

(آل عمران ۱/۳)

۔ یہاں اطاعت کا مطالبہ نہیں بلکہ اتباع مطلوب ہے۔ معلوم ہوا کہ اتباع رسولؐ کا ثمرہ یہ ہے کہ وہ انسان کو محبوب خدا بنا دیتی ہے یہاں محبت و اتباع کا رشتہ بھی لائق توجہ ہے کہ اتباع جو اطاعت کی روشنی میں کیا جاتا ہے وہ صرف محبت ہی سے ممکن ہے اطاعت یا اتباع۔ خوف یا لالچ سے بھی کئے جاتے ہیں۔ مگر خوف و لالچ سے کی گئی اطاعت اور اتباع خالص نہیں ہوتے۔ اس مقام پر یہ بات از خود ہی ثابت ہو گئی کہ جب بے لاگ اطاعت اور بے لوث اتباع صرف محبت ہی سے ممکن ہے تو پھر وہ محبت رسولؐ اللہ کی محبت ٹھہری جس کے طفیل انسان محبوب خدا بن جاتے ہیں۔

”محبت“ جو انسان کو محبوب رسولؐ اور محبوب خدا بناتی ہے

وہ رسولؐ جس کی محبت انسان کو محبوب خدا بنا دیتی ہے روزِ غدیر امت سے خطاب فرماتے ہیں کہ:

”اے گروہ مردم! یقیناً ابلیس نے آدم کو جنت سے حسد کی وجہ سے نکلویا پس تم لوگ علیؑ سے حسد نہ کرنا ورنہ تمہارے اعمال سلب کر لئے جائیں گے اور تمہارے قدم اکھڑ جائیں گے پس آدمؑ جو صفی اللہ تھے ذرا سے ترک پر زمین پر اتار دیئے گئے پھر تمہارا کیا انجام ہو گا اور مجھے معلوم ہے کہ تم میں اللہ کے دشمن بھی ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ علیؑ سے عداوت صرف شقی رکھے گا اور متقی علیؑ سے محبت رکھے گا اور مخلص مومن کے سوا کوئی ان پر ایمان نہیں لائے گا اور خدا کی قسم سورہ عصر علیؑ ہی کی شان میں نازل ہوا ہے۔ (پھر حضرت نے سورہ عصر کی تلاوت فرمائی) اور فرمایا۔ اے گروہ مردم! میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے تم تک اپنی رسالت کو پہنچا دیا ہے اور رسولؐ کے ذمے کھلی تبلیغ کرنا ہی ہوتا ہے۔ اے لوگو! اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور نہ مرنا مگر یہ کہ مطیع کامل ہو کر اور ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر اور اس نور پر جو اس کے ساتھ نازل ہوا ہے اس سے پہلے کہ تمہارے چہرے بگاڑ دیئے جائیں اور منہ پشت کی طرف کر دیئے جائیں۔ اے گروہ مردم! وہ نور خدا مجھ میں ہے پھر علیؑ میں ہے پھر ان کی نسل میں ہے۔ اور قائم مہدیؑ تک رہے گا جو اللہ کے اور ہمارے حقوق کو لے گا بے شک خدا نے قرار دیا ہے ہم سب کو اپنی محبت خطاکاروں پر اور دشمنوں پر مخالفوں پر خیانت کرنے والوں پر گناہ گاروں پر اور عالمین کے ظلم کرنے والوں پر اے لوگو! بلاشبہ میں تمہیں ڈراتا ہوں کہ بے شک میں خدا کا رسولؐ ہوں جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے جیسے کہ مجھ سے پہلے اور رسولؐ بھیجے گئے ہیں پس اگر میں رحلت کر جاؤں یا مجھے قتل کر دیا جائے تو تم لوگ اپنی پچھلی جمالت پر پلٹ جاؤ گے اور جو اپنی پرانی حالت پر پلٹے گا وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا اور عنقریب اللہ شکر گزاروں کو جزا دے گا یاد رکھو بلاشبہ علیؑ مہر اور شکر سے متصف ہیں پھر ان کے بعد میری اولاد جو ان کے صلب سے ہوگی۔ اے انسانو! تم اپنے اسلام لانے کے احسان کو

اللہ پر مت جتاؤ کہ کہیں وہ ناراض ہو کر اپنی طرف سے تم پر کوئی عذاب نازل کر دے۔ یقیناً وہ بڑی ناک میں ہے۔ اے لوگو! عنقریب میرے بعد کچھ ایسے لوگ امام بن بیٹھیں گے جو لوگوں کو دوزخ کی طرف دعوت دیں گے اور قیامت کے روز کوئی مدد نہ کر سکیں گے اے لوگو! بے شک اللہ اور ہم ایسے اماموں سے بیزار ہیں اے گروہ مردم! بالتحقیق یہ باطل رہنما اور ان کا گروہ اور ان کے پیروکار اور ان کے مددگار جہنم کے آخری طبقے میں ہوں گے جو تکبر کرنے والوں کے لئے بہت بری جگہ ہے۔ یاد رکھو کہ یہ لوگ صاحب نوشتہ ہیں پس چاہئے کہ ہر ایک اپنے نوشتہ پر غور کرے (امام ارشاد فرماتے ہیں کہ صرف چند لوگوں کے علاوہ اس صحیفہ کا معاملہ سب پر مشتبہ رہا) لوگو! بے شک میں ولایت کو باحیثیت امامت وراثتاً اپنی اولاد میں قیامت تک کے لئے چھوڑ رہا ہوں اور یقیناً جس امر کو پہنچانے کا مجھے حکم دیا گیا تھا اس کو میں نے پہنچا دیا جو حجت ہے ہر حاضر و غائب کے لئے اور ہر اس شخص پر جو موجود ہے یا موجود نہیں ہے اور جو پیدا ہو چکے ہیں یا ابھی پیدا نہیں ہوئے پس ہر حاضر و غائب کو اور ہر باپ بیٹے کو چاہئے کہ یہ پیغام پہنچاتا رہے قیامت تک اور عنقریب یہ (امامت) ملک قرار دے دی جائے گی اور غیص کر لی جائے گی آگاہ ہو کہ لعنت خدا ہے غاصبوں پر اور ظالموں پر چنانچہ اے جنوا! اور اے انسانو! اس وقت ہم تم سے بری الذمہ ہو جائیں گے اور تم پر آگ کے شعلے برسائے جائیں گے اور پگھلا ہوا تانبہ اور تم دونوں کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی اے لوگوں بے شک اللہ جو صاحب عزت و جلالت ہے تم کو تمہاری حالت پر نہیں چھوڑے گا مگر یہ کہ خبیث کو طیب سے الگ کر دے گا اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ تمہیں غیب سے آگاہ کر دے اے لوگو بلاشبہ اس نے کسی قریہ کو ہلاک نہیں کیا مگر اس کے جھٹلانے پر اور وہ اسی طرح قریوں کو ہلاک کرتا ہے جب کہ وہ ظلم کرتے ہیں جیسا کہ خدا نے ذکر کیا ہے اور یہ علی تمہارے امام اور ولی

ہیں اور یہ اللہ کے وعدوں میں سے ہیں اللہ نے پورا کر دیا ہے اس وعدے کو جو اس نے کیا تھا۔ اے گمراہ مردم! تم سے پہلے بھی اکثر لوگ گمراہ ہو چکے ہیں خدا کی قسم اسی نے اولین کو ہلاک کر دیا اور بعد والوں کو بھی ہلاک کرے گا اے لوگو! بے شک اللہ نے مجھے تمام امر و نہی سے مطلع کیا اور میں نے علیؑ سے تمام امر و نہی کو بیان کر دیا پس وہ اپنے رب کے تمام امر و نہی سے آگاہ ہیں لہذا سنو ان کے حکم کو اور تسلیم کرو اور اطاعت کرو تاکہ ہدایت پاؤ اور رک جاؤ ان کے روکنے پر تاکہ راہ حق پاؤ اور ہو جاؤ اس طرح جس طرح وہ چاہیں اور ان کے رستے سے تمہارے راستہ الگ نہ ہو۔ میں وہ صراط مستقیم ہوں جس کی پیروی کا تم کو حکم دیا گیا ہے پھر میرے بعد علیؑ ہیں پھر میری وہ اولاد جو انکے صلب سے ہوگی وہ ایسے امام ہیں جو حق کی ہدایت کریں گے عدل کے ساتھ (پھر حضورؐ نے سورت فاتحہ کی تلاوت فرمائی) اور ارشاد فرمایا کہ یہ سورہ میرے اور علیؑ اور آئمہؑ کی شان میں نازل ہوا ہے جو عموماً اور خصوصاً انہی سے متعلق ہے یہی لوگ اولیاء اللہ ہیں جنہیں نہ کوئی خوف نہ حزن نہ ملال ہے یاد رکھو کہ اللہ کا گروہ سب پر غالب ہے آگاہ رہو کہ ان کے دشمن ہی اہل شقاوت اور اہل عداوت اور شیطان کے بھائی ہیں جو ایک دوسرے کی طرف مکاری اور بنلوٹی الفاظ میں وحی کرتے ہیں آگاہ ہو کہ ان کے دوست حقیقی مومن ہیں جن کا تذکرہ اللہ نے اپنی کتاب میں کیا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے کہ کوئی ایسی قوم نہیں پاؤ گے کہ جو ایمان رکھتے ہوں اللہ پر اور قیامت پر اور محبت رکھیں ان لوگوں سے جو بر سر پیکار ہوں خدا اور اسکے رسولؐ سے الخ آگاہ رہو کہ انکے دوست وہی ہیں جن کا وصف خدا نے بیان کیا ہے پس ارشاد باری ہے کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے ملتس نہیں کیا ان ہی کے لئے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔ آگاہ ہو کہ تحقیق ان کے دوست وہ ہیں جو اطمینان سے جنت میں داخل ہو جائیں گے اور فرشتے ان

کی کیفیت کو حالت خواب سے تعبیر فرمایا ہے۔ ارشاد ہے کہ ”الناس انہم اذ ماتوا انتبهوا“ یعنی انسان تو سوئے ہوئے ہیں جب مریں گے تب جاگیں گے۔ اس حقیقت کا اظہار جسے منبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول غیب دان نے ڈیڑھ ہزار برس پہلے کیا تھا مغربی ماہرین حیات نے اسے پچھلی صدی میں سمجھا اور کہا۔

Human mind is in a subconscious state for the exterior world but is totally unconscious of its interior.

یعنی نفس انسانی بیرونی دنیا کے لئے نیم شعوری حالت میں ہے مگر اپنے باطن سے بالکل بے خبر ہے۔

سایکالوجی کے ماہرین کا یہ قول نفس انسان کو اس کے اپنے باطن کے متعلق قطعی شعور اور بیرونی کائنات کیلئے نیم شعور بتلا رہا ہے آپنے ان دونوں حالتوں کا طائرانہ جائزہ لیتے ہیں۔

غفلت

جسم بشری کا کرتا دھرتا نفس ہی ہے جو تمام انسانی اعضا و جوارح کا منتظم و مہتمم ہے۔ لیکن خود اس نفس کو یہ خبر ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے؟ بالکل نہیں وہ ایک آٹومیک مشین کی طرح مصروف کار ہے مثلاً ”جب جسم کے کسی حصے کو اذیت پہنچتی ہے تو یہ دفاع کے لئے اعصاب کے ذریعے حکم کر دیتا ہے۔ سانپ یا بچھو کو دیکھ کر بھاگنا اور اوراکات کے ذریعے نفس کو مطلع کر کے احکامات جاری کرتا ہے جس طرح بیرونی دنیا کے لئے نفس انسان کو حواس خمسہ عطا کئے گئے ہیں جن کے ذریعے اس کے اندر علم کے خزانے جمع ہوتے رہتے ہیں۔ ہر پلک جھپکنے پر دیکھی ہوئی اشیاء کی تصاویر، پکھنے سے ذائقوں، سننے سے آوازوں کے آثار چڑھاؤ“

سوتکھنے سے خوشبوؤں اور بد بوؤں کے ادراک اور چھونے سے مختلف چیزوں کے لمس کے خزانے اس میں جمع ہوتے رہے ہیں جن کا تجربہ ذہن یا دماغ میں ہوتا ہے اس طرح اس کے تمام علم کا انحصار اس کے اندر ان پانچوں حواس سے تعلق رکھنے والے ذہنی مراکز سے ہے۔ اب غور کیجئے کہ یہ کسی بات کو کیسے سمجھتا ہے جب کسی دیکھی ہوئی چیز کا نام لیا جاتا ہے تو یہ اپنے ذہنی مرکز کے ذخیرے میں سے فوراً اس کی تصویر نکال کر پیش کر دیتا ہے مثلاً "کسی نے کما سبز گنبد تو سبز گنبد کی تصویر ذہن پر ابھرتی ہے اس طرح جب کسی چکھی ہوئی چیز کا ذکر ہو تو اس ذائقے کی ہلکی سی کیفیت اپنے اوپر طاری کر کے سمجھتا ہے۔ اسی طرح کسی خوشبو یا بدبو کا تذکرہ کیا جائے تو اس کی خفیف سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے ایسا ہی حال سننے اور چھونے کے حواس کا ہے۔ مگر جس چیز کا علم حواس خمسہ کے ذرائع سے دماغ کو مطلع نہ کیا گیا ہو تو اس کے ذکر سے نفس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ کسی خطیب کی تقریر کے ہر لفظ کے لئے یہ اپنے ذخیروں سے تصاویر یا کیفیات نکال کر لاتا ہے اور ملاحظہ کرتا رہتا ہے۔ اس کے سوا نفس کے پاس ادراک کرنے کا کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہے۔ نفس مسلسل اس عمل میں مصروف رہتا ہے مگر ایک خود کار آلے کی طرح اسے اپنے عمل و فعل کا شعور نہیں رہتا۔ یوں یہ بیرونی کائنات کے متعلق نیم شعوری حالت میں ہے۔

اس غفلت کے عالم میں یہ ایک جانور کی مانند خواہشات و جذبات کی تسکین کے لئے بیتاب رہتا ہے کسی خواہش کے پھمتے ہی اس کی فوری تسکین چاہتا ہے۔ اس کے اثرات کے متعلق نہیں سوچتا۔ مثلاً "جب کسی سگریٹ نوش کو سگریٹ پینے کی خواہش ہوتی ہے تو سگریٹ پیتے وقت تمباکو نوشی کے مضر اثرات کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ اس غفلت کی وجہ سے انسان کی حالت ایک ایسے مریض جیسی ہے جو نیند کی حالت میں اٹھ کر چلتا پھرتا اور دیگر کام بھی کرتا ہے۔ مگر جب جاگتا ہے تو

اسے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ سوتے میں اس نے کیا کچھ کیا تھا۔

اب توجہ فرمائیے۔ کہ ایک ”مشی فی النوم“ کے مریض انسان کے ایمان کی کیفیت کیسی ہوگی اور اس کا ایمانی درجہ کس معیار کا ہو گا۔ حالت خواب میں کسی بات کو مان کر اس کا اقرار کر لینا کس حیثیت کا حامل ہو گا۔ بیدار ہونے پر وہ ایمان کہاں ہو گا؟ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہم باوجود یہ ایمان رکھنے کے کہ اللہ ہماری شہدہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔ اس کی نافرمانی کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ مشاہدہ گواہ ہے کہ کسی عام انسان کی موجودگی میں بھی کسی کو نازیبا حرکت کرنے کی جرات نہیں ہوتی چنانچہ سچ یہ ہے کہ ایسا ایمان جو ایتقان سے خلل ہے صرف خود فریبی ہے۔ اور ایسی غفلت نفس کا نقصان عظیم حقیقی ایمان سے محرومی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان غدیر سے قبل حاضرین جلسہ سے تین مرتبہ یہ اقرار لیا تھا ”کیا میں تم پر تمہارے نفسوں سے زیادہ حق تصرف نہیں رکھتا؟“ اور اس وقت سامعین نے جواب دیا تھا ”بے شک ایسا ہی ہے“ تب سید کوئینؑ نے ارشاد فرمایا کہ:

”اے لوگو! اللہ میرا مولا ہے اور میں مومنوں کا مولا ہوں اور میں ان کے نفسوں سے زیادہ ان پر حاکم و متصرف ہوں۔ یاد رکھو! جس جس کا میں مولا ہوں اس اس کا یہ علیؑ مولا ہے“

تزکیہ نفس

اللہ اللہ ملجئہ العلم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوب جانتے تھے کہ ”غفلت نفس“ انسان کو بربادی کی طرف دھکیل رہی ہے یہ حضورؐ کا فرض منصبی تھا کہ اس ملک مرض کا انسداد فرماتے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اکثر جہاں سرکار دو عالمؐ کی بعثت کا ذکر آیا ہے وہاں دیگر مقاصد کے ساتھ ”تزکیہ نفس“ کے

مقصد کو خصوصی اہمیت سے بیان کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کسی چیز کو پاک اسی صورت میں کیا جاتا ہے جب اس میں کوئی نجاست ہو پھر نفس انسان میں وہ کوئی نجاست ہے جس کے تزکیہ کے لئے اللہ نے اپنے محبوب رسولؐ کو مبعوث فرمایا۔ جب اس پر غور کیا جائے گا تو معلوم ہو گا کہ نفس انسان کی نجاست اس کی غفلت ہے۔ جو اس کے ولی نعمت، مولا و آقا کی معصیت کا سبب بنتی ہے۔ اور اسے اپنے کھلے ہوئے دشمن شیطان کا بندہ بنا کر فانی دنیا کی سب دھج پر فریفتہ بنا دیتی ہے۔ یہی غفلت نعمت تمام کے میوہ سے لطف اندوز ہونے کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ اور بندہ خدا بندہ ہوئی بن جاتا ہے۔ جیسا کہ خود رب العزت نے فرمایا کہ

ارامت من اتخذ الہم ہولہ

کیا تو اسے دیکھتا ہے جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنایا ہوا ہے۔ (الفرقان ۴۳)

غفلت کا علاج

چنانچہ الرحمان الرحیم رب العالمین نے اپنی رحمت خاص سے ہمارے نفوس کے تزکیے کے لئے اپنے رحمت العالمین رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مبعوث فرمایا کہ وہ ہمارے نفوس کی غفلت کو جو پرستش ہوئی کا باعث ہے پاک کر کے ہمیں صراط مستقیم پر گامزن فرمائے تاکہ ہم اس کے پسند کردہ اکمل دین اسلام اور تمام کردہ نعمت فرقان سے بہرہ ور ہو کر اس دنیا اور آخری دنیا کی حیات کو بہشتی سماج میں گزار سکیں۔ غفلت جیسے مملک مرض کہ جس نے ہمیں بندگی رحمان سے نکال کر بندگی شیطان میں جکڑ دیا ہے کا علاج موجود ہے کہ خدا نے ہر مرض کی دوا بھی پیدا فرمائی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ

و اما من خاک مقام رہ و نہی النفس عن الہوی ○ فان الجنة ہی

(النازعات - ۴۰ - ۴۱)

اور جو اپنے رب کے مقام سے دُرا اور اپنے نفس کو خواہشات سے ٹوکا۔ یقیناً اسی کا ٹھکانہ جنت ہے۔

پس لائق احترام قارئین! ہر خواہش پر نفس کو ٹوکنا۔ اس کی غفلت کو دور کرنے کا اکیر نسخہ ہے۔ جس کے نتیجے میں جنت کا یقینی وعدہ ہے۔ یعنی ایسا ماحول جہاں سکون ہی سکون ہو اور جس جگہ جو بھی طلب کیا جائے مل جائے۔ اس دنیائے ارضی میں بھی اور حیات اخروی میں بھی۔ روز غدیر جب سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نفسوں پر اولیٰ ہونے کا اقرار لیا اور پھر علیؑ کو اپنا قائم مقام نصب فرمایا۔ تو اس کا ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ اطاعت رسولؐ اور اتباع پیغمبرؐ کی روشنی میں علیؑ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انسان اپنے نفس کو ٹوکتا رہے ”کیوں خواہش کرتا ہے جواب دے؟“ اگر جواب اطاعت نبویؐ اور اتباع رسولؐ سے ٹکراؤ پیدا کرے تو اس خواہش کو ترک کیا جائے اور اگر پیروی و فرمانبرداری کے مطابق ہو تو بلا تاخیر اس پر عمل کیا جائے اگر ہمیں اس نسخے کو استعمال کی توفیق عطا ہو جائے تو ہم اس موذی بیماری سے صحت یاب ہو کر حقیقی دین کی مادی اور روحانی لذتوں سے جی بھر کر لطف اندوز ہو سکتے ہیں چنانچہ رسول کریمؐ نے روز غدیر فرمایا کہ:

”آگاہ رہو کہ (الل بیت کے) دشمن وہ ہیں جو آگ میں تپائے جائیں گے یاد رکھو۔ تحقیق ان کے دشمن ایسے ہیں جو جہنم کا شور سنیں گے جو بھڑک رہا ہو گا۔ جس کے شعلے بلند ہوں گے جو جماعت اس میں داخل ہوگی وہ اپنے ساتھیوں پر لعنت کرے گی۔ جان لو کہ بے شک ان کے دشمن وہ ہیں جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ جب ان کو جہنم میں ڈالا جائے گا تو دوزخ کا داروغہ ان سے دریافت کرے گا کہ تمہارے پاس کوئی ڈرنے والا نہیں آیا تھا آگاہ ہو کہ بلاشبہ (الل بیت) کے

دوست وہ ہیں جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں حالانکہ وہ غیب ہے چنانچہ ان کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے اے انسانو! بہشت و دوزخ کے درمیان کتنا فرق ہے ہمارے دشمن وہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان کی مذمت کی اور ہمارے دوست ایسے ہیں جن کو اللہ دوست رکھتا ہے اور اس نے ان کی مدح کی ہے۔ اے لوگو! بلاشبہ میں ڈرانے والا ہوں اور علیؑ ہدایت کرنے والے ہیں میں نبیؐ ہوں اور علیؑ میرے وصی ہیں یقیناً ہم میں سے آخری امام مہدیؑ قائم ہوں گے ان پر اللہ کی صلوٰۃ ہو“

(خطبہ غدیر)

المختصر وہ صاحبان جو ایمان کے دعویدار ہیں اور جنہوں نے پیغمبرؐ کے اعلان غدیر سے وفاداری کی ہے۔ مگر اسلام کی موعودہ فلاح و دارین سے محروم ہیں تو اس کا سبب غفلت نفس کی بیماری ہے۔ جس کے باعث وہ اتباع سے غافل جب دنیا میں گرفتار ہیں۔ اگر وہ اس مرض کا صحیح علاج کروالیں تو یقیناً نعمت موعودہ کا حق وصول کر لیں۔

مسلمانوں کی روش، اطاعت و اتباع رسولؐ سے متصادم رہی

جو ذریں اسباق درگاہ اہل بیت نبویؑ میں پڑھائے جاتے ہیں وہ دنیا کے کسی دوسرے مکتب میں تعلیم نہیں دیئے جاتے کائنات کی اس سب سے بڑی دانشگاہ کے پورے نصاب کو اگر دو لفظوں میں سمایا جائے۔ تو وہ ”سیرۃ النبیؐ“ کی صورت میں ظاہر ہو گا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کریمانہ سیرت کو اگر شخص کیا جائے تو لب لباب مقصد واحد کی صورت میں یہ حاصل ہوتا ہے کہ ”اسلام کے اسلامی احکام اور قوانین عادلانہ طریقے سے نافذ ہوں اور ہر قسم کی تحریف و تفریق سے محفوظ رہیں“ چنانچہ مکتب اہل بیت کی جملہ تعلیمات کا نچوڑ یہی مقصد واحد برآمد ہوتا ہے لیکن بد قسمتی سے مسلمان حکومتوں نے اپنی سیرت کو حضورؐ کی سیرت سے ہم آہنگ نہ کیا بلکہ ان کی روش کے برعکس طریقے اختیار کر لیے۔ ویسے تو اعلان غدیر کے فوراً بعد ہی فضا سے اختلافات کی بو محسوس ہونا شروع ہو گئی تھی۔ مگر اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد مسلمانوں میں شدید طبقاتی اختلافات پیدا ہو گئے۔ اور لوگوں کے دو گروہ بن گئے ایک طاقتور دوسرا کمزور۔ پس اب جس کی لامٹی اس کی بھینس ہو گئی۔ سیاسی مفادات پر اسلامی قوانین کو مسخ کر دینا حکومت کے بانیں ہاتھ کا کھیل بن گیا۔ اہل بیت رسولؐ نے معاصر طاقتور حکومتوں کو یہ کھیل کھیلنے سے روکنے میں موثر کردار ادا کئے اور اس مزاحمت کی پاداش میں تاج شامی ان کے نور کو بجھا دینے کی کوششوں میں مصروف عمل رہے۔ تاریخ بن سے وہ پر آشوب دور چھپا ہوا نہیں جب اہل بیتؑ کی محبت کا اظہار ناقابل معافی جرم تھا لیکن ایسے سنگین ماحول میں بھی ائمہ ہدیٰ نے زندانوں کی تاریک کوٹھڑیوں میں دین کی شمع علم کو فروزاں کیا اور آخر کار اہل بیتؑ کی مسلسل تعلیم و تربیت کے نتیجے میں ان کے پیروکاروں کی تعداد جو رحلت رسولؐ کے وقت بہت تھوڑی تھی عہد ائمہ علیم السلام میں حیرت انگیز حد تک

بدھ گئی تھی۔ تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے اب ماشاء اللہ کروڑوں میں ہیں۔ کوئی جگہ ایسی نہ ہوگی جہاں اہل بیتؑ کا کوئی نام لیوا موجود نہ ہو۔ تاہم ہماری دعا ہے کہ حب دارین اہل بیتؑ سدا شاد و آباد رہیں ان کو ”تسک بالثقلین“ کی توفیق میں برکت حاصل ہو۔ ہمارا موضوع خن اس وقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت نے اطاعت نبوی سے تغلف کر کے دنیاوی وجاہت اور مادی عروج کو اختیار کرنے میں اپنی ساری توانائیاں صرف کر دیں۔ جب کہ اطاعت کے حکم مان لینے والوں کی اکثریت رفتہ رفتہ نفس انسانی کی غفلت کا شکار بن گئی لہذا من حیث القوم کبکبت، ذلت اور پستی دونوں کا مقدر بن گئی۔

مسلمانوں کی شاندار فتوحات اور عظیم الشان وسعت سلطنت کو دیکھ کر اپنے پرائے سب کہنے لگے کہ یہ اسلام کی فتوحات ہیں جب پانسہ پلٹ گیا اور کھیل بگڑا اور یہی سلطنتیں زیر غلامی ہوئیں۔ ثروت کبکبت میں بدل گئیں تو اپنوں نے دل کو سمجھانے کے لئے کما دینی احکامات کی اطاعت کو ترک کر دینے کا نتیجہ ملا ہے کہ اب عزت ذلت میں بدل گئی ہے مگر دشمن نے کہا کہ دیکھا اصول اسلام کس قدر ناپائیدار ہیں کہ اب بے عزتی کے سوا کچھ نہ ملا۔ اسلام پھیلا تو اپنی تلوار سے جب تلوار کند ہوئی تو مسلمان بھی کمزور ہو گیا مگرچ تو یہ ہے کہ دونوں جھوٹے ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کی سلطنت کے حکمران تو مسلمان کہلاتے تھے۔ مگر سلطنت میں اسلام کی حکومت کہاں تھی؟ کب انہوں نے دین پر عمل کیا تھا؟ قرآن مجید کس وقت ان کا ضابطہ عمل رہا تھا جو اب ہم یہ کہیں کہ دین کو نظر انداز کر دینے کی وجہ سے یہ سزا ملی ہے قرآن جو ظلم کو شرک عظیم قرار دیتا ہے۔ ان فرماں رواؤں کی اساس حکومت اسی پر تو تھی۔ حتیٰ کہ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اپنے گھر میں پردیسی اور مسلمانوں کے انتہائی شوکت و عروج کے دور حکومت میں بہت بے کس تھا۔ حد یہ کہ دین دار طبقہ اس نام نہاد سنہرے دور میں بھی اقلیت قرار پا گیا تھا اور ان بچاؤں کی حالت ذمیوں سے بھی بدتر تھی۔ چنانچہ

اسلام جس کو لشکر کشی اور ملک گیری سے کوئی دلچسپی نہیں مسلمانوں کے دور میں گوشہ نشین تھا مسلمانوں کی اس یلغار سے نفری میں اضافہ تو ضرور ہو گیا مگر اصلی اسلام کی نشوونما ہرگز نہ ہوئی۔ ایسی صورت میں ہم کیسے کہہ سکتے ہیں مسلمانوں کا عروج اسلامی اصول کی پابندی اور تنزل اسلامی ضابطہ حیات کے انحراف کے باعث ہوا تلواریں زمینوں کو فتح کر سکتیں ہیں مگر قلوب کو صرف اخلاق اور کردار ہی فتح کرتے ہیں۔ چنانچہ اہل بیت رسولؐ کی یہ شان زوالی ہے کہ وہ جہاں بھی تشریف لے گئے اسلام وہاں باقی ہے۔

قوموں کے عروج و زوال کا مذہب و نظریہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا

یہ بات بھی بڑی عجیب ہے کہ کسی قوم کے عروج و زوال کو اس قوم کے مذہب کا عروج یا زوال سمجھ لیا جائے۔ اور یہ عجیب امر بے چارے اسلام کی قسمت میں آیا ہے ورنہ کوئی نہ کہتا جو لیس سیر یا ہٹی ہال کا عروج کفر کا عروج تھا۔ یا انگریزوں کا اقبال عیسائیت کی فتح تھی۔ یا روس کی ترقی لادینیت کی ترقی تھی حالانکہ نظام ربوبیت کے مطابق فطرت کے چند اہل قاعدے ہیں جن پر عمل کر کے دنیا کی اقوام خواہ انکا مسلک و نظریہ کوئی بھی ہو ملکی فتوحات و دنیوی عروج حاصل کر لیتی ہیں۔ اس طرح چند فطری اسباب ہیں جن کے باعث فاتح اقوام مقام عروج سے گر جاتی ہیں۔ نوع انسان کی ہر قوم کے لئے فطرت نے یکساں قانون بنائے ہیں لہذا ہر قوم کے عروج و زوال کی تاریخ یکساں ہے۔ مثلاً "ایک جنگجو اور فاتح قوم شروع میں ضعیف و غریب ہوتی ہے وہ ضرورت بقا کے لئے جدوجہد کا آغاز کرتی ہے۔ غربت و افلاس کے باعث اس قوم کے افراد میں محنت، جفاکشی کی عادت، مصیبت میں صبر و استقلال کی استقامت، دشمن سے مقابلہ کرنے

کا عزم، آپس میں ہمدردی و اخوت جیسے صفات اس قوم میں پیدا ہو جاتے ہیں جو اتحاد، تنظیم اور یقین کی بدولت ان کی کامیابی و نصرت کے اسباب بن جاتے ہیں جب مفلسی دور ہو جاتی ہے تو دولت کی فراوانی اور دستیاب پر تعیش ماحول انہیں دل آویز لگنے لگتے ہیں۔ عیش و نشاط کے عشرت کدے انہیں اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ اب ان کو میدان جنگ کے طبل کوئے کی آواز سے بھی برے لگتے ہیں۔ پیسہ پھینک کر تماشہ دیکھنے کے عادی ہو جاتے ہیں آپس میں ایک دوسرے سے حسد رقابت میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس طرح مستی میں محو خواب خرگوش ہو جاتے ہیں کہ ہنوز دلی دور است ان کا معمول کلام بن جاتا ہے یہ اور اس سے مربوط دیگر صفات جب کسی قوم میں پیدا ہو جاتے ہیں تو پھر اس قوم کا پستی کی طرف آنا ایک یقینی امر ہوتا ہے یہ فطرت کے اٹل قانون ہیں جو بدلتے نہیں ہیں یہ کسی قوم و مذہب سے مخصوص نہیں ہے۔ چنانچہ لامذہب کافر اور مشرک قوموں نے بھی ان اصولوں پر عمل کر کے اس طرح عالمگیر فتوحات حاصل کیں ہیں جب آریوں کا وسط ایشیا میں رہنا ممکن نہ رہا تو وہ دنیا کے چاروں طرف پھیل گئے تاتاریوں اور ترکوں کی فتوحات ایسے ہی ہوئیں۔ پولین بونپارٹ، اور ہٹلر وغیرہ کی مثالیں بھی ہیں مگر کوئی یہ نہیں کہتا کہ یہ فتوحات آریہ سماج یا عیسائیت وغیرہ کی فتوحات ہیں۔ جب آپ ان غیر مسلم اقوام کی فتوحات کو جو مسلمانوں کی فتوحات سے زیادہ دل آویز بھی ہیں عیسائیت یا کفر کے لئے طرہ امتیاز قرار نہیں دیتے۔ تو پھر اپنی سرکرہ آریوں کی کس مذہب سے اسلام کے لئے نشان امتیاز یا باعث افتخار ٹھہراتے ہیں۔

غیر اسلامی نظام کا اجراء باعث تنزل بنا ہے

اعلان غدیر سے محفلت کر جانے کی صورت میں ایک سیاسی تدبیر یہ تھی

کہ اہل عرب کو بیرونی فتوحات میں مصروف و مشغول کر دیا جائے۔ اگرچہ یہ اسلام کے اصولوں اور سنت رسولؐ کے خلاف تھا بلکہ مبنی پر ظلم تھا مگر لوگوں نے اسے اسلامی فتوحات مشہور کر کے اسلام کے دامن پر یہ داغ لگا دیا کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔ حالانکہ یہ اسلام پر ایک دانستہ حملہ تھا۔ عرب قوم غریب تھی زندگی کے عیش و عشرت کے سامانوں سے نا آشنا۔ جنگجو بہادر تھے۔ مار دھاڑ کو عیب نہیں سمجھتے تھے۔ زیادہ تر ان کی بسر اوقات لوٹ مار تھی۔ قتل و دنگہ فساد کرنا ان کے لئے معمولی باتیں تھیں اور یہی وہ صفات ہوتے ہیں جو کسی قوم کو فتح مندی کی طرف لے جاتے ہیں۔ ادھر تو یہ حالت تھی حب دنیا کا غلبہ، غنیمت کی محبت، عشرت کی قلت، زندگی سے تعاضل، بے جگری اور موت سے بے خوفی یعنی فتح کے سامان سے پوری طرح لیس دوسری جانب جن اقوام پر حملے کئے گئے وہ اپنے دور تنزیل سے گزر رہی تھیں۔ کابلی، غفلت، عیش پرستی میں گرفتار اپنی زندگی کے دن گن رہی تھیں۔ پس نتیجہ صاف ظاہر ہے اللہ اکبر کہا اور چھری پھیر کر کام تمام کر دیا۔

البتہ عروج و زوال کے درمیانی عہد کی مدت کم یا زیادہ ہو سکتی ہے اسباب عروج دیر تک کار فرما رکھے جاسکتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مستقلاً قائم کر لئے جائیں اس طرح اسباب تنزیل کو طویل عرصے کے لئے روکا جاسکتا ہے۔ یہاں تجربہ، مذہب، سابقہ تاریخی حالات، طرز حکومت، طور معاشرت، وغیرہ ہم جیسے امور کار فرما ہوتے ہیں اور یہ سب حکمرانی کے طریقوں پر انحصار کرتے ہیں۔ جس طرح اسلامی سلطنت میں وسعت اسلامی طریقے سے نہ ہوئی۔ انہی طرح سلطنت کا سارا ڈھانچہ روم و ایران کے سانچوں میں ڈھال لیا گیا جو اس نظام سے قطعی مختلف تھا جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے قائم فرمایا تھا لہذا نظام سلطنت کا تعلق بھی دین سے قائم نہ رہا اور بانی مذہب کے

الہامی طریقے و تعلیم کو چھوڑ کر اپنے قیاس کے مطابق سیاسی حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے بد اگاہانہ نظام رائج کئے گئے جس کا فطری نتیجہ ”تزل“ کی شکل میں برآمد ہوا۔ عرصہ ہوا مسلمان تیزی کی اس اتھاہ دلدل میں دھننے چلے جا رہے ہیں اور جو امور اس زوال کا سبب بنے وہ دن بدن ترقی کر رہے ہیں مثلاً ”آپس میں فرقہ بری“ کسی کی اطاعت نہ کرنا“ اور خود کو سب کا لیڈر سمجھنا۔ غیروں کے ہاتھوں بہت تھوڑے داموں بک جانا۔ اپنے عہد اور قول کی پرواہ نہ کرنا، کتنا کچھ اور کرنا کچھ، ظلم کا ارتکاب کرنا اور عدل کو چھوڑ دینا۔ خود کو عقل کل سمجھتے ہوئے مذہب سے بے اعتنائی برتنا۔ تضحیح اور کورانہ تقلید۔ اخوت اسلامی کے احساس کا معدوم ہو جانا۔ جب ملک و جاہ اور ثروت دینا کے لئے دین سے اعراض کر جانا۔ اور فقدان ایثار و خود غرضی وغیرہ وغیرہ۔

اگر آپ نگاہ انصاف سے مسلمانوں کو دیکھیں گے تو متذکرہ بالا امور آپ کو نوے فیصدی آبادی میں تو یقیناً ”نظر آئیں گے۔ تمدن و معاشرت پر حکومت کا اثر انداز ہونا ایک ناگزیر عمل ہے لہذا ”خروڑے کو دیکھ کر خروڑہ رنگ پکڑتا ہے“ کی ضرب المثل کے مطابق وہ لوگ جو اس رنگ کو عقلاً ”یا مذہباً“ ناپسند کرتے ہیں عملاً اس رنگ میں رنگے دکھائی دیتے ہیں۔

مستقدمین نے وجاہت کی خاطر نافرمانی رسولؐ کی

خاکسار تحریک کے بانی علامہ عنایت اللہ خان المشرقی نے اپنی معروف تصنیف ”تذکرہ“ کے دیباچے میں بڑی دلیری کے ساتھ یہ اعتراف کیا ہے کہ ہمارے بزرگان دین نے دولت و حکومت اور دنیا کی وجاہت حاصل کرنے کے لئے سب کچھ چھوڑ دیا۔ احکام رسولؐ کی نافرمانی کی۔ علامہ صاحب مرحوم نے ان بزرگوں کے طرز عمل سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ انسان جو کچھ بھی ہے دنیوی

حکومت اور مادی ثروت ہے اور اصلی مسلمان وہ ہیں جن کو یہ چیزیں حاصل ہوں خواہ اعتقاداً وہ موحد ہوں یا مشرک۔ جو ان نعمات سے محروم ہیں چاہے وہ کتنے بکے توحید پرست ہوں کافر ہیں۔ میں تو علامہ صاحب سے اتفاق کرتے ہوئے یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ مسلمانوں کی تاریخ کا مطالعہ ان کی بات کو سچ ثابت کرتا ہے۔ یہ باتیں ویسے تو دوسرے مسلمان علماء بھی جانتے ہیں مگر جرات اظہار سے محروم ہیں۔

مولانا مودودی کا محتاط انداز بیان

بانی جماعت اسلامی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اس سلسلے میں بڑے محتاط انداز میں مسلمانوں کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔ جسے ہم اپنی پیش کش کی زینت بنانا چاہتے ہیں کہ باتیں بڑے پتے کی ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں کہ ”بغداد، دمشق، دہلی اور غرناطہ کے حریفین مسلمان ہونے کی وجہ سے خدا اور آخرت کے منکر نہ تھے مگر ان کی زندگی کا سارا پروگرام اس طرح بنتا تھا کہ گویا نہ خدا ہے نہ آخرت نہ کسی کو جواب دینا ہے نہ کہیں سے ہدایت لینی ہے۔ جو کچھ ہیں ہماری خواہشات ہیں ان خواہشات کی تکمیل کے لئے ہر قسم کے ذرائع اور ہر قسم کے طریقے اختیار کرتے ہیں ہم آزاد ہیں اور دنیا میں جینے کی جتنی مہلت ملتی ہے اس کا بہترین مصرف پس یہ ہے کہ ”بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست“

جیسا کہ اوپر میں نے اشارہ کیا کہ اس نظریے کی عین فطرت یہی ہے کہ اس کی بنیاد پر ایک خالص مادہ پرستانہ نظام اخلاق بنتا ہے خواہ وہ کتابوں میں معدوم ہو یا صرف ذہنوں ہی میں مرتب ہو کر رہ جائے پھر اسی ذہنیت سے علوم و فنون اور افکار و آداب کی آبیاری ہوتی ہے اور پورے نظام تعلیم و تربیت میں الحاد و مادیت کی روح سرایت کر جاتی ہے پھر انفرادی سیرتیں اس سانچے میں ڈھلتی

ہیں۔ انسان اور انسان کے درمیان تعلقات و معاملات کی تمام صورتیں اس نقشے پر بنتی ہیں اور قوانین کا نشوونما اس ڈھنگ پر ہوتا ہے پھر اس طرز کی سوسائٹی میں ہر سطح پر وہ لوگ ابھر آتے ہیں جو سب سے زیادہ مکار، بددیانت، جھوٹے، دغا باز، سنگدل اور غبیث النفس ہوتے ہیں۔ تمام سوسائٹی کی سیادت و قیادت اور مملکت کی زمام کار ان ہی کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور وہ شتر بے مہار کی طرح ہر حساب سے بے خوف اور ہر مواخذہ سے بے پرواہ ہو کر خلق خدا پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ میکاولی (Machia Velli) کے اصول سیاست پر ان کی ساری حکمت عملی مبنی ہوتی ہے ان کی کتاب آئین میں زور کا نام حق اور بے زوری کا نام باطل ہوتا ہے جہاں کوئی مادی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی وہاں کوئی چیز ان کو ظلم سے نہیں روک سکتی۔ یہ ظلم مملکت کے دائرے میں یہ شکل اختیار کرتا ہے کہ طاقت ور طبقے اپنی ہی قوم کے کمزور طبقوں کو کھاتے اور دباتے ہیں اور مملکت کے باہر اس کا ظہور قوم پرستی، امپریلزم اور ملک گیری و اقوام کشی کی صورت میں ہوتا ہے” (تجدید و احیائے دین ص ۹ و ص ۱۰)

مولانا مودودی مرحوم کی رائے کے مطابق جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالص اسلامی نظام حکومت، معیشت و معاشرت قائم فرمایا وہ نظام اپنی صحیح حالت میں حضورؐ کے بعد فقط شیخین کے زمانے تک بوجہ ان دونوں حضرات کی جامع کمالات شخصیتوں کے قائم رہا۔ لیکن ان کے بعد ہی جاہلیت یعنی کفر کو اسلامی نظام اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ مل گیا۔ اس کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو حکومت اسلامی کی تیز رفتار وسعت دوسرے حضرت عثمان کا ان خصوصیات کا حامل نہ ہونا۔ جو حضرات شیخین کو عطا ہوئی تھیں اگرچہ حضرت عثمان و حضرت علیؓ نے جاہلیت کے اس حملے کو روکنے کی کوشش کی لیکن وہ نہ رکا اور آخر کار حضرت علیؓ کے بعد خلافت علی منہاج النبوة کا دور ختم ہو گیا اور ملک

عضوض یعنی (Tyrent Kingdom) نے اس کی جگہ لے لی اور اس طرح حکومت کی اساس اسلام کے بجائے پھر جاہلیت پر قائم ہو گئی اور آخر دم تک اسی پر قائم رہی۔
(ماخوذ از تجدید و احیائے دین ص ۲۳ اور ص ۲۴)
آگے چل کر مولانا مودودی مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ :

”تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کوئی مجدد کامل پیدا نہیں ہوا ہے قریب تھا کہ عمر بن عبدالعزیز اس منصب پر فائز ہو جاتے مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ ان کے بعد جتنے مجدد پیدا ہوئے ان میں سے ہر ایک نے کسی خاص شعبے یا چند شعبوں میں کام کیا۔ مجدد کامل کا مقام ابھی خالی ہے مگر عقل چاہتی ہے فطرت مطالبہ کرتی ہے اور دنیا کے حالات کی رفتار متقاضی ہے کہ ایسا لیڈر پیدا ہو خواہ اس دور میں پیدا ہو یا زمانے کی ہزار گردشوں کے بعد پیدا ہو اسی کا نام الامام المہدیؑ ہے۔ جس کے بارے میں صاف پیشگوئیاں نبی علیہ صلوٰۃ والسلام کے کلام میں موجود ہیں۔ (تجدید و احیائے دین ص ۳۱)

ہم اعتراف کرتے ہیں کہ مولانا مودودی مرحوم اپنے صحیح فکر کی بدولت درست نتائج پر پہنچ گئے تاہم جو کمی ہے وہ محض آبائی عقیدے کا منطقی اثر ہے۔
خاتم النبیین مطلوب الطالبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوم غدیر امت سے خطاب فرماتے ہوئے امام مہدیؑ کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ آگاہ ہو کہ تحقیق وہ (مہدیؑ) دین کے پشت پناہ ہیں اور بے شک وہ ظالموں سے انتقام لیں گے وہ قلعوں کو فتح اور منہدم کریں گے مشرکوں کے ہر قبیلے کو قتل کریں گے یاد رکھو! وہ اولیاء خدا کے خون کا بدلہ لینے والے ہیں وہ ناصر دین خدا ہیں۔ بے شک وہ (علم خدا سے) چلو پر چلو بھرنے والے ہیں۔ خوب جان لو کہ بلاشبہ وہ صاحب فضیلت کی فضیلت پر مہر کریں گے اور ہر جہل کے جہل پر مہر ثبت فرمائیں گے یقیناً ”وہ خدا کے بہترین و پسندیدہ ہیں وہ کل علم کے وارث ہیں اور اس پر محیط ہیں اللہ کی

طرف سے مخبر اور متنبہ کرنے والے ہیں۔

تحقیق وہ سچے رہتا ہیں جملہ احکام ایمان سے آگاہ ہیں اور وہ جملہ امور ان کے سپرد ہیں۔ آگاہ رہو بے شک میں ان کی بشارت دیتا رہا ہوں۔ ہر گزرنے والا اپنے زمانے میں آگاہ ہو کہ وہی حجت باقیہ ہیں اور ان کے بعد کوئی حجت نہیں ہے اور حق انہی کے ساتھ ہے۔ اور نور ان ہی کے پاس ہے یاد رکھو! کوئی ان پر فتح اور غلبہ نہ پائے گا بے شک وہ اللہ کے ولی ہیں اس زمین پر اور حکم ہیں اس کی مخلوق میں اور امین ہیں اس کے ہر ظاہر و باطن پر

(خطبہ الفدیہ)

حضورؐ کے بعد تقریباً "ذیہ ہزار برس سے مسلمان حکومتیں چلی آ رہی ہیں۔ اس میں حضرات شیخین کا عہد حکومت صرف بارہ سال رہا۔ لہذا باقی ساری مدت میں سلطنت ہائے اسلام پر کفر کا اثر بلکہ قبضہ رہا۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ روز غدیر کے اعلان سے انحراف کر دینے کے لمحے سے یہ آفت نمودار ہو گئی تھی اور اب اس کا علاج ظہور مدی علیہ السلام ہے۔ بجل اللہ فرجہ

امامت ایک نعمت خداوندی ہے

اللہ کی عطا کردہ توفیق سے ہم نے کوشش کی ہے کہ جدید مادہ پرست نسل کے مذہب پر وارد کردہ اعتراضات کے تناظر میں اپنے موقف کو حق سے متصل کریں۔ ان وجوہات و اسباب کو طشت از بام لائیں جن کے باعث مسلمان اسلام کے موجودہ ثمرات سے محروم ہونے سے قاصر رہے۔ ہماری گفتگو کا مرکزی عنوان "اعلان غدیر" ہے۔ جس کے نشر ہو جانے پر خدائے عزوجل نے اپنی نعمت کے اتمام کا مژدہ سنا دیا۔ دین فطرت کی زمام اپنے الٰہی بیت کے سپرد فرماتے ہوئے رسول اسلام نے عہد رسالت مآب کے سب سے بڑے جلسہ غام میں پورے ترک و احتشام اور اہتمام و انصرام کے ساتھ امت سے خطاب فرمایا۔

”معاشر الناس! تحقیق میں نے تم سب کو بتا دیا ہے اور سمجھا دیا ہے اور پھر میرے بعد یہ علیؑ تمہیں سمجھائیں گے یاد رکھو کہ میں اپنے خطبے کو پورا کرنے کے بعد تم کو بلاؤں گا اپنے ہاتھ پر علیؑ کی بیعت لینے اور اقرار کرانے کے لیے میرے بعد علیؑ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے آگاہ رہو کہ میں نے خدا کی بیعت لی ہے اور علیؑ نے میری اور میں تم سے اللہ کے حکم کے مطابق علیؑ کی بیعت لے رہا ہوں اور جس نے اس بیعت کو توڑ دیا وہ خود اپنے نفس پر ظلم کرے گا۔

لوگو! بے شک حج صفا و مردہ اور عمرہ یہ سب اللہ کے شعائر ہیں پس جو شخص حج کرے یا عمرہ بجالائے اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اے گروہ مردم! بیت اللہ کا حج کرو پس کوئی گھرانہ ایسا نہیں ہے جو وہاں جائے اور غنی نہ ہو جائے اور کوئی گھر ایسا نہیں ہے کہ مخالفت کرے اور محتاج نہ ہو جائے۔ اے لوگو! مومن جو موقف پر قیام کرے گا اللہ اس کے اگلے پچھلے اس وقت تک کے گناہوں کو معاف کر دے گا جب حج تمام ہو جائے گا تو از سر نو عملی زندگی شروع ہوگی۔ لوگو! حجاج مدد یافتہ ہیں ان کی زاو راہ اللہ کے پاس محفوظ ہے اور اللہ محسنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ اے گروہ انسان! بیت اللہ کا حج کرو۔ دین کامل اور مذہبی معلومات کے ساتھ اور واپس مت آؤ شاہد مقدسہ سے مگر یہ کہ توبہ اور گناہوں کا سدباب کر کے۔

اے انسانو! نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو جیسا کہ اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے۔ اور اگر طول عمری کے باعث تم سے تقصیر یا بھول چوک ہو جائے تمہارے ولی علیؑ موجود ہیں وہ تم سے بیان کریں گے جن کو اللہ نے اس منصب پر نصب فرمایا ہے اور ان کے بعد میری اولاد جو ان کے صلب سے ہوگی وہ تمہیں بتاتے رہیں گے تم ان سے جو بھی سوال کرو گے وہ اسے بیان کریں گے۔ تم لوگوں کو ایسی باتیں بتائیں گے جو تم نہیں جانتے ہو گے۔

جان لو! کہ حلال و حرام اتنے زیادہ ہیں کہ میں اس وقت ان کا احاطہ نہیں کر سکتا اور نہ ان کو پہچنوا سکتا ہوں کہ حکم دوں حلال کا یا منع کرو حرام سے کیونکہ دامن وقت میں اتنی گنجائش نہیں ہے۔

پس میں مامور کیا گیا ہوں اس وقت کہ تم سب سے بیعت لوں اور تم اسے قبول کرو جو میں تمہارے لئے خدا کی طرف سے لایا ہوں۔ وہ یہ کہ علیؑ امیر المومنین ہیں اور ان کے بعد ان آئمہؑ کے بارے میں جو مجھ سے اور علیؑ سے ہوں گے سارے امام قائم ہیں ان ہی میں امام مہدیؑ ہوں گے۔ یہ امام قیامت تک کے لئے حق کے ساتھ فیصلہ کریں گے۔

معاشر الناس! ہر وہ حلال جو تم کو بتا دیا ہے، اور ہر وہ حرام جس سے تم کو منع کر دیا ہے میں اس سے پلٹانے اس میں کوئی تبدیلی کی۔ پس اسے یاد رکھو اور محفوظ کر لو۔ اور ایک دوسرے کو اس کی وصیت کرتے رہو۔ اور اس میں کوئی تبدیلی مت کرنا۔ اور میں پھر اسے دہراتا ہوں کہ دیکھو نماز کو قائم رکھو اور زکات دیتے رہو۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو۔

یاد رکھو! کہ اصل امر بالمعروف یہ ہے کہ تم میرے قول کی گہرائی کو سمجھو اور جو اس (جلسہ عام) میں موجود نہیں ہیں ان تک اس (پیغام) کو پہنچا دو اور اسے قبول کرنے کے لئے کہو اور اس کی مخالفت سے ان کو روکو۔ اس لئے کہ یہ حکم اللہ عزوجل اور میری طرف سے ہے اور اس کے سوا کوئی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں ہے کہ امام معصومؑ کے متعلق (یعنی امام کو پہنچایا جائے اور ان کی مخالفت سے روکا جائے)

اے گروہ انسان! قرآن نے تم کو یہ معرفت عطا کر دی ہے کہ آئمہؑ علیؑ کے بعد ان کی اولاد سے ہوں گے۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے اور قرار دیا ہے ان کو کلہ باقیہ انہی کی نسل میں اور میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ جب تک ان کا دامن فاسے رکھو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔

اے گروہ مردم! تقویٰ اختیار کرو قیامت سے ڈرو جیسا کہ اللہ فرماتا ہے تحقیق زلزلہ قیامت بہت عظیم ہے۔ یاد رکھو موت کو۔ حساب کو میزان کو محاسب کو جو تمام جہانوں کے پروردگار کی بارگاہ میں ہوگا۔ اور ثواب و عقاب کو جس جو بھلائیاں لائے گا ثواب پائے گا جو برائیاں لائے گا تو جنت میں اس کا حصہ نہ ہوگا۔

اے گروہ انسان! تمہاری تعداد کثیر ہے اور میرے ایک ہاتھ پر تم سب کا بیعت کرنا مشکل ہے لہذا اللہ نے مجھ اختیار دے دیا ہے کہ میں تم سے زبانی اقرار بھی لے سکتا ہوں علیؑ (کی امامت اور ولایت) کے بارے میں۔ اور ان (اماموں) کے لئے جو علیؑ کے بعد آنے والے ہیں۔ وہ آئمہ جو مجھ سے اور علیؑ سے ہوں گے جیسا کہ میں نے تم پر واضح کر دیا ہے کہ میری ذریت علیؑ کی صلب سے ہوگی پس تم سب مل کر کہو۔

کہ تحقیق ہم نے سنا۔ اور اطاعت کی اور راضی ہیں اور فرماں بردار ہیں اس پر جو آپؑ نے پھنچایا ہمارے اور اپنے رب کی طرف سے۔ اللہ کی صلوات ہو ان پر اور ان کی اولاد کے بارے میں جو ان کے صلب سے آئمہ ہوں گے۔ آپ کی بیعت کرتے ہیں دل و جان سے اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے اس بارے میں۔ اور اسی پر ہماری موت و حیات اور حشر و نشر ہیں ہم اس میں تغیر و تبدل کریں گے نہ شک و شبہ اور اس عہد سے نہیں پلٹیں گے اور نہ میثاق کو توڑیں گے اور ہم اطاعت گزار ہیں اللہ کے اور آپؑ کے اور علی امیر المومنینؑ کے اور ان کی اولاد کے جو امام ہوں گے جن کا تذکرہ آپؑ نے فرمایا ہے کہ وہ حضورؐ کے ذریت ہیں۔ جو علیؑ کی صلب سے ہوں گے بعد حسنؑ اور حسینؑ کے کہ جن کو میں پہچنوا چکا ہوں ان کی اس نسبت کو جو ان کو مجھ سے ہے۔ اور اس درجہ کو جو میرے نزدیک ہے اور اس منزلت کو جو میرے رب کے نزدیک ہے اور یہ بھی تم کو بتا چکا ہوں کہ یہ دونوں جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ اور یہ دونوں امام

ہیں اپنے والد علیؑ کے بعد اور میں ان دونوں کا باپ ہوں علیؑ سے پہلے اور تم سب مل کر کہو کہ۔ ہم نے اس بارے میں اللہ کی اور آپؑ کی اور علیؑ کی اور حسنؑ حسینؑ اور ان آئمہ کی جن کا ذکر آپؑ نے فرمایا اور عہد و میثاق لیا ہے عہد امیر المومنین کے سلسلہ میں اطاعت کرتے ہیں اپنے دلوں سے اپنے نفسوں سے اور اپنی زبانوں سے ہم میں سے جو کوئی ان کا زمانہ پائے گا وہ ان کے ہاتھ پر بیعت کرے گا یا پھر زبان سے اقرار کرے گا۔ ہم اس میں کوئی تبدیلی نہیں کریں گے نہ اس سے پھریں گے۔ (اس پر) ہم اللہ کو گواہ قرار دیتے ہیں اور وہی گواہی کے لئے کافی ہے۔

اور آپؑ بھی ہم پر گواہ ہیں اور ہر وہ شخص گواہ ہو جو اس حکم کی اطاعت کرے چاہے وہ ظاہر ہو یا پوشیدہ ہو۔ اور اللہ کے فرشتے گواہ ہیں اور اس کا لشکر اور اس کے سارے بندے اور اللہ تو سب سے بڑا گواہ ہے۔

اے گروہ انسان! پس کیا کہتے ہو تم لوگ؟ بے شک اللہ ہر آواز کا سننے والا اور دل میں چھپی ہوئی ہر بات کا جاننے والا ہے پس جو ہدایت حاصل کرے گا تو اپنے (فائدہ) کے لئے اور جو گمراہ ہوگا اپنے (نقصان) کے لئے۔

اور جو بیعت کرے گا تو گویا اس نے اللہ سے بیعت کی اور اللہ کا ہاتھ تمام ہاتھوں سے بلند ہے۔

اے انسانو! اللہ سے ڈرو اور امیر المومنین علیؑ کی بیعت کرو۔ حسنؑ کی اور حسینؑ کی اور ان اماموں کی جو کلمہ باقیہ ہیں۔

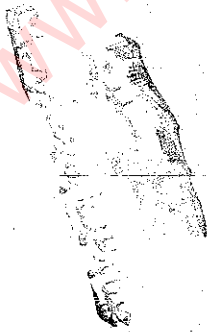
ہلاک کرے گا اللہ اسے جو بھی بے وفائی کرے گا۔ اور رحم کرے گا اس پر جو عہد کو پورا کرے گا اور جس نے عہد شکنی کی پس اس نے اپنے ہی نفس کو نقصان پہنچایا۔ معاشر الناس! (امید ہے) جو کچھ میں نے کہا ہے (تم سمجھ گئے ہو گے) لہذا ہدیہ سلام پیش کرو علیؑ کو امیر المومنین کہہ کر اور کہو کہ

ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ اے ہمارے رب مغفرت تیری طرف ہی ہے اور تیری ہی جانب بازگشت ہے اور کہو (شک) الحمد للہ جس نے اس امر میں ہماری ہدایت فرمائی اور ہم ہدایت یافتہ نہ ہوتے اگر اللہ ہماری ہدایت نہ کرتا۔

(خطبہ الفدوی)

زبان وحی بیان سے اواشودہ یہ خطاب نعت امامت کی معرفت کے لئے کافی ہے فصاحت و بلاغت اس کلام پر وارے وارے جا رہی ہے پیغمبر کے جبرک تشریے سے ماخوذ ہوتا ہے کہ اہل بیت کی اطاعت مسلمانوں پر واجب کی گئی ہے اور امامت قائم کرنے میں عوام الناس کو مطلق دخل نہیں ہے ایسا امام جس کی امامت دین کی انسانیت کو ضرورت ہے وہ صرف اللہ ہی نصب فرما سکتا ہے اور ایسے امام کی تقرری کا اعلان فی الحقیقت حیات بخش پیغام ہے تکمیل دین کے لئے اللہ کا وارث دین آئمہ کو منتخب فرماتا ہی وہ بڑی نعت تھی جس کا روز غدیر اہتمام کیا گیا اور اللہ نے اکمل دین کے ساتھ

اتممت علیکم نعمتی کا شہدہ سنایا اور ”دین اسلام“ کو پسند فرمایا۔



کفرانِ نعمت کی سزا

جب لوگوں نے اللہ کی نعمت کی قدر نہ کی تو خدا نے وہ نعمت نظروں سے غائب کر دی اور امت اس عذاب میں مبتلا ہو گئی جو جاری ہے اور جاری رہیگا جب تک کہ مسلمان اپنی کفرانِ نعمت سے توبہ نہیں کرتے اور اس نعمت کی واپسی کی التجا نہیں کرتے اور اس زحمت سے بیزاری اختیار نہیں کرتے جیسے انہوں نے اس نعمت کے بدلے میں اختیار کر لیا۔ اللہ تعالیٰ پہلے ہی قرآن کے ذریعہ مطلع کر چکا ہے کہ شکر باعثِ فراوانیِ نعمت ہے اور ناشکری باعثِ عذاب ہے جس سے انسان بسا اوقات ان نعمت سے محروم کر دیا جاتا ہے اور کبھی زیادتی کے ذریعہ شدید آزمائش میں مبتلا کر دیا جاتا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ ”اور جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں ضرور تمہارے لئے (نعمت) میں اضافہ کروں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بے شک میرا عذاب شدید ہے“

(سورہ ابراہیم - آیت ۷)

اور فرمایا کہ ”جس نے اللہ کی نعمت کو اپنے پاس آجانے کے بعد تبدیل کر لیا تو اللہ سخت سزا دینے والا ہے“

(البقرہ - آیت ۲۸)

پس خدا نے اس نعمتِ عقلی کا عطا کرنا اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور لوگوں کو اس سلسلے میں کوئی اختیار تفویض نہیں ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے پیغمبرِ آخر الزمان نے جامع وضاحت اور مکمل تفصیل کے ساتھ امت پر اس امر کی وضاحت فرماتے ہوئے۔ آخرِ حدیث کی لطافت کرتا اور ان کا اہل علم بجالانے کی تاکید کرتے ہوئے کوئی کسر اٹھانہ چھوڑی۔ اس حکم کی تبلیغ کرنے کا حق لوا کر دیا۔ لیکن حضور کی آگہ بند ہوتے ہی لوگوں نے اپنی بیعت اپنے قول اپنے اقرار اور خدا و رسول سے کھینچنے اور عہد و پیمان کو طاقِ نیل میں رکھ دیا۔

خطبہ غدیر کا پس منظر

عہد رسالت مابہ ہی میں بعض لوگوں کی نظریں تخت حکومت پر جبی ہوئی تھیں۔ مگر خدا نے قرآن مجید میں یہ فرما کر ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا کہ ”یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس امر (حکومت) میں کچھ ہمارے لئے بھی حصہ ہے۔ (اے رسولؐ) کہہ دے ان سے کہ یہ سارا امر خدا کے لئے۔ یہ لوگ اپنے دلوں میں وہ باتیں چھپائے ہوئے ہیں جو تم پر ظاہر نہیں کرتے“

(آل عمران - ۱۵۳)

یہ آیت بڑی غور طلب ہے اس سے دو امر ظاہر ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ امر حکومت و خلافت صرف نص خداوندی پر منحصر ہے لوگوں کو اس میں کچھ اختیار نہیں۔ دوسرے یہ کہ خدا نے اقتدار حاصل کرنے جو سازباز ہو رہی تھی اسے طشت ازہام کر دیا۔

رسولؐ غیب وال ان تمام زیر زمین محلاتی سازشوں سے واقف تھے چنانچہ علیؑ علیہ السلام سے فرمایا کرتے تھے کہ ”اے علیؑ تمہاری طرف سے لوگوں کے دلوں میں کھنچے بھرے ہوئے ہیں جن کو وہ چھپاتے ہیں اور میرے بعد تمہارے خلاف ظاہر کریں گے“

(کنز العمال - حدیث نمبر ۶۱۵۸ جز سادس ص ۳۱۸)

حضور اکرمؐ نے امت کی بے وفائی کے بارے میں اپنے وارث اور وصی کو خبردار کر دیا تھا اور فرمایا تھا کہ ”اے علیؑ میرے بعد یہ امت تم سے دغا کرے گی“

(مستدرک المعجم الجبرائیل ص ۳۰)

خدا نے اس امر کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کی وجہ بھی قرآن مجید میں بیان کر دی تھی کہ طاوت کے قصے کو بطور مثل پیش کرتے ہوئے وضاحت فرمائی کہ اس کا سبب یہ کہ اللہ تعالیٰ عظیم و خیر ہے اسے ہر شخص کی نیت طاقت ہمت اور وسعت ارادہ کا کمال علم ہے۔ جب کہ لوگوں کا علم قلیل ہے ان کو یہ امور معلوم نہیں ہوتے۔ فرمایا کہ۔

والله يوتى ملكه من يشاء والله واسع عليم
 اللہ اپنی سلطنت اس کو دیتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے اور اللہ وسیع علم والا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

بعض لوگ اس آیت کے استدلال پر یہ کہتے ہیں کہ جن مسلمان حکمرانوں کو حکومت ملی تو یہ خدا نے ان کو دی۔ حالانکہ آیت کا مطلب یہ نہیں ہے۔ یوتی ملکہ کے معنی یہ ہیں کہ ”خدا اپنی ملک کی حکومت خود دیتا ہے“ جس کو چاہتا ہے۔ اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ جس کو حکومت مل جائے وہ خدا کی عطا کردہ سمجھ لی جائے۔ ”ملکہ“ یعنی خدا کی بادشاہت کا مطلب ”حکومت ایہ“ ہے جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں فرعون و نمرود جیسے حکمران بھی گزرے ہیں صاف ظاہر ہو گیا کہ خدا بادشاہ مقرر نہیں فرماتا۔ اس کی حکومت مخصوص اور وسیع معنی رکھتی ہے۔ خدا کے ملک میں وحش و طیور اور انس و ملک و دیگر عناصر بھی ہیں۔ چنانچہ اللہ جن کو اپنے ملک کی حکومت بخشا ہے تو یہ سب اس کے زیر فرمان ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت سلمان علیہ السلام کی دعا سے ظاہر ہے کہ عرض کیا۔ ”یا رب مجھے وہ ملک عطا فرما دے جو میرے بعد کسی کے واسطے نمایاں نہ ہو اس میں تو شک ہی نہیں تو وہاب ہے“

(سورہ ص آیت ۳۵)

حضرت سلیمانؑ کی ارضی حکومت بہت چھوٹے قطعہ ارض پر تھی۔ وہ جانتے تھے کہ ان سے پہلے بڑی بڑی حکومتیں گزر چکی تھیں اور ان کے بعد بھی ان سے زیادہ سلطنتیں ہوں گے چنانچہ سورہ ص کی آئندہ آیات میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ خدا نے فرمایا۔ پس ہم نے ہوا کو ان کا تابع کر دیا کہ وہ ان کے حکم سے جہاں وہ چاہتے تھے ان کو نرمی و آسانی سے پہنچا دیتی۔ شیاطین کو ان کا ماتحت کر دیا

تھا جو عمارتیں بناتے تھے اور دریا میں غوطے لگاتے تھے اور کچھ اور تھے جو بیڑیوں میں جکڑے رہتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمانؑ نے وہ ملک مانگا تھا جو دیگر سلاطین کی طرح ظلم و جور سے نہیں ملتا بلکہ خدا اپنے پاس سے دے دیتا ہے اور وہ ایسا مکمل ہوتا ہے کہ عناصر و جن بھی ان کے ماتحت ہوتے ہیں۔ چنانچہ مکتب اہل بیتؑ کے مطابق یہی شان امام کی ہوتی ہے کہ ان کا حکم کائنات میں جاری ہوتا ہے جب کہ جمہوری حکومت والے صرف آدمیوں پر حکومت چلا سکتے ہیں چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ ”روح الامین اور دیگر ملائکہ ہر شب قدر کو حضورؐ اور ان سے پہلے کے انبیاء پر تمام احکام خداوندی اور تقسیم قدرات لے کر نازل ہوتے تھے ان کے بعد علیؑ پر ان کے بعد دیگر ائمہ اہل بیت علیہم السلام پر نازل ہوتے رہے ہیں یہاں تک کہ اب امام زمان صاحب العصرؑ نازل ہوتے ہیں“

(ضمیمہ ترجمہ مولانا مقبول احمد)

منصب نبوت اور منصب امامت کا باہمی تعلق

مولوی شبلی نعمانی تحریر کرتے ہیں کہ ”امامت کا منصب در حقیقت نبوت کا ایک شعبہ ہے اور امام کی فطرت قریب قریب پیغمبری فطرت کے واقع ہوتی ہے شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں۔ و از میاں امت جمع مستند کہ جو ہر نفس ایشان قریب بجوہر انبیاء مخلوق شدہ و اس جملہ در اصل فطرت خلفائے انبیاء اند در امت“

(الفاروق حصہ دوم ص ۲۰۶)

یعنی امام کی فطرت قریب قریب رسولؐ کی فطرت پر فطری جاتی ہے۔ مگر نبی اور امام کے اس فطری تعلق کو ماننے ہوئے بھی بعض لوگ یہ پسند نہیں کرتے تھے نبوت و خلافت اپنی فطرت پر رہیں۔ وہ ہر گھڑی ایسی تدبیر سوچا کرتے تھے کہ

جس طرح بھی ممکن ہو۔ حکومت اس خاندان میں نہ جانے پائے۔ چنانچہ حضرت عمر بن خطاب اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو علیؑ کو اپنا خلیفہ بنانا چاہتے تھے مگر ”خدا کی قسم علیؑ کے بارے میں کبھی قریش کا اجتماع نہ ہو گا اور لوگ اگر ان کو خلیفہ بنا بھی لیں گے تو ہر طرف سے عرب ان پر شورش کریں گے“

(شرح نوح البلاغ ابن ابی الحدید الجز الثالث ص ۹۷)

رسول غیب دان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سرگوشیاں اور چچے گونیاں پوشیدہ نہیں تھیں اسی لئے آپؐ نے اس اعلان کے کرنے میں تعجل نہ فرمائی اور مناسب موقع کے منتظر رہے۔ غدیر کے موقع و محل سے زیادہ اچھا شاید ہی کوئی دوسرا موقع ملتا۔ چنانچہ خدا نے اپنے رسولؐ کو تاکید فرمائی کہ وہ مطمئن ہو کر میرا یہ پر نعمت حکم عوام الناس تک پہنچا دے۔ چنانچہ پیغمبرؐ خدا نے میدان غدیر میں بہت گرم جوشی کے ساتھ دھواں دھار تقریر کر کے اپنے فرض منصبی کے جملہ تقاضے پورے فرمائے آپؐ اس نفیس خطبے کے اقتباسات اس کتاب کے گزشتہ اور اوراق میں مطالعہ فرما چکے ہیں جو ہم نے مختلف مقالات پر نقل کئے ہیں۔ آپؐ نے اس بلیغ خطاب میں مسئلہ امامت اور فضیلت اہل بیتؑ کے ہر گوشے پر مدلل اور مقبول طرز کے ساتھ مفصل روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ اس خطاب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ”اے انسانو! تحقیق علی بن ابی طالبؑ کے فضائل اللہ عزوجل کے نزدیک بہت ہیں جسے اس نے بذریعہ قرآن نازل کیا ہے وہ اتنے کثیر ہیں کہ میں اس مقام پر اس وقت ان کو شمار نہیں کر سکتا۔ پس جو بھی تم کو علیؑ کے فضائل کی خبر دے اور ان کی معرفت سے شناسا کرے اس کی تصدیق کرو۔“

اے گروہ مردم! جو اطاعت کرے گا اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی اور علیؑ کی اور ان ائمہؑ کی جن کا میں نے ذکر کیا ہے تو وہ زبردست کامیابی حاصل کرے

گ

اے لوگو! سبقت کرو ان کی بیعت کرنے میں اور ان سے محبت رکھنے میں اور ان کو
امیر المومنین کہہ کر سلام کرنے میں کیونکہ جو سبقت کریں گے وہی کامیاب ہوں
گے اور مقرب ہوں گے نعمت والی جنت میں“

اے انسانی گروہ! ایسی بات کہو جس سے اللہ راضی ہو جائے پس اگر تم
نے (حاضرین جلسہ نے) یا روئے زمین پر بسنے والوں نے (غیر حاضرین نے) انکار کیا
تو اللہ کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچ سکیں گے۔

اللهم! بخش دے مومنین اور مومنات کو اور غضب نازل فرما کافر مردوں اور
کافر عورتوں پر۔ الحمد للہ رب العالمین

(خطبۃ الغدير)

جب سید الانبیاء خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس خطبہ سے فارغ
ہوئے تو تمام حاضرین نے بیک زبان ہو کر با آواز بلند کہا کہ اے اللہ کے رسول! ہم
نے اللہ اور رسول اللہ کے حکم کو سنا اور ہم دل و جان سے اس کے اطاعت گزار
ہیں۔

چنانچہ امت کے اس متفقہ اظہار عقیدت و اطاعت کے بعد رسول دین
اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے نیچے تشریف لائے اور حضرت امیر المومنین
علیہ السلام کے لئے ایک علیحدہ خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا۔ جب امیر المومنین علی
ابن ابی طالب علیہ السلام اس خیمے میں رونق افروز ہوئے تو اصحاب نبی گروہ در
گروہ آکر آپ کو ولایت کی مبارک پادوشیے اور ”امیر المومنین“ کہہ کر سلام پیش
کرنے لگے۔

اس مبارک موقع پر شافع محشر رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
پہلوئے حضرت امیر المومنین علیہ السلام میں جلوہ افروز تھے۔ حضور اکرم ارشاد

فرماتے جاتے تھے کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم کو تمام مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی۔ اور اس کو بھی فضیلت حاصل ہے جو علیؑ ابن ابی طالب کی بیعت کرے اور ان کو امیر المومنین کہہ کر سلام پیش کرے۔

المختصر تین دن رات مسلسل اس بیعت و تہنیت کا سلسلہ جاری و قائم رہا اور تمام حاضرین نے جن کی تعداد ستر ہزار اور ایک قول کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار تھی اسی مقام غدیر پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ چنانچہ اس روح پرور منظر کو دیکھ کر رحمت خداوندی میں جوش آیا اور قدرت نے اکمال دین اور اتمام نعمت اور اسلام سے خوشنودی کے پروانہ کے ساتھ ولایت علی عیہ السلام کی رسم تہنیت اس کی سند میں اعلان فرمایا کہ۔ **اليوم بنس النین کفروا من دینکم فلا تخشوہم واخشو فی الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الا سلام دینا** "آج کے دن وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا تمہارے دین سے مایوس ہو گئے ہیں پس ان سے مت ڈرو۔ اور مجھ ہی سے ڈرو۔ آج کے دن میں نے تمہارے لئے دین کو کمال کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی۔ اور میں نے تمہارے لئے اسلام (سر تسلیم خم کرنے) کو دین پسند کر لیا۔

(المائدہ۔ آیت ۳)

بنی نوع انسان نے اجتماعی معاشرت میں کسی مرکزی رہنما کی ضرورت سے کبھی انکار نہیں کیا ہے کسی قوم کے لئے کسی قائد کی ضرورت ایک مسلہ امر ہے۔ چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بھی اپنے بعد امت میں اپنا جانشین مقرر کرنے کی ضرورت و اہمیت کا پورا پورا احساس تھا چونکہ آپ دین فطرت اور ملک خدا کے منصوص حاکم مقرر ہوئے لہذا آپ کی جانشینی (حدود فریادہ) کے پیش نظر کا مسئلہ ایسا ہرگز نہ تھا جسے عوام الناس کے ذمے لگایا جاتا کیونکہ اللہ کی سنت اس کے خلاف تھی کہ وہ حکومت الیہ کے خلیفے خود مقرر فرمایا

کرتا ہے اب ارضی حکومت حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت کا ایک جزو بن گئی تھی۔ جیسا کہ ابوالحسن ندوی صاحب نے لکھا ہے۔
 ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں ایک بڑا کام اور آپ کی بعثت کا ایک اہم مقصد حکومت الہی کا قائم کرنا اور دنیا میں آسمانی نظام سیاست و اخلاق و معاشرت جاری کرنا تھا“

(سیرۃ سید احمد شہید ص ۱۳)

چنانچہ معلوم ہوا کہ سیاست اور حکومت دین اسلام کے ایسے جزوی شعبے ہیں جن کی حیثیت جزو لاینفک کی ہے۔ لیکن المیہ یہ ہوا کہ بعض نفس پرستوں نے حکمت اور دین میں تفریق وضع کر لی اور بعد از رسولؐ بر سر تخت آنے کے خواب دیکھنے لگے۔ پیغمبرؐ کا علیؑ کی جانب خصوصی میلان اور آپؐ کا گاہے بگاہے ان کو اہمیت دینا ان لوگوں کو ایک آنکھ نہ بھاتا تھا جی ہی جی میں کڑھا کرتے تھے اور یہ اس لگا بیٹھے تھے کہ بعد از رسولؐ وہ حکومت پر قابض ہو جائیں گے۔ علامیہ اور خفیہ ایسی حرکات کا ارتکاب کرتے تھے کہ خود پیغمبرؐ مضطرب ہو جاتے تھے۔ معاملہ عام بادشاہی کا ہوتا تو شہنشاہ کو نین اس طرف منہ اٹھا کر بھی نہ دیکھتے آپؐ کی حکومت، حکومت الہیہ تھی جس کی جانشینی کا معاملہ اللہ نے طے فرمانا تھا جو کہ وہ کر چکا تھا اور اپنے رسولؐ کو خبردار کر دیا تھا۔ مگر نزاکت حالات کے پیش نظر اور امت میں پھوٹ پڑ جانے کے خوف سے آپؐ کوئی عاجزانہ اقدام فرمانا مناسب خیال نہیں فرماتے تھے مگر جب کار رسالت سے فراغت پائی تو اللہ نے اس حکم کی تبلیغ کر دینے کا خصوصی حکم نامہ نازل فرمایا۔ چنانچہ خدا کی طرف سے حفاظت کی ضمانت مل جانے پر آپؐ نے تپتے ریتلے میدان میں آگ برساتی دھوپ میں ایک بلیغ خطبہ نشر کر کے حکومت الہیہ کے لئے علیؑ کی خلافت و امامت و ولایت کا اعلان کرتے ہوئے تاقیام قیامت اس حکومت دین کو بحکم خدا اپنے اہل بیتؑ میں

محصور کر لیا۔ اور لوگوں پر اس کے اسباب اور وجوہات واضح فرما دیئے۔ اس وقت تو لوگوں نے طوعاً و کرہاً اللہ کے اس فیصلے کو مان لینے کا اقرار کیا اور اس پر دوہری بیعت کر لی مگر بعد میں نفس امارہ کی اطاعت کرنے لگے جس کا نتیجہ ہر آنکھ کے جاننے ہے۔

اعلان غدیر کے بعد مخالفین میں اضطراب

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ بعض لوگ امام علیؑ سے بغض عناد اور حسد رکھتے تھے اور انہوں نے اپنے رسولؐ کو تھوڑا بہت مستحکم بھی کر لیا تھا جس سے ان کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے اور وہ تخت حکومت پر قابض ہونے کے خواب میں محو تھے جب اس جماعت نے اعلان غدیر سنا تو ان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی ان کی آسوں پر اوس پڑ گئی چنانچہ اس قدر بوکھلائے اور ذہنی طور پر مضطرب و پریشان ہوئے کہ اپنے خلاف فشا و توقع اعلان کو سنتے ہی ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ بہت بھرے۔ اللہ کا رسولؐ ان کی آنکھوں میں کھٹکنے لگا چنانچہ حضورؐ کو انہوں نے اپنے انتقام کا پہلا نشانہ بنایا۔ حالانکہ اللہ کی نازل کردہ حفاظت رسولؐ کی ضمانت سن چکے تھے مگر پھر بھی پندرہ باغیوں پر مشتمل ایک جماعت نے وادی عقبہ میں رسولؐ رحمتؐ کے اونٹ کو بھڑکا کر آپؐ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ اپنے چہروں کو نقابوں سے چھپا کر حملہ آور ہوئے مگر حضرت عمارؓ اور حضرت ابوذرؓ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائق کے ساتھ تھے مزاحم ہوئے اور ان حملہ آوروں کے حملے کو پسپا کیا اور یہ دم دبا کر بھاگ لئے۔ مورخین نے اس واقعہ میں اختلاف کیا ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ واقعہ سن ۹ ہجری کا ہے جب حضورؐ جنگ تبوک سے واپس مدینہ آ رہے تھے مگر واقعہ کی تاریخ وقوعہ سے سردست ہمیں کوئی سروکار نہیں حالانکہ ہماری تحقیق کے مطابق اس حرکت کا ارتکاب دونوں موقعوں پر ہوا۔ اور یہ واقعہ مسلمات تالیف ضخیمہ سے ہے۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بھید سے واقف تھے اور ان لوگوں کے نام جانتے تھے جو حملہ آور ہوئے مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حذیفہؓ کو حکم دیا تھا کہ ان کے ناموں کو لوگوں پر آگاہ نہ کریں اسی وجہ سے حضرت حذیفہؓ کو ”صاحب سر رسول اللہ“ کہا گیا ہے۔

الغرض جب اللہ کی حفاظت میں رسول خدا کے سامنے ان کی کوئی پیش نہ گئی تو بڑے مایوس ہوئے مگر شیطان نے تھکی دی۔ ناامیدی میں امید کی ایک کرن دکھائی وہ یہ کہ حیثیت نبوی کا ہوارہ کیا جائے اور لوگوں میں یہ مشہور کر دیا جائے کہ نبی بھی ایک عام خاظمی انسان ہوتا ہے اس کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں ایک نبوی اور دوسری غیر نبوی۔ نبوی حصے کی اطاعت ضروری ہے جب کہ غیر نبوی زندگی میں رسول حق سے باطل کی طرف بھی مائل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً "ایک صاحب نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا۔

"بے شک رسول خدا سے علیؑ کے بارے میں چند ایسی باتیں ہوتی تھیں جن سے کوئی حجت ثابت نہیں ہوتی تھی اور عذر قطع نہیں ہوتا تھا (یعنی یہ حجت اور یہ عذر کہ انہوں نے علیؑ کے بارے میں نص خلافت نہیں کی ثابت نہیں ہوتا تھا) اور بسا اوقات تو رسول اللہ علیؑ کے امر میں حق سے باطل کی طرف مائل ہو جانا چاہتے تھے اور بہت مبالغہ کرتے تھے اور یہ بھی امر واقعہ ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے مرض موت میں علیؑ کے نام کی تصریح کر دینی چاہی تھی مگر میں نے اس سے ان کو روک دیا ہے۔ جس سے میری غرض محض اسلام کی ہمدردی تھی"

(شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید الجزء الثالث ص ۹۷)

یہی صاحب ابن عباسؓ سے یوں گفتگو فرماتے ہیں کہ

"اے ابن عباس! یہ تو درست ہے کہ رسول خدا کا ارادہ یہی تھا کہ خلافت علیؑ کو ملے مگر رسول اللہ کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ جب خدا نے ہی نہ چاہا رسول اللہ نے چاہا کہ خلافت علیؑ کو ملے۔ خدا نے اس کے خلاف چاہا اور خدا کی مراد جاری ہو گئی۔ اور رسول خدا کی خواہش پوری نہ ہوئی"

(شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید الجزء الثالث ص ۱۱۳)

میں حیران ہوں کہ زمین پھٹ کیوں نہ گئی۔ آسمان شق کیوں نہ ہوئے کہ اللہ تو یہ فرمائے کہ۔

”من بطع الرسول فقد اطاع الله“

(سورہ النساء۔ ۸)

جس نے الرسولؐ کی اطاعت کی یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

مگر بندے ایسے مطاع کو مائل بہ باطل ٹھہرائیں یہ کیسی اطاعت ہے؟

الغرض سیرت رسولؐ اور اسوۃ النبیؐ پر اسی طرح کے ریک جملے کر کے اور جھوٹے سچے قصے مشہور کر کے ان کی عصمت کو مشکوک بنا دینے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا لوگ حضورؐ کو غالی بشری سطح پر دیکھنے لگے۔ بلکہ اس سے بھی نیچے۔ چنانچہ رسول اللہؐ کی رحلت ہوتے ہی لوگ جنازہ رسولؐ کو بے دفن چھوڑے دنیا کے پیچھے دوڑ گئے اور اس کو پانے میں کامیاب ہوئے مگر اس نعمت کو کھو دیا جس کے سبب ان کو فلاح نصیب ہونا تھی۔ پھر کیا تھا سدا کی بد نصیبی امت کا مقدر بن گئی۔

حدیث غدیر کی تصدیق و توثیق

یہ حدیث متواتر ہے۔ اس کی صحت ہر شبہ سے بالا تر ہے حدیث ثقلین کے ساتھ ساتھ ہی اس کے بعد یہ حدیث آپؐ نے ارشاد فرمائی جس نے حدیث ثقلین کی توثیق و تصدیق کی ہے وہ ہی اس کی صحت سے بھی اقبال کرتا ہے مگر چونکہ یہ حدیث ہمارے موضوع سخن پر براہ راست حاوی ہے ہمارے دعویٰ کو مکمل طور پر ثابت کرتی ہے لہذا برائے استحکام و تقویت مزید ہم کچھ محققین و محدثین و مورخین و علماء و فقہاء کی تصنیفات و تالیفات کا ذکر سپرد قلم کرتے ہیں جنہوں نے اس حدیث کی تصدیق و توثیق کی ہے۔

حدیث غدیر وہ مہتمم بالشان پیام رسولؐ ہے جس کی اہمیت تبلیغ قرآن مجید اور خطبۃ الغدیر سے واضح ہے۔ ویسے تو محدثین علمہ و خاصہ نے اس حدیث کو بڑے اہتمام کے ساتھ صحیح اسناد سے جمع کیا ہے مگر بعض علماء نے اس حدیث کے طرق کی فراہمی میں ایسے اہماک سے کام لیا ہے کہ دیکھنے والے ششدر رہ جاتے ہیں۔ چنانچہ ابن کثیر شامی سے روایت ہے کہ ابو العالی جوینی اکثر بڑے تعجب سے کہا کرتے تھے کہ میں نے بغداد میں صحافوں کے پاس اس حدیث کی روایتوں کے متعلق ایک ضخیم کتاب دیکھی جس پر لکھا تھا کہ یہ حدیث غدیر کے طریقوں کے متعلق اٹھائیسویں جلد ہے اور اس کے بعد اٹھتیسویں جلد لکھی جائے گی۔ اس حدیث کے طرق پر متعدد مستقل رسالے بھی لکھے گئے ہیں جن میں سے چند کا ذکر حسب ذیل ہے۔

۱۔ حافظ ابو العباس احمد بن محمد بن سعید بن عبد الرحمن بن ابراہیم بن زیاد بن عبد اللہ بن عثمان العقدی الکوفی المعروف بہ ابن عقدہ نے اس حدیث کے متعلق ایک مبسوط رسالہ ”حدیث الموالاة“ کے نام سے لکھا ہے اور ایک سو اٹھائیس طریقوں سے روایت کی ہے۔

۲۔ علامہ ابو سعید مسعود بن ناصر السجری البستاتی نے اس حدیث کو ایک سو بیس صحابہ سے روایت کر کے سترہ جز کا ایک رسالہ لکھا جس کا نام ”درایت حدیث الولایت“ رکھا ہے۔

۳۔ علامہ حسن الامین نے اٹھارہ جلدیں اسی حدیث پر تحریر فرمائی ہیں۔

اصحاب رسولؐ راویان حدیث

علامہ ابن عقدہ نے ایک سو ایک اصحاب رسولؐ کے نام تحریر کئے ہیں جن سے حدیث غدیر مروی ہے۔ ان میں سے چند نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضرت ابو بکر (۲) حضرت عمر (۳) حضرت عثمان (۴) حضرت علیؑ (۵) حضرت امام حسنؑ (۶) حضرت امام حسینؑ (۷) حضرت عبداللہ بن عباس (۸) حضرت عبداللہ بن مسعود (۹) حضرت ابوذر (۱۰) حضرت سلمان فارسی (۱۱) حضرت حذیفہ بن یمان (۱۲) حضرت ابوالیوب انصاری (۱۳) حضرت ابوسعید خدری (۱۴) حضرت جابر بن عبداللہ وغیرہم۔ ابن عقدہ نے اٹھائیس دیگر اصحاب کا ذکر کیا ہے مگر ان کے نام نہیں لکھے ہیں۔

علماء و محدثین جنہوں نے اس حدیث کو نقل فرمایا

اصحاب رسولؐ اور تابعین کا سلسلہ پہلی صدی ہجری تک پایا جاتا ہے دوسری صدی سے علماء حدیث کا دور شروع ہوتا ہے۔ دوسری صدی سے پندرہویں صدی تک ہمارے محدود مطالعہ کے مطابق پانچ سو سے زائد علماء نے بڑے اہتمام کے ساتھ اس عالیشان حدیث کو نقل فرمایا ہے ہر صدی سے ہم ایک ایک نام بطور شہادت نقل کرتے ہیں۔

دوسری صدی ہجری	ابو محمد و عمر بن دینار الجمعی المتوفی ۱۱۵ھ
تیسری صدی ہجری	امام محمد بن اوریس شافعی ۲۰۴ھ
چوتھی صدی ہجری	امام حافظ محمد بن شعیب نسائی ۳۰۳ھ
پانچویں صدی ہجری	حافظ احمد بن موسیٰ ابن مردویہ ۴۱۶ھ
چھٹی صدی ہجری	امام ابو حامد محمد الغزالی ۵۰۵ھ
ساتویں صدی ہجری	امام محمد بن عمر فخر الدین رازی ۶۰۶ھ
آٹھویں صدی ہجری	امام حافظ اسماعیل بن عمر ابن کثیر دمشقی ۷۷۳ھ
نویں صدی ہجری	حافظ دلی الدین عبدالرحمن بن محمد ابن خلدون ۸۰۸ھ
دسویں صدی ہجری	حافظ امام عبدالرحمن جلال الدین سیوطی ۹۱۱ھ

گیارہویں صدی ہجری علی بن سلطان المعروف ملا علی قاری ۱۰۱۳ھ

بارہویں صدی ہجری شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ۱۱۷۶ھ

تیرہویں صدی ہجری سلیمان بن ابراہیم الحنفی القندوزی ۱۲۲۳ھ

چودھویں صدی ہجری مومن بن حسن مومن الشافعی ۱۳۵۰ھ

پندرہویں صدی ہجری محدث محمود شاہ ہزاروی

حدیث غدیر کا متواتر ہونا

اس حدیث کا ہر طبقے میں مسلسل روایت کیا جانا اس کے تواتر کو ثابت کرتا ہے تاہم نمونے کے طور پر ہم علماء کے دو اقوال نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

ملا علی قاری تحریر کرتے ہیں کہ

”بے شک یہ حدیث غدیر صحیح ہے۔ جس میں کسی طرح کا شبہ نہیں ہے۔ حافظان

حدیث نے اس کو متواترات میں شمار کیا ہے“

(المرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ

”حدیث غدیر کو امام احمد حنبل وغیرہ محدثین نے روایت کیا ہے اور امام احمد حنبل

کے تمام راوی ثقہ ہیں یہ حدیث متواتر ہے

(جامع صغیر)

طرق حدیث غدیر

اگرچہ اس معروف اور شہرہ آفاق حدیث کے تمام طرق کا انحصار اس کتاب میں مشکل ہے تاہم تمنا صرف ایک طریقے پر اقتصار کیا جاتا ہے۔

شیخان یعنی بخاری اور مسلم جیسے حدیث کے اماموں کے استاد عبداللہ بن محمد

بن ابی شیبہ اپنی ”مسند“ میں اور حافظ عبدالرحمن احمد بن شعیب التسانی نے اپنی

”سنن“ میں جابر بن عبد اللہ انصاری کی یہ روایت نقل کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم غدیر خم کے مقام جفہ میں تھے اور ہمارے ہمراہ قبیلہ جہینہ و حزمینہ، غفار کے بہت سے لوگ تھے پس رسول اللہ نے اپنے خیمے سے باہر تشریف لائے اور بعد خطبے کے علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر اور ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ علیؑ مولا ہیں۔

صحیح بخاری اور حدیث غدیر

ہم نے اپنی کتاب ”علی ولی اللہ“ میں عامۃ المسلمین ائمہ حدیث کی ایک طویل فہرست مرتب کی ہے جنہوں نے تخریج حدیث غدیر کی ہے۔ اس فہرست میں ہم نے ایک سو باون علماء کے اسماء نقل کئے ہیں بخاری، مسلم، واقدی اور ابوداؤد کے سوا ہر طبقہ کے محدثین کی جماعت کثیر نے اس حدیث پاک کو روایت کیا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ ”تدوین حدیث“ از خود ایک دردناک تاریخ کا حامل ہے۔ جس کے بارے میں ہم اس کتاب میں کوئی تبصرہ کرنے کی گنجائش نہیں پاتے۔ البتہ تاریخ میں اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ یہ کام کس فضا اور کیسے ماحول میں ہوا۔ بنی امیہ اور بنو عباس کے عہدوں میں بعض سیاسی، مغالوت کو پیش نظر رکھ کر تاریخ نویسی اور جمع حدیث کی مہمت شروع ہوئیں۔ یہ دونوں کام آزانہ ماحول، بے باکی، بے لاگی اور انصاف کی احتیاج رکھتے ہیں جس میں کی کوئی سہولت، مودعہ یا محدث کو حاصل نہ تھی۔ مختصراً یوں کہہ لیجئے کہ کانڈ پر قلم کی نوک ہوتی اور محرر کی گردن پر تلوار کی نوک۔ قلم تلوار کے اشاروں پر حرکت کرتے تھے۔ جو گردن ذرا سی بھی اٹھی اڑا دی گئی۔ ایسی فضا تھی کہ پرندہ پر نہیں مار سکتا تھا۔ خصوصاً وہ دور مکتب اہل بیتؑ کے پیروکاروں کے لئے بہت کٹھن اور پر آزمائش تھا۔ خالوادہ رسولؐ کا نام تک لینا ناقابل معافی جرم قرار دیا جا چکا تھا۔ یہ تو اللہ کا

خصوصی بددست ہی تھا کہ اس نے اپنے ذکر کو ارفع رکھا اور آج ہمیں اخفاء کی لاکھ کوششوں کے باوجود اہل بیتؑ کے فضائل و مناقب کا اتنا ذخیرہ دستیاب ہے کہ کسی دوسرے کے لئے نہیں مل پاتا۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری نے چھ لاکھ حدیثوں کو اپنے خزانہ حافظہ میں محفوظ کیا تھا جن میں سے ۷۲۷۵ احادیث کو اپنی صحیح میں منتخب کر کے جمع کیا ان میں سے صرف ۴۹ حدیثیں حضرت علیؑ سے لی گئی ہیں ان کا دور قرن ثالث یعنی تیسری صدی ہجری تھا جو اسلام کی صحیح کنی اور کذب و افتراء کے لئے مشہور زمانہ ہے اسی دور کے بارے حضور اکرمؐ نے فرمایا تھا کہ ”پھر جھوٹ پھیل جائے گا“ صحیح بخاری جلد اول ص ۶۵ مگر محدثین کی کاوش اپنے مقام پر خراج تحسین کی مستحق ضرور ہے کہ انتہائی نامساعد حالات اور کڑی پابندیوں کے باوجود انہوں نے اپنی لیاقت سے یہ کوشش سچیتہ ”ہی سہی ضرور فرمائی۔ کہ اشارے کنایے سے حق کا اظہار کیا اس کوشش کی بسا اوقات ان کو بڑی بھاری قیمت ادا کرنا پڑی اور سخت اذیت اٹھانا پڑی۔ امام نسائی جیسے جید محدث کی پسلیاں شکستہ کر دی گئیں بہر حال وہ ایسے حالات تھے اظہار حقیقت کرنا جان جو کھوں کا کام تھا۔ حدیث غدیر باطل کے محلات کو مسمار کرنے کا بہت بڑا ہتھیار تھا اور اہل حکومت نفسیاتی طور پر اس کی نشر و اشاعت سے بڑے خائف اور بہت مرعوب تھے مگر اللہ کو اپنے نور کو منور رکھنا منظور تھا بخاری اور مسلم اپنی ذاتی مجبوریوں کے باعث اس حدیث کو اپنی اپنی صحیح میں صحیح مقام دینے سے معذور تھے مگر ایسی متواتر حدیث کو بالکل نظر انداز کر دینا پیشہ وارانہ خیانت تو تھا ہی ان کے ضمیر میں بھی باعث مذمت تھا چنانچہ انہوں نے بڑے محتاط انداز میں اپنے مجموعہ میں اس عایشیل حدیث کو اس طرح پیش کیا کہ تھوڑا سا غور کرنے سے آدمی معاملے کی تہ تک رسائی حاصل کر لیتا ہے چنانچہ اپنی چابک دستی کے ساتھ بڑی فراست سے انہوں نے سانپ کو بھی مار دیا اور اپنی لاش بھی بچالی۔ چنانچہ امام بخاری اپنی صحیح میں

اس حدیث کے انوکھے طریقے سے نقل کرتے ہیں۔ اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح کے اتمام کے قریب مدون کیا ہے۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث جس جگہ پر نقل کی گئی ہے وہاں بظاہر بے ربط لگتی ہے مگر امام بخاری نے اسے باقاعدہ ایک جداگانہ باب بنا کر پیش کیا ہے اور اپنی ترتیب کی مناسبت سے اس حدیث کو صحیح کی اس کتاب میں جگہ دی ہے جو نام کے لحاظ سے ”دین“ کی روح ہے۔ اگر انہوں نے قصداً ”ایسا کیا ہے تو بہت لاجواب کیا ہے۔ اور اگر ان سے سوا“ ایسا ہو گیا ہے تو یہ دلیل اظہار حق ہے

چنانچہ امام بخاری اپنی صحیح کے تیسیوں پارے کی آخری کتاب ”کتاب التوحید“ کے آخری حصے میں باب نمبر ۷۷ ذریعہ عنوان۔

”قول اللہ تعالیٰ یا ایہا الرسول باخ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ۔۔۔ فجعل یحدثہم

یعنی اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اے رسول! پہنچا دیجئے جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اور اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو آپ نے اس کا پیغام (رسالت) نہیں پہنچایا۔

اور زہری نے کہا کہ اللہ کی طرف پیغام (رسالت) بھیجنا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہنچانا ہے اور ہم پر اس کا تسلیم کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ جان لے کہ ان لوگوں نے اپنے رب کے پیغاموں کو پہنچا دیا اور فرمایا کہ میں تمہارے پاس اپنے رب کے پیغاموں کو پہنچاتا ہوں اور کعب بن مالک نے جب کہ وہ (غزوہ تبوک میں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گئے کہا کہ عنقریب اللہ اور اس کے رسول تمہارے کام دیکھیں گے اور حضرت عائشہؓ نے کہا کہ جب تم کو کسی کا عمل پسند ہو تو کہا کرو عنقریب اللہ اور اس کے رسول اور ایماندار تمہارے کام دیکھیں گے اور تم کو کوئی فریب میں نہ ڈالے اور معمر نے کہا فلاک

الکتب سے مراد هذا القرآن ہے۔ ہدی للمتقین ہدایت ہے متقین کے لئے میں
 ”ہدی“ سے مراد بیان اور دلالت ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ اللہ کا حکم ہے اس
 میں کوئی ریب یعنی شک نہیں ہے ”تکلف لیت“ سے مراد ہرہ اعلام القرآن ہے اور
 اس کی مثل آیت حتی اذا كنتم فى الفلك وجرت بهم ہے۔ جس میں جرین
 بہم سے مراد جرین بکم ہے اور انس نے کہا کہ آنحضرت صلعم نے ان کے ماموں
 حرام کو ان کی قوم کے پاس بھیجا تو انہوں نے جا کر کہا کہ تم مجھ پر ایمان لاتے ہو
 کہ میں آنحضرت صلعم کا پیغام پہنچاتا ہوں پھر ان سے باتیں کرنے لگے۔

(صحیح بخاری جلد سوم ص ۹۱۵ اور ص ۹۱۶)

۔ عربی متن میں اس مطلب کی کوئی عبارت نہیں ہے۔ گمان ہے کہ ایک خاص مقصد کے لئے یہ
 اضافہ کیا گیا ہے۔

۱۔ سورہ یونس آیت نمبر ۲۲

یہ ہے وہ طویل عنوان باب جس کا سرنامہ آیت غدیر ہے اس بظاہر غیر مربوط
 عبارت میں بہت مفید مطالب پوشیدہ ہیں مثلاً ”زہری کا بیان پیغمبرؐ نے اللہ کا پیغام
 پہنچادیا کیونکہ خدا دیکھتا ہے کہ اس کا پیغام پہنچادیا ہے یا نہیں پھر کعب بن مالک کے
 پیچھے رہ جانے کے حوالے سے رسولؐ کو اعمال دیکھنے والا حاضر و ناظر بتاتا۔ اور بات
 کو ادھورا رکھنا پھر بی بی عائشہ کی زبانی اللہؐ رسولؐ اور مومنین کی یہ صفت بیان
 کرتا۔ کسی کے فریب دینے کی جانب اشارہ کرتا۔ کتب، قرآن، متقین، ہدی،
 آیات اور اعلام القرآن کے کنایوں میں بات کر کے فلک کی مثل دیکر فلک النجاة کی
 طرف متوجہ کرنا پھر آخر میں انس کا اپنے ماموں کی تقرری کا قصہ بیان کرتے ہوئے
 حرام کا اپنی قوم سے یہ کہنا کہ ”مجھ پر ایمان لاتے ہو کہ میں آنحضرتؐ کا پیغام پہنچاتا
 ہوں“ جب آپ ان تمام اشاروں پر غور فرمائیں گے تو انہیں حدیث غدیر سے
 متصل قرار دیں گے۔

امام بخاری اتنا بڑا عنوان باب تحریر کرنے کے بعد حدیث نمبر ۷۷۷۷۷ ۲۳ نقل کرتے ہیں جو صرف یہ ہے کہ حضورؐ نے ہم سے ہمارے رب کے پیغام کے متعلق خبر دی ہے کہ ہم میں سے جو شخص قتل کیا گیا وہ جنت میں جائے گا یہ روایت مغیرہ بن شعبہ سے ہے۔

اس روایت کو نقل کرنے کی خوشامد نہ چاہے بکدستی کے فوراً بعد امام بخاری اپنے مطلب کی جانب رجوع کرتے ہیں اور نقل کرتے ہیں کہ۔

”محمد بن یوسف، سفیان، اسماعیل، شعبی، مسروق حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ جو شخص تم سے یہ بیان کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحی سے کچھ چھپا لیا۔ (دوسری سند) محمد، ابو عامر عقدی، شعبہ، اسماعیل بن ابی خالد، شعبی، مسروق حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ جو شخص تم سے یہ کہے کہ آنحضرتؐ نے وحی سے کچھ چھپا لیا ہے تو اس کو سچا نہ سمجھنا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے رسولؐ آپ پہنچا دیجئے جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کا پیغام نہ پہنچایا“

(صحیح بخاری جلد سوم ص ۹۱۶ اور ص ۹۱۷ حدیث ۷۷۷۷۷ ۲۳)

امام بخاری اپنے ارد گرد کے حالات کی موجودگی میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے تھے اب یہ قارئین بخاری کا کام ہے کہ وہ ان عبارتوں پر غور کریں لہذا یہ کہنا کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث کا ذکر نہیں کیا راقم الحروف کے نزدیک درست نہیں ہے۔ جس قدر امام صاحب کی استطاعت میں تھا انہوں نے اس واقعہ کو اپنے ماہرانہ انداز میں پیش کیا ہے مگر انتہائی احتیاط اور پردہ پوشی کے ساتھ۔ بلاشبہ وہ اس پر ہدیہ تشکر وصول کرنے کے حق دار ہیں۔

احتجاج معصومینؑ بحديث غدیر

اہل بیتؑ نے اکثر اس حدیث سے احتجاج کیا ہے چنانچہ جنگ جمل میں امام علیؑ نے طلحہ کو بلایا اور ان سے حدیث غدیر پر مناشدہ کیا۔ انہوں نے اقبال کیا اور واپس چلے گئے اور مروان نے ان کو قتل کر دیا۔

(مروج الذهب مسعودی ج ۲ ص ۲۳۸)

سیدہ طاہرہ فاطمہ الزہراءؑ نے اپنے خطبے میں حدیث غدیر کو بیان فرمایا

(اسنی الطالب علامہ شمس الدین جزری)

جب صلح معاویہ کے لئے جمع ہوئے تو امام حسن علیہ السلام نے حدیث غدیر کو اپنے خطبہ میں بیان کیا۔

(ریاض المودۃ)

معاویہ کے مرنے سے ایک دو سال قبل جب امام حسین علیہ السلام حج کے لئے مکہ گئے تو اپنے حیداروں پر ہونے والے ظلم کے خلاف ایک خطبہ نشر فرمایا جس کو سات سو سامعین نے سنا جن میں دو سو کے قریب صحابی تھے آپ نے اس میں دیگر احادیث کے ساتھ حدیث غدیر کا حوالہ بھی دیا۔

حدیث غدیر کو چھپانے والے اصحاب معذب ہوئے

رجبہ اور رکبان کے موقعوں پر امیر المومنین علیہ السلام نے ایسے اصحاب کو جنہوں نے اس حدیث شریف کو اپنے کانوں سے سنا تھا مگر گواہی نہ دی بدو عادی جو قبول ہوئی ان میں بعض کے نام یہ ہیں۔ انس بن مالک، جریر بن عبد اللہ الجلی، براء بن عازب، زید بن ارقم، عبد الرحمن بن بدیع وغیرہم۔ چنانچہ انس مبروص ہوئے، براء اور زید اندھے ہو گئے جب کہ جریر پاگل ہو گئے۔

(انسب الاشراف جزاء الاول بلاذری)

خوف رسولؐ

بے جا حب جاہ اور دنیوی ثروت فساد کی جڑیں ہیں۔ مخبر اعظمؑ نے امت میں جب ان کے آثار دیکھے تو انکی مضرت سے امت کو ان کے پھیلنے سے پہلے آگاہ فرما دیا۔ اور اکثر ارشاد فرمایا۔

”جس چیز سے میں اپنے بعد تمہارے لئے ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ تمہارے اوپر دنیوی دولت اور وجاہت کے دروازے کھل جائیں گے اور تم دنیا کو اختیار کر لو گے“

(صحیح بخاری۔ کتاب الجہانز باب الصلوٰۃ علی الشہید ج ۱ ص ۱۶۱)
 بہر حال رسول غیب دان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان سچا ثابت ہوا لوگ نقص عمد کر کے بربادی میں مبتلا ہو گئے۔

منافع بیان

مسلمانوں کی تباہی کا نوشتہ دیوار بس دو صفحات پر مشتمل ہے۔ جن کی تشریح کے لئے دفتر درکار ہیں۔ یہ دونوں صفحے عہد رسالتؐ مآب میں زیر قلم آچکے تھے۔ ایک صفحے کا عنوان ”حب دنیا“ ہے۔ مسلمانوں کی شکست اول کا باعث یہی عبارت بنی جب روز احد دولت کے لالچ نے تیر اندازوں کو رسولؐ اللہ کے حکم کی نافرمانی کرنے پر آمادہ کیا اور وہ درہ چھوڑ کر لوٹ مار میں مصروف ہوئے۔ دوسرے صفحے کا مضمون ”میشاق غدیر“ ہے جس سے انحراف کر کے اللہ و رسولؐ کے حکم کے خلاف از حدی اقتدار کو اہل بیتؑ رسولؐ سے جدا رکھ کر حب جاہ و منصب کا مظاہرہ کیا گیا۔ پس اللہ اس عہد شکنی سے غضب ناک ہوا۔ اپنی نعمت کو روک لیا۔ فہم دین سے محروم کر دیا۔ پس اللہؑ رسولؐ اللہ اور ولی اللہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کو توڑا تو صراط مستقیم سے بہت دور ہٹ گئے۔ غیر اسلامی سیاست کے ایسے قواعد معیشت، قوانین معاشرت اور ضوابط اخلاق مرتب کر لئے جن پر آئندہ حکومتوں نے اپنے قصور شہابی کو مضبوط بنایا۔ نوخیز مسلمان نسلوں کے لئے وہی رہنما اصول اور نمونہ عمل قرار پائے اور وہی آج تک بدوے کار ہیں المختصر حب دولت و جاہ دنیوی کے باعث تمام موجودہ، سابقہ اور آئندہ امراض و عوارض جو مسلمانوں پر طاری ہیں ان کی اصل یہی ہے کہ رسول خدا کے تعلیم کردہ نظام اور جاری کردہ سلسلہ امامت کو نظر انداز کر کے اتباع ہوئی کرتے ہوئے خدا کے مقابلے میں نئے نظام رائج کرنے کی کوشش جو متخلفین نے شروع کی بالاخر امت کو لے ڈوبی۔

حالانکہ رسولؐ اللہ نے ہر دو رخ سے پردہ اٹھائے ہوئے قبل از وقت خبردار کر دیا تھا کہ۔

”انکم مستیلون فی اهل بی من بعدی“ (کنز العمال - کتاب الفتن حدیث - نمبر ۵۰۵)

یعنی میرے فوراً بعد میرے اہل بیتؑ کے ذریعے تمہارا امتحان لیا جائے گا تمہاری آزمائش کی جائے گی۔
نیز فرمایا کہ۔

”فورا“ میرے بعد اس امت میں ایسے حاکم ہوں گے۔ اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو وہ تم کو کفر کی طرف لے جائیں گے اور اگر ان کی اطاعت سے انکار کرو گے تو وہ تم کو قتل کر دیں گے وہ کفر کے سردار اور گمراہی کے رئیس ہوں گے۔ (کنز العمال - کتاب الفتن حدیث ۴۷۷)

پس منافع بیان یہ ہے کہ دین فطرت انسانی معاشرے کو منظم کرنے کا بہترین ضابطہ حیات ہے اسکا بلندی کی جانب جانے والا ایک سیدھا راستہ ہے جو اپنے راہی کو منزل فلاح تک لے جاتا ہے اور ایسے مقام تک پہنچا دیتا ہے کہ جہاں وہ جو چاہے ہو جاتا ہے۔ انسان کا ازلی دشمن اس راستے پر بار بار حملے کرتا ہے اور دنیا کی دلفریبی کا طمع دلا کر انسان کو گمراہ کرتا ہے۔ دین اسلام اپنے مسلم کو ہر شے مادی ہو یا روحانی دینے کی ضمانت دیتا ہے اس کے بدلے وہ صرف یہ طلب کرتا ہے کہ مسلم الرسولؐ کا مطیع کامل رہے۔ الرسولؐ نے روز غدیر بحکم خدا امت کو اپنے اہل بیتؑ کی اطاعت میں دے کر یہ ضمانت دی کہ اگر ان سے وابستگی رکھی جائے گی تو ہر گمراہی سے حفاظت حاصل رہے گی۔ غدیر کے دن ولایت امیر المومنینؑ کے اعلان کے بعد اللہ نے دین کی تکمیل فرمائی یعنی نعمت کو تمام کیا اور اس کا نام اسلام پسند کیا اور اس پر راضی ہو گیا اس حیات بخش دین اسلام کی باگ ڈور پیغمبرؐ اسلام نے اپنے جانشین امام علیؑ کے سپرد فرمائی اور صراط مستقیم کی گمرانی پر مامور فرمایا۔ لوگوں نے اس نعمت کا کفران کیا۔ جس سے اللہ سخت ناراض ہوا اور مسلمانوں کے ہاتھ ایسی

چکی تلے آ گئے ہیں جو چلتی جا رہی ہے اور اس کے رک جانے کا وقت معین معلوم نہیں ہے۔ کیونکہ اطاعت اتباع کے بغیر کامل نہیں ہوتی اس لئے وہ لوگ جنہوں نے پیغمبرؐ کی اطاعت سے روگردانی کی نہ بیعت ولایت کو توڑا، اتباع میں سخت ست ٹھہرے اور دنیا میں حد سے زیادہ دلچسپی لینے لگے جس سے اطاعت کا معیار مطلوبہ درجے سے بہت گر گیا جس کے سبب دین اسلام کے موعودہ ثمرات سے بہرہ مندی حاصل نہ ہو سکی۔

اہل بیتؑ نے اطاعت رسولؐ اور اتباع پیغمبرؐ میں سبقت حاصل کی۔ ان کی سیرتیں سیرت النبیؐ کی عکس نقول ہیں۔ ان کا اسوہ بمطابق اسوۃ الرسولؐ ہے۔ مادی حیات ہو یا روحانی۔ زندگی کا کوئی بھی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے ہر ہر گوشے تک مکتب اہل بیتؑ کی روشنی نہ پہنچتی ہو۔ مہد سے لے کر لحد تک کے تمام ممکنہ مسائل کا حل اس مکتب میں دستیاب ہے حتیٰ کہ سکون جو نایاب ہے وہ بھی وہاں موجود ہے۔ عبادات ہو یا معاملات، اجتماعی الجھنیں ہوں یا انفرادی پریشائیاں قومی پیچیدگی ہو یا بین الاقوامی رکاوٹ، دنیا کے جھنجھٹ ہوں یا اخروی مسائل غرضیکہ جملہ مادی و روحانی مشکلات کو حل کر دینے کی ضمانت مکتب اہل بیتؑ کے سوا کوئی دوسرا نہیں دیتا ہے۔ چنانچہ مکتب اہل بیتؑ کے فکر و نظر کی روشنی میں جب ہم اسلامی نظریات کا زندگی پر اثر مشاہدہ کرتے ہیں تو یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اسلامی علوم و معارف نے عترت رسولؐ کی حکمتوں سے اپنی تصویروں میں انسانیت کا دلکش رنگ جذب کیا ہے اور یہ رعنائی ان ہی معصوم ہستیوں کی خرمیوں سے

منت ہے۔

التماس دعا

احقر العباد۔ پناہ مانگتا ہے انسانوں کے رب کی۔ انسانوں کے بادشاہ کی۔ انسانوں کے معبود کی۔ (دوسوہ ڈال کر) پیچھے ہٹ جانے والے (شیطان) کے دساوس کے شر سے۔ جو انسانوں کے دلوں میں دوسوے ڈالتا رہتا ہے۔ (خواہ) وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔

وینا تقبل منی انک انت السميع العليم

۵ مئی ۱۹۹۰ء ۷ بجے صبح

۔۔۔ حاشیہ صفحہ ۱۲۰۔۔۔

دورہ نخل کی یہ آیات ایک مخصوص شان نزول رکھتی ہیں۔ یار پیغمبرؐ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی حوصلہ افزائی اور دیکروں کی نصیحت کے لیے یہ آیات نازل ہوئیں۔ جناب عمارؓ پر مشرکین مکہ نے ظلم کے پہاڑ توڑے اور حضورؐ کی نافرمانی کرنے کے لیے مجبور کیا۔ آپؐ نے یہ روئیداد بکھور سید الانبیاءؑ بیان کی تو آپؐ نے اجازت مرحمت فرمائی کہ ایسے اندوہناک حالات میں تنبیہ کا سارا لیکر اپنے دین کی حفاظت کریں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ وضاحت خدا نے کر دی کہ اگر کوئی خوش دلی سے نبیؐ کی نافرمانی، وگستاخی کرے گا اور دنیاوی لالچ میں آکر اتباع رسوا سے روگردانی کی راہ اختیار کرے گا تو مفسوب علیم میں قرار پائے گا۔ ایسے لوگوں کو عذاب عظیم میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ ان کے دلوں کاٹوں اور آنکھوں پر مہر لگا دی جائے گی اور بالآخر ان کا انجام بڑا گھناؤنا ہو گا یاد رہے کہ یہ تنبیہ ان قوموں کے لیے ہے جو ایمان کے دعویدار ہیں۔

خصوصی گزارش

قارئین مکرمین سے عاجزانہ التماس ہے کہ ازراہ مہربانی اول و آخر درود شریف کے ہمراہ ایک بار سورہ فاتحہ اور تین بار سورہ اخلاص کی تلاوت کا ثواب مرحومہ و مغفورہ والدہ صاحبہ ملک رفیع اللہ خان بگلش کو ہدیہ فرمائیں۔ ذاتی طور پر شکر گزار ہوں گے۔

ناشر

سید سلیمان سید
صدر المصنفین و المصنفات

ثبوت ہے کہ اسلامی انقلاب تابع واقعہ غدیر ہے۔

ایران کے اسلامی انقلاب کا دوسرا کارنامہ ہے کہ اس نے لڑنے والے مسلمانوں کو متحد کرنے کی کوشش کی۔ وحدت مسلمین اس انقلاب کا ایک خصوصی ہدف ہے۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ لبنان کی مدد کے لئے کوئی نہ آیا۔ لیکن ایران نے اپنے فوجی دستے بھیج دیئے۔ اسرائیل کے وزیر عظم نے کسی مسلمان ملک کی طرف توجہ نہ کی لیکن ایران سے کہا کہ وہ اپنی جھکیوں پر عمل نہ کرے ورنہ خطرناک نتائج پیدا ہوں گے یعنی دشمن کی نظر میں بھی حامی اسلام فقط ایران ہے۔

تیسرا کارنامہ اسلامی انقلاب کا یہ ہے کہ یہاں افراد کی حکومت نہیں ہے۔ آقائے خمینی سب سے زیادہ بااثر ہیں مگر حکومت سے الگ ہیں۔ صدر وزیر اعظم۔ چیف جسٹس ممبران پارلیمنٹ۔ وزراء۔ جنرل۔ علماء۔ شہید ہو گئے بلکہ ہر گھر تک شہادت پہنچ گئی مگر اسلامی انقلاب کسی گھر سے باہر نہیں ہوا۔

و فرار بھی اسلام کو ذرہ برابر نقصان نہ پہنچا سکے۔ یہ بات اس وقت
 اپنی پوری سچائی کے ساتھ سامنے آئی۔ جب غدیر کے معصوم سلسلہ کے
 زیر اثر ایران میں اسلامی انقلاب آیا۔ اور دنیا نے دیکھا کہ اسلام
 اپنے تمام کلیات و جزئیات سمیت زندہ و تابندہ ہے۔ اسلامی انقلاب
 نے غدیری اعلان کی اہمیت بھی ثابت کر دی اور ائمہؑ نے اسلام کا
 جو تحفظ کیا تھا اس کا زندہ ثبوت بھی پیش کر دیا۔

ایران کے اسلامی انقلاب سے پہلے جن مسلمان ملکوں سے
 اسلام اور اسلامی حکومت کی آوازیں بلند ہوتی تھیں۔ ان میں سے
 کسی ملک نے آج تک اپنے یہاں اسلامی حکومت نہیں قائم کی۔
 سورہ والناس گواہ ہے کہ انسانوں کا بادشاہ (ملک الناس) صرف
 خدا ہے کیونکہ اس سورہ کے آغاز میں خدا نے اپنے کو رب الناس۔
 ملک الناس الہ الناس بتلایا ہے۔ اللہ کے علاوہ کوئی انسانوں کا
 خدا نہیں ہے تو اللہ کے علاوہ کوئی نہ انسانوں کا رب ہے نہ انسانوں کا
 بادشاہ ہے۔ لہذا جہاں حکومت انسانوں کی ہے چاہے وہ ملک کہلاتا
 ہو یا شیخ۔ صدر کہلاتا ہو یا ڈکٹیٹر وہاں حکومت الہیہ نہیں ہے۔ ایران
 میں جو دستور رائج ہے اس کی پہلی دفعہ یہ ہے کہ ملک کا ہر قانون اور
 ہر عہدہ دار قرآن مجید اور ارشاد رسولؐ و ارشاد ائمہؑ طاہرین کا پابند
 ہوگا۔ کوئی کام خلاف کتاب و سنت معصومینؑ نہ ہوگا۔ ایران کا اسلامی
 انقلاب جہاں کتاب و سنت کی حکومت کو نافذ کرتا ہے وہاں سنت کی
 تشریح صرف سنت رسولؐ سے نہیں کرتا ہے بلکہ سنت معصومینؑ کو سنت
 قرار دیتا ہے۔ سنت کو سنت رسولؐ ائمہ معصومینؑ قرار دینا اس بات کا

اس کے مولیٰ ہیں -

۳ - اعلان کے بعد خدا نے کہا - آج کافر مسلمانوں کے دین سے مایوس

ہو گیا۔ آج سے کسی غیر اسلامی خوف سے کوئی مسلمان نہ ڈرے کیونکہ آج

دین کامل ہو گیا۔ نعمتیں پوری ہو گئیں اور مسلمانوں کا اسلام اللہ نے قبول کیا

۴ - اعلان کے بعد حضورؐ نے حکم دیا کہ فرداً فرداً ہر مسلمان سربراہ اسلام

ہونے کی مبارکباد حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت

میں پیش کرے -

۵ - اعلان سربراہی کی تقریب کے اختتام کے بعد بھی حضورؐ نے

ہر حاضر مسلمان کا فریضہ قرار دیا کہ وہ ہر غیر حاضر مسلمان تک

آج کا پیغام - آج کی روئداد - آج کا حکم پہنچائے - چنانچہ ہم ہر

سال عید غدیر مناکر اپنے ہادیؑ کی ہدایت پر سالانہ عمل کرتے

ہیں -

غدیر کے دن امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے لئے

خدا اور نبیؐ نے جو اہتمام کیا - اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلام کی ابدیت کو

تاقیامت باقی رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ زندگیوں میں نافذ رہے

معاشرہ اور حکومت اس کی تابع رہے - قانون الہی کو مکمل برتری اور

بالا تری حاصل رہے - اور ان مقاصد کے حصول کے لئے لازم تھا

کہ معصوم سربراہ مقرر کیا جائے اور اس کی سربراہی سب سے منوائی

جائے - غدیری اعلان درحقیقت اسلام کی زندگی کا تحفظ تھا -

اگرچہ تاریخ نے غدیری اعلان سے منہ موڑ لیا تھا مگر سربراہ نے بلکہ

پورے سلسلہ سربراہ نے اسلام کا ایسا تحفظ کیا - کہ صدیوں کے نشیب

غدير سے اسلامی انقلاب تک

تقریباً ۱۴ سو سال کا طولانی فاصلہ ہے غدير اور اسلامی انقلاب کے درمیان لیکن اس طویل فاصلہ کے باوجود دونوں واقعے ایک تاریخ سے جڑے ہوئے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ ایک سبب ہے دوسرا اس کا نتیجہ ہے۔ سلسلہ کے آخری ہیمنہ ذی الحجہ کی ۱۸ تاریخ کو مرسل اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے سربراہ اسلام ہونے کا اعلان کیا تھا یہ اعلان حسب ذیل خصوصیات کا حامل ہے۔

۱۔ اعلان سے قبل خدا نے حضورؐ سے کہا کہ اگر یہ اعلان نہ ہوا تو تبلیغ دین کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

۲۔ اعلان سے قبل حضورؐ نے اپنی موت کی خبر دی۔ لوگوں کو دین کی پابندی کی تلقین کی۔ حق تبلیغ ادا کرنے کا مجمع سے اقرار کیا۔ لوگوں سے سوال کیا کہ اپنی زندگی کے تم مالک ہو یا میں تمہاری زندگیوں کا مالک ہوں۔ مجمع نے حضورؐ کے مالک ہونے کا اقرار کیا۔ اس اقرار کے بعد لازم تھا کہ حضورؐ اپنی ملکیت (امت کی زندگی) کو نقصان سے محفوظ رکھنے کا انتظام کریں۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ میرا مولیٰ ہے۔ میں تمہارا مولیٰ ہوں اور جس کا میں مولیٰ ہوں یہ علیؑ بھی

بھی قانون الہی بہت کم نافذ ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ دین اور قانون کا نفاذ طاقت کے ذریعہ نہیں کیا جا رہا ہے۔ بلکہ تعلیم و تبلیغ کو نفاذ کا ذریعہ مقرر و معین کیا گیا۔ لہذا جو لوگ غدیر کی بات نہیں مانتے۔ ان سے کچھ کہنا نہیں ہے۔ البتہ جو غدیر کے اعلان کو دل و جان سے مانتے ہیں۔ ان سے سوال ہے کہ وہ اسلام کے قانون کو اپنی زندگی میں۔ اپنی فیملی اور خاندان کی زندگی میں۔ اپنی سیاسائی اور قوم کی زندگی میں کیوں نافذ نہیں کرتے۔ کیا پابند دین ہونے کے لئے خدا سزا سناتا ہے ان کو بھی کسی آسمانی عذاب کا انتظار ہے۔ یا معاذ اللہ ان کو بھی بارہویں امام کی تلوار کا انتظار ہے۔ اگر بغرض ایسی کوئی بات ہے تو یقیناً ان کے دل نے غدیر کے اعلان کو نہیں مانا ہے۔ ورنہ غدیری اعلان کا تقاضہ یہی ہے کہ ہم نہ صرف اپنی زندگی میں۔ اپنے خاندان کی زندگی میں۔ اپنی قوم اور سوسائٹی کی زندگی میں اسلامی قوانین کو نافذ کریں بلکہ غیروں کو اپنائیں غدیری حلقہ کی توسیع میں حصہ لیں اور دوسروں میں بھی غدیری اسلام کو نافذ اور جاری دساری کریں۔ لیکن بے نازی ہم ہیں۔ بے روزہ دار ہم ہیں۔ زکوٰۃ و خمس کو ہضم کر جانے والے ہم ہیں۔ گھر میں اپنے رفقا حیات کو ستانے والے ہم۔ ماں باپ کو دل تنگ کرنے والے ہم ہیں۔ مومنین کو دھکمانے والے ہم ہیں۔ مسلمان نہ ہماری زبان سے محفوظ ہیں نہ ہمارے ہاتھوں سے محفوظ ہیں اس صورتحال کے پیش نظر تو ہم مغولی مسلمان بھی نہیں ہیں چہ جائیکہ غدیری مسلمان ہونا لہذا غدیر کو مانتے والی قوم سے اعلان غدیر تقاضہ کر رہا ہے کہ دین کو سہر زندگی میں نافذ کرو۔ ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن تم کو غدیر کے منکروں کے صف میں بٹھارا اعلیٰ کھڑا کر دے۔ اور دوزخ میں کھڑے ہونے سے بدتر ہے غدیر کے منکروں کی صف میں کھڑا ہونا۔

واقعہ ہے کہ حضور کی وفات کے بعد حالات نے آپ کو پیشوائی اور سربراہی کے حق سے محروم رکھا تفسیر و حدیث و تاریخ کی کتابیں اس تذکرہ سے بھری پڑی ہیں معلوم کرنا اور اعتراضات کرنا ہمارا فرض بھی ہے اور ہمارا ضرورت بھی ہے۔ یہاں ثبوت پیش کرنا پیش نظر نہیں ہے۔ تاریخ احمدی سے لے کر القدر تک ہزاروں کتابیں اس موضوع پر ہر زبان میں موجود ہیں۔ جن کو نہیں معلوم ہے وہ معلوم کریں اور مانیں۔ البتہ جن کو غدیری اعلان معلوم ہے نہ صرف معلوم ہے بلکہ یہ اعلان ہر طرح تسلیم ہے ان کا فرض ہے کہ سوچیں کہ خدا نے ختم نبوت کے بعد سلسلہ امامت کو کیوں جاری کیا۔ حضرت علیؑ کو نبی کا جانشین کیوں بنایا۔ اور آپ کے بعد گیارہ امام کیوں مقرر کئے۔ بارہویں کے ذریعہ امامت کو آج بھی کیوں زندہ اور باقی رکھا ہے۔ یہ ایسے ہی بہت سے سوالات ہیں جن کی بنیادی وجہ کو جاننا ہمارا فریضہ ہے۔

وجہ صرف ایک ہے بے شک دین کامل ہے۔ لیکن قیامت تک تشریح قانون کی ضرورت باقی ہے اور مکمل قانون بھی بے فائدہ ہے اگر وہ نافذ نہ ہو سکے افراد اور سوسائٹی کی زندگی پر اگر قانون کی گرفت مکمل طور پر نہیں ہے تو قانون و دین کا فائدہ بھی پورے طور پر حاصل نہ ہوگا۔ لہذا قیامت تک سلسلہ امامت کو اس لئے باقی رکھا گیا تاکہ قانون کی صحیح تشریح ہوتی رہے۔ اور اس کو نافذ بھی کیا جائے۔ ظہور امام مہدی علیہ السلام کا دن نفاذ قانون کی تکمیل کا دن ہوگا حکومتیں طاقت کے ذریعہ قانون نافذ کرتی ہیں اور دین تعلیم و تبلیغ کے ذریعہ قانون کو نافذ کرتا ہے زمانہ غیبت عہد جہالت و فرصت ہے تاکہ تبلیغ و تعلیم کے حدود مکمل ہو جائیں تبلیغ و تعلیم کے حدود کی تکمیل کو ہی اتمام حجت کہا جاتا ہے حضور کو اسلام پیش کئے ہوئے ۱۴ سو سال سے زیادہ مدت ہو چکی ہے لیکن اب

ذریعہ حاصل ہوا ہے۔ اس بات کی طرف توجہ دلانا اس لئے ضروری تھا کیونکہ منکر مزاج اور ضدی طبیعتیں ثبوت کی رٹ لگاتی ہیں اور ثبوت نہیں ملا کی ہٹ پر اتراتی ہیں۔ لیکن کسی کو اگر کسی بات کا ثبوت نہیں ملا تب بھی اس کو حق سے انکار نہیں ہے۔ صرف وہ اقرار سے اپنے کو آزاد رکھ سکتا ہے۔ کیونکہ ثابت نہ ہونے سے نہ ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے۔ عدم ثبوت بہر حال ثبوت عدم نہیں ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۱۷ھ کو حضور سرور کائنات جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم کے میدان میں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مسلمانوں اور حاجیوں کے درمیان مولائے کائنات حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ اس اعلان کو زبان حال سے بھی پیش کیا۔ اپنے اقوال سے بھی پیش کیا اور سب کو حضرت علیؑ کے پاس بھیجا بھی تاکہ ہر شخص فردا فردا آپ کے امیر المومنین ہونے کا اقرار کرے اور سب نے بلا استثناء شخصہ یہ اقرار کیا بھی۔ اصحاب۔ ہاجرین۔ انصار۔ ازواج پیغمبر غرض کہ کوئی باقی نہ رہا جس نے جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو ارشاد پیغمبر اور حکم خدا کے مطابق اپنا امیر نہ مانا ہو۔

ائمہ معصومین علیہ السلام نے لفظ امیر المومنین کو ذات علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے لئے مخصوص کر دیا اور مانعت کر دی کہ کسی امام کے لئے بھی یہ لفظ استعمال نہ کیا جائے تاکہ شک و شبہ۔ مجاز اور جالفہ وغیرہ کی تمام راہیں بند رہیں۔ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کا جانشین پیغمبر ہوتا۔ امام ہونا وصی پیغمبر ہونا۔ ولی خدا ہونا۔ حجتہ خدا ہونا۔ اسلام اور مسلمانوں کا دینی و دنیاوی پیشوا اور سربراہ ہونا اتنی ہی سچی اور ثابت حقیقت ہے جتنا سچا یہ

مقالہ از مولانا سید غلام عسکری اعلیٰ اللہ مقامہ

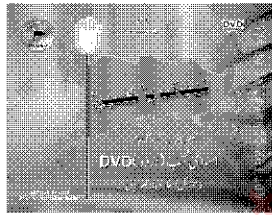
غیری تقاضے

حقیقت خود حقیقت ہوتی ہے۔ چاہے مانی جائے۔ چاہے نہ مانی جائے۔ اسی طرح اگر کوئی بے حقیقت بات مان بھی لی جائے تب بھی وہ حقیقت کا درجہ حاصل نہیں کر سکتی۔ مثلاً خدا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے اگر ساری دنیا اس حقیقت کی منکر ہو جائے تب بھی اس کی واقعیت میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوگا۔ بلکہ جو معترف ہوگا۔ اس کا اعتراف اس کو سچا بنا دے گا اور جو منکر ہوگا اس کا انکار اس کو غلط اور باطل بنا دے۔ یہی حال یہی اصول نتیجہ ہر حقیقت کے لئے ہے۔ اس میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ معاملات چاہے دین کے ہوں یا دنیا کے ہوں۔ باپ بہر حال باپ ہے نہ ماننے والا بیٹا نالائق کہلائے گا اور ماننے والا لائق قرار پائے گا۔

باپ کو باپ ماننے نہ ماننے کا کوئی اثر باپ پر نہیں پڑے گا کچھ اثر پڑے گا وہ بیٹے ہی پر پڑے گا یہ بات بھی خوب سمجھ لینا چاہیے کہ حقیقت جاننے کے لئے ثبوت درکار ہوتے ہیں ورنہ درحقیقت ثبوت کو خود حقیقت پیدا کرتی ہے۔ خود ثبوت میں حقیقت کو پیدا کرنے کی طاقت نہیں ہے یہ بات کوئی دقیق بات بھی نہیں ہے۔ مثلاً دھواں اس بات کا ثبوت ہے کہ آگ سلگ رہی ہے اور آگ سلگ رہی ہے یہ حقیقت ہے۔ آگ نے دھوئیں کو پیدا کیا ہے۔ دھوئیں نے آگ کو نہیں پیدا کیا ہے۔ ہم کو آگ کے وجود کا علم دھوئیں کے

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔



منجانب۔

سبیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان



۷۸۶
۹۲-۱۱۰
یا صاحب الزماں اور کئی

DVD
Version

لبیک یا حسینؑ

نذر عباس
خصوصی تعاون: رضوان رضوی

اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری -

SABIL-E-SAKINA

Unit#8,

Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.

www.sabeelesakina.page.tl
sabeelesakina@gmail.com

www.ziaraat.com

NOT FOR COMMERCIAL